

خُلقائے اشریں کی جنگی حکمت عملی
اور تدبیرات کا عسکری تجزیہ

تین سو سے زیادہ جنگوں اور مہمت پر محیط منفرد دستاویز

حصہ سوم

فتوح مصر و افریقہ و دیگر

مصنف

میجر (ر) امیرال خاں

میر و ناشر

از شد قریشی

بانی تصوف فاؤنڈیشن

تصوف فاؤنڈیشن
۱۲۱۹ ع

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا الصَّبْرَ الْحَقِيقَ الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) مومنین کو جنگ (جہاد) کی ترغیب دو - (فرمان الہی)



تَصَوَّبُوا وَابْتِغُوا وَجْهَ اللَّهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ



قَالَ اللَّهُ تَعَالَى فِي الْقُرْآنِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ

كَيْتَابِكُمْ الْقِتَالُ وَهُوَ كَرِيمٌ

تم (لوگوں) پر جنگ (جہاد) کو فرض کر دیا گیا ہے اور وہ تمہیں ناپستید۔ (فرمان الہی)



قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

لَمْ يَخْرُفْنَا الْفَقْرُ وَالْجَهْلُ

میرے دو ہنسر (ہتھیار) ہیں فقر اور جہل۔ (فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)



شاہکار کتب جہاد

شماره (۵)

۲۹۷۹۲
۹۹۹

۱۵۸۳۳۲

۳۳۳

مدیر و ناشر

ابونجیب حاجی محمد ارشد قریشی

بانی تصوف فاؤنڈیشن ۷۵۹۹۵۳۳



جملہ حقوق محفوظ

ناشر ————— تصوف فاؤنڈیشن ۲۳۹ این سٹریٹ، لاہور

طبع ————— زاہد بشیر پرنٹرز، لاہور

ایڈیشن ————— ۶۲۰۰۲ / ۱۴۲۲ھ (۵۰۰)

قیمت ————— مجلہ

تفصیلاً ————— المعارف گنج بخش روڈ، لاہور، پاکستان

۳-۱۰۰-۵۰۶-۹۶۹-آئی ایس بی این

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حرف آغاز

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویٰ سے شرابِ بولہبی

گیارہ ستمبر کو امریکہ کے تجارتی (ورلڈ ٹریڈ سنٹر) اور دفاعی (پینٹاگون) مراکز کی تباہی مکافاتِ عمل کا نتیجہ تھی لیکن امریکہ نے اس واقعہ کو بہانہ بنا کر دہشت گردی کے خاتمہ کی آڑ لے کر ایک طویل المیعاد نظریاتی و عسکری جنگ کا آغاز کر دیا ہے۔ وہ اسے صلیبی جنگ، تہذیبوں کا تصادم، آزادی کی جستجو یا دہشت گردی کے خلاف جنگ کوئی بھی نام دے، درحقیقت یہ کفر اور اسلام کی جنگ ہے۔ امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے پانچ ہفتہ کی شدید ترین بمباری اور خون ریزی کے بعد افغانستان کو تباہ اور طالبان کی اسلامی حکومت کا خاتمہ کر دیا ہے۔ امریکہ پہلے ہی یہ واضح کر چکا ہے کہ یہ سلسلہ افغانستان پر نہیں رکے گا بلکہ ساٹھ ممالک پر محیط ہوگا۔ اسلامی ممالک کی تعداد ستاون ہے اس میں فلسطین، چیچنیا اور کشمیر شامل کر لیں تو یہ تعداد ساٹھ ہو جاتی ہے۔ گویا اس جنگ کے اہداف نامزد کئے جا چکے ہیں۔ امریکہ نے دہشت گردی کے خلاف اس جنگ کے عرصہ کا تعین نہیں کیا ہے لیکن امریکہ کے پالیسی ساز یہود نواز حلقے جنگ کو پچاس سال پر محیط دیکھتے ہیں۔ ظاہر ہے پچاس سال افغانستان جیسے ملک کو فتح کرنے یا دہشت گردوں کو کفر کردار تک پہنچانے کے لئے درکار نہیں ہیں بلکہ یہ عرصہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے عمل کو روکنے اور عالم اسلام میں روز افزوں جذبہ جہاد کو سرد کرنے کے لئے مطلوب ہے۔ ایشیائی پاکستان اسلام کا قلعہ اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا عنوان ہے اس لئے براہ راست اس یلغار کی زد میں ہے۔ عالم اسلام اتحاد اور جہاد سے لیس ہو کر ہی اس یلغار کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ لیکن جہاد صرف جذباتی عمل نہیں ہے بلکہ ایک خاص ماحول کی پیداوار ہوتا ہے۔ یہ ماحول اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتا جب تک امت کا ہر فرد یا اکثریت اسلام کے عطا کردہ نظام حیات کے مطابق پوری زندگی بسر نہ کرے۔ گیارہ ستمبر کے بعد دنیا بدل گئی ہے مسلم لٹہ کو بھی بدلنا ہوگا، اسلام اور عالم اسلام کی بقا کے لئے اب جہاد ناگزیر ہو گیا ہے۔

فیضانِ نبوی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ”لِنِي جَوْفَانِ الْفَقْرِ وَالْجِهَادِ“ کی تعمیل میں تصوف فاؤنڈیشن نے فقرو تصوف کے ساتھ ساتھ جہاد اور فن حرب پر بھی کتابیں شائع کرنے کا عزم کیا ہے۔ پہلے مرحلے میں ”شاہکار کتب جہاد“ سلسلہ کی حسب ذیل تین کتابوں کا سیٹ جو چھ جلدوں پر مشتمل ہے شائع کیا جا رہا ہے ان کتابوں کے مصنف اس موضوع پر اتھارٹی اور یہ کتابیں بلاشبہ شاہکار کتب ہیں۔

(۱) جہاد: جہاد اور فن حرب کے متعلق قرآن مجید کے رہنما و عالمگیر اصول از بریگیڈ ریگزار احمد

(۲) رسول اللہ کی جنگی حکمت عملی اور تدبیرات کا عسکری تجزیہ از میجر امیر افضل خاں

(۳) خلفائے راشدین کی جنگی حکمت عملی اور تدبیرات کا عسکری تجزیہ (چار جلدیں) از میجر امیر افضل خاں

جہاد اور فن حرب پر یہ شاہکار کتب ملٹری اور جہادی ٹریننگ کے لئے بہترین نصاب ہے۔ حالات کا تقاضا ہے کہ جہاد اور فن حرب کو تعلیمی اداروں اور دینی مدارس کے نصاب میں شامل کیا جائے اور موجودہ حالات سے نبرد آزما ہونے کے لئے مسلم ائمہ کو جہاد کے لئے تیار کیا جائے۔ یہاں یہ ذکر ضروری ہے کہ پہلی کتاب ”جہاد“ تیس سال پہلے شائع ہوئی تھی۔ ”رسول اللہ اور خلفائے راشدین“ کی جنگی حکمت عملی اور تدبیرات کا عسکری تجزیہ“ پر مشتمل باقی پانچ کتابیں بھی بیس سال قبل آرمی ایجوکیشن پریس نے آرمی کے لئے شائع کی تھیں۔ اب تصوف فاؤنڈیشن ان نایاب اور لازوال کتابوں کو منظر عام پر لا رہا ہے۔ انہماکی محدود وسائل کی وجہ سے یہ کتابیں محدود تعداد میں شائع کی جا رہی ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان کتابوں کی وسیع اشاعت ہو اور جہاد اور فن حرب پر مزید کتابیں شائع کی جائیں۔ اس سلسلے میں دردمند مخیر حضرات کو تعاون کی دعوت ہے۔ آخر میں ان دوستوں اور عزیزوں کا شکر یہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے ان کتابوں کی اشاعت میں مدد کی ہے اللہ تعالیٰ اس کا خیر کوان کے لئے توفیق آخرت بنائے۔ آمین۔ وما علینا الا البلاغ۔

ارشاد قریشی

بانی تصوف فاؤنڈیشن لاہور

یکم رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ / ۱۷ نومبر ۲۰۰۱ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
سلسلہ جلالِ مصطفیٰ

خلفائے راشدینؓ

کی جنگی حکمتِ عملی

اور

تدبیرات کا تجزیہ

کتاب سوم

فتوحاتِ مصر، افریقہ اور متفرق



ریٹائرڈ میجر امیر افضل خان

آرمی ایجوکیشن پریس

اسلام کے
غازیوں اور شہیدوں
کے نام



بہ آں گروہ کہ از ساغر وفا مستند
سلام ما بہ رسانید ' ہر کجا مستند



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خلفائے راشدین کی جنگی حکمتِ عملی کا تجزیہ

(حصہ سوم)

مصر و افریقہ اور متفرق علاقوں کی فتوحات

فہرست مضامین

ص	پیش لفظ	۱
۱	۲۔ پہلا باب۔ مصر کی فتوحات، حکمتِ عملی اور تجویز	
۳۹	۳۔ دوسرا باب۔ سکندریہ کی فتح اور پورا مصر آغوشِ اسلام میں	
	۴۔ تیسرا باب۔ جناب فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت اور جناب عثمان ذوالنورین کی خلافت	
۷۳	۵۔ چوتھا باب۔ افریقہ کی مزید فتوحات	
۹۹	۶۔ پانچواں باب۔ شام کے محاذ کی مزید فتوحات	
۱۳۵	۷۔ چھٹا باب۔ کوفہ کے امراء اور محاذ کی جنگی کارروائیاں	
۱۵۹	۸۔ ساتواں باب۔ بصرہ کے امراء اور محاذ کی جنگی کارروائیاں	
۱۸۷	۹۔ آٹھواں باب۔ قرآنِ پاک کی اشاعت	
۲۰۷	۱۰۔ نواں باب۔ آزادیِ فکر اور آزادیِ عمل	
۲۱۵	۱۱۔ دسواں باب۔ فتنہ و فساد کا مرکزِ اسلام کی طرف رخ	
۲۵۳	۱۲۔ گیارھواں باب۔ مفسدین کا مرکزِ اسلام میں داخلہ اور جناب عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت	
۲۶۵	۱۳۔ اشاریہ	
۲۸۵		



خلفائے راشدین کی جنگی حکمتِ عملی کا تجزیہ

(حصہ سوم)

نقشہ جات

- صفحہ
- ۱۔ نقشہ اول۔ جناب فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی مصر کی فتوحات کے لئے حکمتِ عملی ۱-۱۶
 - ۲۔ نقشہ دوم۔ حضرت عمرؓ بن عاص کی مکہ پہنچنے سے پہلے کی کارروائی۔ ۱-۲۳
 - ۳۔ نقشہ سوم۔ عینِ شمس کی جنگ کے دو مرحلے ۱-۳۰
 - ۴۔ نقشہ چہارم۔ اسلامی لشکر کی سکندریہ کی فتح اور ٹولٹا پر قبضہ ۱-۵۰
 - ۵۔ نقشہ پنجم۔ ۲۰ اور ۲۱ ہجری میں خلیفہ دوم کی فتوحات کی حکمتِ عملی اور اسلامی لشکروں کے محاذ اور تیاری ۱-۵۲
 - ۶۔ نقشہ ششم۔ مسلمانوں کی شمالی افریقہ کی فتوحات۔ دو مرحلے ۱-۱۲۰
 - ۷۔ نقشہ ہفتم۔ ٹیونس یا کارتیج کا علاقہ اور سبیطلہ کا محل وقوع۔ ۱-۱۲۶
 - ۸۔ نقشہ ہشتم۔ سبیطلہ کی جنگ کا خاکہ۔ دو مرحلے ۱-۱۲۸
 - ۹۔ نقشہ نہم۔ اسلامی تاریخ کے پہلے ملے جلے تیری و بحری حملے، اور قبرص پر حملہ ۱-۱۳۸
 - ۱۰۔ نقشہ دہم۔ مسلمانوں اور رومیوں کی پہلی دو بحری جنگیں۔ ۱-۱۵۲
 - ۱۱۔ نقشہ یازدہم۔ کوفہ کے محاذ کی ذمہ داری کا علاقہ اور طبرستان و آذربائیجان ۱-۱۶۶
- کی مہمات۔
- ۱۲۔ نقشہ دوازدہم۔ بصرہ کے محاذ کی ذمہ داری کا علاقہ۔ ۱-۱۹۲
- مکران، سیستان، خراسان اور جرجان کی مہمات و کابل و زبلیستان کی فتوحات۔



تعارف

خلفائے راشدینؓ کی جنگی حکمتِ عملی اور تدبیرات کے تجزیہ پر مبنی سلسلہ کتب کی تیسری جلد پیش نظر ہے۔ فاضل مصنف نے اس کتاب میں حضرت عثمانؓ کے زمانے کی فتوحات کا ایک اجمالی خاکہ پیش کیا ہے۔ مسلمانوں کے بحری طاقت بننے کے جائزے کے علاوہ حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت کی تفصیلات کا تجزیہ یہ ایک نئے انداز سے کیا گیا ہے جو مصنف کی ذاتی تحقیق اور آراء پر مبنی ہے اور جی ایچ کیو کی کسی پالیسی یا سوچ کا غماز نہیں۔ یہ سلسلہ کتب جو چار جلدوں پر مشتمل ہے، شائع کرانے کا مقصد ایک نئے اندازِ فکر کو جلا دینا ہے جو اسلامی تاریخ پر تحقیق کرنے والے اصحاب کے لئے دعوتِ فکر اور باعثِ حوصلہ افزائی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اس کتاب میں دیئے گئے تجزیات کا مطالعہ عام قارئین اور تاریخِ اسلام کے طالب علموں کے لئے مفید ہوگا۔ اور تحقیق میں نئی راہیں متعین کرنے میں معاون ثابت ہوگا۔ فلسفہٴ جنگ ایک وسیع مضمون ہے اور اس میں ابھی تک کام کرنے کے وسیع مواقع موجود ہیں خاص طور پر اسلامی جنگی حکمتِ عملی اور تدبیرات کا تجزیہ تاریخِ اسلام سے وابستہ مصنفین کو دعوتِ فکر دیتا ہے کہ وہ آگے بڑھیں اور اپنی تحقیق سے پڑھنے والوں کے علمی ذوق کی پیاس بجھائیں۔

برگیدٹیر عبدالمجیب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ . مُحَمَّدًا ؕ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ ط

پیش لفظ

تشکر

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ جلال مصطفیٰ کے سلسلہ کی تیسری جلد بھی مکمل ہو گئی۔ یہ سب کچھ کسی معجزہ سے کم نہیں ہیں۔ میں ایک دفعہ پھر اپنے تمام ساتھیوں اور ان صاحبان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہو کر سوسچو ہرانا ہوں۔ جن کو اللہ تعالیٰ اس کار خیر میں شرکت کی سعادت عطا کرے اور اللہ کے حبیب پر لاکھوں درود و سلام کے ساتھ اس سلسلہ کتاب کا منتشر تعارف کرائتا ہوں۔

تعارف

اس سلسلہ کی پہلی کتاب فتوحات عراف و ایران کو بیان کرتی ہے اور دوسری کتاب فتوحات شام و فلسطین کو۔ اور یہ کتاب جیسا کہ نام سے ظاہر ہے فتوحات مصر و افریقہ و متفرق علاقوں کی فتوحات پر ہے، اس لئے اس کے تانے بانے پہلے دونوں کتابوں کے ساتھ ملائے گئے ہیں۔ مہر کی فتح، نہ صرف شام و فلسطین کی فتوحات کو قائم رکھنے کے لئے ایک اہم ضرورت تھی بلکہ عرب شریف کے دفاع کے لئے بھی ضروری تھا کہ مصر اور اس کے گرد و نواح کو فتح کیا جائے اور مصر سے آگے فتوحات کی اس لئے ضرورت تھی کہ بحیرہ روم پر تسلط قائم کیا جائے۔ یہ تو حکمت عملی کی باتیں تھیں اور اصل مقصد اللہ تعالیٰ کے احکام کا نفاذ تھا۔ اس لئے اس کتاب کے پہلے حصہ میں یہ مفاد سامنے رکھے گئے ہیں کہ تاریخ سلسلہ در سلسلہ واقعات کو سمجھیں۔

انہی دنوں جناب فاروق اعظم کی وفات اور جناب عثمان کی خلافت نے کچھ تبدیلیاں لائیں جس کے کچھ فوری اثرات تھے اور کچھ بعد میں ظاہر ہوئے چنانچہ اس کو بھی ترتیب وار بیان کیا گیا ہے۔ دونوں محاذوں پر جو فتوحات ہو چکی تھیں، ان کو نہ صرف

قائم رکھنا تھا۔ بلکہ آگے بڑھانا تھا۔ جس کو تین انگ ابواب میں بیان کیا گیا ہے۔

بحری جنگیں

ان میں سے شام کا محاذ نہ صرف اس لئے اہم تھا کہ آگے اناطولیہ اور آرمینیا کی طرف پیش قدمی ہوئی بلکہ مسلمان پہلی دفعہ سمندروں میں بھی داخل ہوئے۔ اور اگر ایک طرف قبرص اور رودس وغیرہ کے نئے ملی جلی بری و بحری کارروائی کی گئی جس کو آج کل ہم کبائٹڈ پریشن کہتے ہیں تو دوسری طرف خالص بحری جنگوں کی طرح بھی ڈالی گئی۔ جن میں سے ایک کارروائی تو مصر کے ساحل کے نزدیک تھی لیکن یہ کارروائی بعد میں گہرے سمندروں اور اناطولیہ کے ساحل تک بھی پھیل گئی۔ جس کے بعد مشرقی بحیرہ روم پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

ایران و عراق کا محاذ

مشرقى محاذ یعنی ایران و عراق پر جنگ نے وہ وسعت اختیار کی کہ ہم اس کو دو انگ ابواب یعنی کوفہ اور بصرہ کے محاذ کے تحت بہت مختصر طور پر بیان کر رہے ہیں کہ یہاں پر حکمت عملی کے تحت فتوحات کے نتائج اور نتائج کے اثرات پر بہت مختصر تبصرہ ہے۔ کوفہ کے محاذوں کی وسعت کی یہ حالت تھی کہ ایک طرف شام کے محاذ سے لے کر جزیرہ آرمینیا اور جمہیل کیسپین تک پھیلا ہوا تھا تو دوسری طرف طبرستان اور خراسان کے محاذوں تک جا کر اس کی حدود متقی تھیں بصرہ کا محاذ آگے دو محاذوں میں بٹا ہوا تھا۔ ایک طرف دریائے حیر اور حیروں تک پہنچا ہوا تھا کہ اسی زمانے میں کابل، غزنی، بلخ، رزمک اور بنوں کے نزدیک میراں شاہ والے علاقوں میں پھیلا ہوا تھا کہ وہاں پر صحابہ کرامؓ جو فوت ہوئے ان کی قبریں موجود ہیں۔ تو دوسری طرف ساحل سمندر اور فارس سے ہوتے ہوئے عمان میں دریائے سندھ کے مغرب کی طرف کہ سلیمان اور سندھ تک پھیلا ہوا تھا۔

اشاعت مترآن۔

میدان جنگ اور محاذوں کی آنٹی وسعت اور لشکروں کے اٹنے سفر جو حضرت عثمانؓ کے

زلزلے میں ہوسے آپ کے زلزلے سے پہلے کسی دنیاوی حاکم کے زلزلے میں نہ ہوسے۔ اور پھر اتنے وسیع علاقوں میں زبان اور عمل کی وحدت پیدا کرنے کے لئے آپ نے قرآن پاک کے ایک ہی نسخہ کی اشاعت کا جو بندوبست اور طرہی کار اختیار کیا وہ آپ کے زلزلے اور آپ کے زلزلے کی ایک ایسی خدمت ہے جس کے وحدت فکر اور وحدت عمل کے پہلو کا جائزہ پیش کر کے ایک مکمل باب میں طرہی کار اور تبصرہ کیا جی ہے کہ اس زلزلے میں ہماری حکمت عملیاں ایسی وحدت کی مرہونِ منت تھیں۔

فتنہ و فساد

ایسی عظیم فتوحات اور ایسی وحدت فکر کے باوجود حضرت عثمانؓ کی خلافت کے آخری تین سال فتنہ و فساد کی نظر ہو گئے اور ہمیں ایسی سزا ملی کہ اب بھی یہ سلسلہ کبھی کبھی جاری ہو جاتا ہے۔ یعنی حضرت عثمانؓ کی خلافت کے پہلے نو سال اسلام کی تاریخ کے زریں ابواب ہیں لیکن فتنہ نے بھی کوئی کٹھنہ چھوڑنا تو حالات نے ایسے تضاد والی شکل کیوں اختیار کی، اس پر کھل کر بحث کی گئی ہے۔ بے شک اس میں مشیت ایزدی بھی تھی اور ہر بات میں ایسا ہوتا ہے کہ یہ عالم خلق ہے اور عالم امر نہیں۔ اگر حق باطل پر مکمل طور پر حاوی ہو جائے تو پھر اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے جو امتحان کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ یا خیر و شر کی انگ نشاندہی کر دی ہے اور ہدایت دے دی ہے کہ یہ غیر ہراط مستقیم ہے۔ اس کو اختیار کریں، تو حق کے آجانے کے بعد صرف فراط مستقیم ہی باقی رہ جاتا ہے، اس نے یہ عالم بھی عالم امر کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ تو امتحان والا معاملہ ختم ہو جاتا ہے۔

ہمارے فلسفہ حیات کے اس بنیادی اصول کے عملی پہلوؤں کے علاوہ، فتنہ و فساد آزادی فکر کی غیبتیں، سازش اور انسانی کمزوریوں پر آخری ابواب میں کھن کر بحث کی گئی ہے کہ یہ فتنہ و فساد آگے حضرت علیؓ کی خلافت میں بھی جاری رہا۔ اور ہماری چوتھی کتاب کے سائے تانے بننے اس فتنہ و فساد سے شروع ہوتے ہیں۔ امت کے لئے اس میں بڑے اسباق ہیں کہ ہم نے کون سی غلطیاں کیں۔ اور جناب عثمانؓ اور جناب علیؓ نے ایسے خراب حالات میں بھی ہمارے مرکز کو سہارا دیا۔ اور فراط مستقیم سے ذرا بھر بھی نہ ہٹے۔ کچھ لوگ حیران ہو جاتے ہیں کہ ایسے عظیم صحابہ کو ہوتے رہنے بھی حالات صحیح صورت کیوں نہ اختیار کر کے، اس سلسلہ میں ایسی جوابات اور چمانے پیش کرنے

کی کوشش کی گئی ہے۔ اور چوتھی کتاب میں تو کافی سوالات کے جوابات ہوں گے۔ جن کا خلاصہ وہاں پر ہے۔ اس کتاب میں سب سے بڑا سبق حمزہ کا لایا ہے وہ یہ ہے کہ تو م نے جب بھی اسلامی فلسفہ حیات کے اصولوں سے بے راہروی اختیار کی تو نتیجہ فتنہ و فساد یا ذلت کی گھڑیوں کی صورت میں ظاہر ہوا۔

تاریخ و راوی

بے شک ہبری کی کتاب کو واقعات کے نئے مرکزی طور پر استعمال کیا گیا، لیکن افریقہ کی فتوحات کے نئے ابن خلدون اور متحدہ وسطی مورخین کی تاریخوں سے بھی استفادہ کرنا پڑا۔ اور مہرئی تاریخوں سے استفادہ بھی دوسروں کے حوالے ذریعے سے کیا۔ اسکی طرح کافی مغربی مورخین کی تاریخوں سے بھی مدد لینا پڑی۔ لیکن اشاءت قرآن اور نئے و فساد کے سلسلہ میں صرف اپنی تاریخوں یا دانشوروں کے مطالعوں کا استعمال کیا گیا۔

حضرت عثمان کی شان

بے شک حضور پاک کے رفقا کی شان بیان کرنے کی ہم گنہگاروں کے بس کی بات نہیں۔ لیکن عجیب و غریب بات یہ ہے کہ اس مطالعہ و تجسس کے بعد حضرت عثمان کی شان کی جو بلندیاں اس گنہگار پر وارد ہوئیں، ان کو لکھ کر خود راقم کا دل باغ باغ ہو گیا۔ اکثر معترضین کی باتوں نے اس سے پہلے کئی دفعہ راقم کو بھی خاموش کر دیا تھا، اور جواب واللہ اعلم دینا پڑتا تھا لیکن یہاں اسلام کے معترضان سے جب جناب عثمان کی شان کو تلاش کیا، تو اپنی یہ تمام کوتاہیاں ختم ہو گئیں اور جناب عثمان کی شان کی معطر خوشبو نے میرے ارد گرد کے ماحول کو بھی خوشبو سے بھر دیا۔ اور معترضین کی ساری "انڈا طونی" بودی نظر آئی۔

سے حقائق ابدی پر اساکس ہے اس کی

یہ زندگی ہے نہیں ہے طلسم افلاہوں! (اقبال)

امیر افضل خان

پہلا باب

مصر کی فتوحات - حکمت عملی اور تجویز

ابتدایہ

مصر کی فتح، شام اور فلسطین کی فتوحات کا نتیجہ ہے۔ اسلام میں ویسے بھی فتح کا کوئی اختتامی مقام نہیں رہتا۔ یہ عمل جاری و ساری رہتا ہے۔ بہر حال اس کی ضرورت بھی تھی۔ عسکری تاریخ کے غالب سلیوں کو معلوم ہے کہ اکثر جنگوں کی وجوہات بھی کچھ اسی قسم کی ہوتی ہیں۔ کوئی فوجی جرنیل، جب کسی علاقے کو فتح کر لیتا ہے، تو وہ اپنی حکومت سے اور آگے بڑھنے کی اجازت مانگتا ہے، اور اس کے لئے وہ کئی سبب اور وجوہات پیش کرتا ہے۔ البتہ ایک سبب جو اکثر پیش کیا جاتا ہے وہ یہ ہوتا کہ اس مفتوحہ علاقے پر قبضہ تب رکھا جاسکے گا۔ جب آگے بڑھ کر فلاں فلاں ملک یا علاقوں پر ضرور قبضہ کیا جائے۔ اس لئے خالص دنیاوی حکمت عملی کو بھی اگر ذہن میں رکھا جائے، تو شام اور فلسطین میں فتوحات کو قائم رکھنے کے لئے مصر کی فتح ضروری تھی۔ گو اسلام میں فتوحات اللہ اور رسول کے احکام کو نافذ کرنے کے لئے حاصل کی جاتی ہیں، اور علاقے اس لئے فتح کئے جلتے ہیں کہ وہاں کے لوگوں کو دنیاوی بادشاہوں یا حکمرانوں کی غلامی سے چھڑا کر اپنے پیدا کرنے والے خالق کی غلامی میں دے دیا جائے۔

مصر کی فتح کی بنیاد

در اصل مصر کو فتح کرنے کی بنیاد حضور پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خود، اپنے زمانے میں رکھ گئے تھے۔ آپ نے مختلف ممالک کے بڑے بڑے بادشاہوں کے علاوہ کئی باجگزار حاکموں کو بھی اسلام کی دعوت دی جیسے علاقہ شام میں روم کے باجگزار بادشاہ جبیلہ یا شرجیل کو اسی طرح آپ نے سکندریہ کے حاکم یا مصر کے باجگزار بادشاہ مقوقس کو بھی اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی تھی۔ حضور پاک کا سفیر بننے کا یہ شرف جناب حاطب بن ابوالانہ کو نصیب ہوا تھا۔ جو مقوقس کو دعوت اسلام دینے کے لئے سکندریہ گئے تھے۔ مقوقس کے جواب کے سلسلہ

میں مورخین خاموش ہیں کہ اس نے کیا جواب دیا۔ البتہ متوتس نے چار نو جوان مصری عورتوں کو بانڈیوں کے طور پر حضور پاک کی خدمت میں بھیجا۔ تین بانڈیاں حضور پاک نے صحابہ کرام میں بانٹ دیں۔ لیکن ان بانڈیوں کے اپنے یا خاندانی نام یا جن صحابہ کرام کو یہ عطا کی گئیں ان کے نام یا حالات کہیں سے معلوم نہ ہو سکے۔ البتہ جو بانڈی حضور پاک نے اپنے پاس رکھی اس کا نام ماریہ قبطی تھا۔ اور اہل یورپ اس کو (MARY COPTS) کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ آپ کا تعلق مصر کے قبطی عیسائیوں سے تھا۔ لیکن شاہِ روم یا سکندریہ کا حاکم قدامت پسند یونانی گرجا کے پیر عیسائی تھے۔ ماریہ قبطی کے بطن سے حضور پاک کے بیٹے جناب ابراہیم پیدا ہوئے جو زیادہ عرصہ زندہ نہ رہے۔

تاریخی پہلو

کسی ملک پر کچھ لکھنے سے پہلے اس ملک کے جغرافیہ اور تاریخ کا بیان ضروری ہوتا ہے لیکن ہم بہت مختصر طور پر جغرافیہ کو آگے جا کر فتح کی ضرورت کے تحت بیان کریں گے لیکن تاریخ کا ہمارا مختصر بیان بھی باقتصد ہے کہ ہم اس کو فہم حق سے تابع کریں گے۔ تمام غیر ملکی مبصرین اور انشور مصر کے نام کا ذکر کرتے ہی اہرام مصر پر جا پہنچتے ہیں اور اسی سلسلہ میں یہاں تک کہ گئے ہیں کہ دنیا وقت سے بڑتی ہے اور وقت اہرام مصر سے ڈرتا ہے۔ (فقہ باللہ) یہ باطل تلمیحات ہیں۔ اسلام کے لحاظ سے "وقت" یا "دہر" کو برا کہنے کی اجازت نہیں اور اسل سب کچھ "زمان" پر ہی منحصر ہے کہ وہی "ظہر" ہے اور "مکان" "عرض" ہے اور اند تعلق نے اسی وجہ سے قرآن پاک میں "زمان و مکان" کے سلسلہ میں ایک طرف ایک دن اور دوسری طرف ہزاروں سالوں کو برابر بتایا اور یہی چیزیں ہماری سمجھ سے کافی مشکل ہیں۔ بہر حال فیروں سے اس اختلاف کے بعد ہم مصر کی پرانی اور باطل تہذیب کو علامہ اقبالؒ کے چند شعروں کے ذریعہ ہی بیان نہ لکھا کریں گے۔

خود ابوالہول نے یہ نکتہ سکھایا مجھ کو ۔ وہ ابوالہول کہ ہے صاحب اسرارِ قدیم :

ع۔ ابن سعد البزازی نے دو بانڈیوں کا ذکر کرتا ہے اور اس کے مطابق دوسری بانڈی کا نام سیرین تھا۔ جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کے عظیم شاعر جناب حسان بن ثابت کو بخش دیں، جن کے بطن سے عظیم محدث جناب عبدالرحمن پیدا ہوئے۔

دفعۃً جس سے بدل جاتی ہے تقدیر اہم - ہے وہ قوت کہ حریف اس کی نہیں عقل حکیم!
ہر زمانے میں دگرگوں ہے طبیعت اس کی - کبھی شمشیرِ محمد ہے، کبھی چوبِ کلیم علیہ!

فلسفہ حق

چنانچہ ہم چوبِ کلیم اور شمشیرِ محمد سے معاملات کو آگے چلائیں گے۔ مصر کے ساتھ ہمارا تعلق حضرت ابراہیمؑ کے زمانے سے شروع ہوتا ہے۔ جناب ام المومنین حضرت ہاجرہ کا تعلق مصر سے تھا۔ آگے چل کر مہاپاپ کے خاندان اور آپ کے حریف خاندان کے عقائد کا ذکر بھی کریں گے۔ حضرت ابراہیمؑ کی دو بیویاں تھیں۔ ایک ام المومنین حضرت ہاجرہ اور دوسری حضرت سارہ۔ ام المومنین حضرت ہاجرہ کے بطن سے جناب اسمعیلؑ پیدا ہوئے اور ان کو حضرت ابراہیمؑ مکہ میں آباد کر گئے۔ اہل قریش یعنی حضور پاکؐ کا خاندان حضرت اسمعیلؑ کی اولاد سے ہے۔

حضرت سارہ کے بطن سے حضرت اسمٰئیلؑ پیدا ہوئے۔ جس کا ذکر قرآن پاک میں بھی ہے کہ آپ کو اولاد کی امید نہ تھی اور جب فرشتوں نے یہ بشارت دی تو آپ حیران رہ گئیں۔ حضرت اسمٰئیلؑ کے بیٹے حضرت یعقوبؑ تھے اور حضرت یعقوبؑ کے بیٹے حضرت یوسفؑ کی پوری کہانی قرآن پاک کی سورۃ یوسف میں موجود ہے کہ آپ کو جب بھائیوں نے بیچ دیا تو نجاران کو مصر لے گئے۔ لیکن بعد میں حضرت یعقوبؑ کا سارا خاندان اور مصر ہی آباد ہو گیا۔ قرآن پاک میں ان لوگوں کو بنو اسرائیل کے نام سے موصوم کیا گیا ہے۔ پھر ایک ایسا زمانہ آیا کہ ان لوگوں کے ساتھ بڑا بدتر سلوک کیا جاتا تھا اور فرعونِ مہران کے بچوں کو قتل کر دیتے تھے۔ حضرت موسیٰؑ نے کس طرح بنو اسرائیل کو فرعون کے ظلم سے نجات دلائی اور فرعون کس طرح غرقِ برا و غیرہ یہ سب واقعات قرآن پاک کی متعدد سورۃ میں موجود ہیں۔ اور اس زمانے میں بنو اسرائیل مصر سے نکل کر زیادہ تر فلسطین میں آباد ہو گئے تھے۔ اس کے بعد مصر پر بخت نصر نے بھی حملہ کیا اور حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے سارے پانچ سو سال پہلے ایرانیوں نے بھی مصر کو فتح کر لیا تھا۔ لیکن ہم ان تفصیلات میں نہیں جائیں گے۔ ہم صرف اس پر اکتفا کریں گے کہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے بہت پہلے مصر سلطنتِ روم کا حصہ بن چکا تھا۔ یہ سب بیونیک جنگوں کے بعد ہوا۔

یونیک جنگیں اہل روم اور کار بھتیج کے درمیان ہوئیں۔ عسکری تاریخ کے طالب علم اسے جنگوں کے شرکار یعنی بال اور سکیپیو وغیرہ کی کارروائیوں کا گہرا مطالعہ کرتے ہیں لیکن یہاں اتنا کافی ہوگا کہ اہل روم موجودہ اطالیہ، اہل کار بھتیج (موجودہ میونس) پر غالب آئے اور اس کے بعد مصر تک کی علاقہ اہل روم کی عملداری میں چلا گیا۔ ہم دوسری کتاب میں واضح کر چکے ہیں کہ قسطنطنیہ کی حکومت جس کے ساتھ ہمیں شام کی فتوحات کے سلسلے میں واسطہ پڑ چکا ہے اور اب مصر اور افریقہ کے سلسلے میں بھی واسطہ رہے گا یہی لوگ سلطنت روم کے جانشین ہیں۔ چوتھی صدی عیسوی میں روم کے بادشاہ قسطنطین نے اپنا دارالخلافہ قسطنطنیہ کو بنایا۔ ہم یہ جس رانج کر چکے ہیں کہ اہل یورپ اپنے احساس کثرتی کی وجہ سے ان کو لاکھ دفعہ چھوٹا روم کہیں یا باز تپتی، ہم ان کو اہل روم ہی کہیں گے کہ قرآن پاک میں ان کے لئے یہ الفاظ آئے ہیں۔

حضور پاک کے زمانے میں اہل روم یعنی قیصر روم ہی دراصل مصر اور شمالی افریقہ کے اصلی حکمران تھے اس کا ذکر جلال مصطفیٰ میں ہو چکا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ حضور پاک جب مکہ میں ہی تھے تو ۶۱۰ عیسوی میں ایرانیوں نے مصر پر قبضہ کر لیا تھا۔ یہ ان جنگوں کی وجہ سے تھا جو ایران اور روم کے درمیان جاری تھیں اور کنار نے خوشی منائی کہ ایرانی جیت رہے ہیں لیکن سورہ روم جو مکہ میں نازل ہوئی اس میں واضح بیان تھا کہ اہل روم دوبارہ کامیاب ہو جائیں گے اور پانچ ہجری تک ایرانی مصر سے لپٹا ہو چکے تھے اور قیصر روم نے مصر پر مکمل قبضہ کر لیا تھا بلکہ قیصر روم نے ایرانیوں کے خلاف فتح حاصل کرتے کے بعد اپنے آپ کو اس قدر مضبوط سمجھا کہ اس نے عیسائوں کے تمام فرقوں میں وحدت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اہل روم قدامت پسند عیسائی یا یونانی گرجا والے عیسائی کے نام سے موسوم تھے اور ان کے عقائد مصری عیسائیوں سے، جو قبطی عیسائی کے نام سے موسوم تھے، بالکل مختلف تھے۔

مقوقس بادشاہ مصر

قیصر روم نے مصر کی باجگزار بادشاہت ایک پادری کے حوالے کی جو آرمینیا کا رہنے والا

تھا۔ اہل یورپ اس کو سائرس کا نام دیتے ہیں لیکن مسلمان مورخین نے اس کو متوقس کہا ہے اور ہم یہی نام استعمال کریں گے۔ مسلمان سفیر کے متوقس کے پاس جانے سے پہلے حضرت مغیرہ بن شعبہ جو اس وقت تک اسلام نہ لائے تھے، ایک دفعہ مہر گئے انہوں نے متوقس کے ٹھاٹھ باٹھ کا ذکر یوں کیا تھا کہ وہ سمندر کے کنارے ایک ساٹھان کے نیچے سکندریہ میں بیٹھا کرتا تھا۔ حفاظت کی یہ حالت تھی کہ اس کو ملنے والے تمام لوگوں یعنی نووارد لوگوں کو کشتی کے ذریعہ سمندر استعمال کر کے اس کے سامنے پیش کیا جاتا تھا۔ متوقس نے قبطلی عیسائیوں پر کچھ ظلم بھی ڈھائے تھے اور ان کو زبردستی قدامت پسند عیسائی بنانے کی کوشش بھی کی۔

مسلمانوں کی حکمت عملی

حصہ دوم میں مسلمانوں کی شام و فلسطین کی فتوحات کے سلسلے میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ مسلمان فلسطین اس کے ساحلی علاقوں اور بحرالائے سینا کی بجائے پہلے اردن کے مشرقی ریگستانی علاقوں میں پیش قدمی کرتے رہے۔ اس سے ایک مقصد یہ حاصل ہو رہا تھا کہ مسلمان مشرق میں آسانی کے ساتھ عسراں کے محاذ کے ساتھ رابطہ قائم کئے ہوئے تھے۔ مسلمان اس وقت ساحلی علاقوں کی طرف پیش قدمی کر کے مصر کی طرف کوئی تیسرا محاذ کھولنے کو تیار نہ تھے۔

عمرؤ بن عاص کا فلسطین میں تقرر

حصہ دوم کے دوسرے باب میں یہ وضاحت بھی کر دی گئی تھی کہ فلسطین کے علاقوں میں جناب عمرؤ بن عاص کے تعین کرنے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ وہ بڑے منجھے ہوئے سیاست دان تھے۔ اسلام لانے سے پہلے بھی وہ شام، فلسطین اور مصر سمیت افریقہ کے کئی علاقوں سے واقف تھے۔ اس لئے شام کی فتوحات شروع کرنے سے پہلے جناب عمرؤ بن عاص کو فلسطین اس لئے بھیجا گیا، کہ وہ مصر کے علاقوں اور ساحلی علاقوں پر بھی کڑی نظر رکھیں۔ لیکن جیسا کہ حصہ دوم میں واضح کر دیا گیا ہے، شام و فلسطین کی فتوحات میں کافی دیر لگ گئی کیونکہ مقابلہ قینسر روم کے ساتھ تھا، جس نے پہلے اجنادین والے راستے سے اسلامی لشکروں کو ختم کرنے کی کوشش کی پھر شمالی شام میں لاڈن تیار کئے تاکہ

مسلمانوں کو تہمتیں نہس کر دے۔ لیکن اس کا عظیم لشکر ہر ملک میں پاش پاش ہو گیا اس لئے جناب عمرؓ بن عاص، جناب خالدؓ اور جناب ابو عبیدہؓ کی ماتحتی میں ان سب جنگوں میں معروف ہے اور مصر کی فتح کی طرف دھیان نہ دے سکے۔

ایک دلچسپ کہانی

یہاں پر ایک دلچسپ کہانی کا ذکر مرزوں سے ہے گا۔ جناب عمرؓ بن عاص اسلام لانے سے پہلے ایک تجارتی قافلے کے ساتھ مصر اور فلسطین کے درمیان صحرائے سینائی میں آئے ہوئے تھے۔ سکندریہ کے شہر نامیوں سے ایک آدمی کی آپ نے جان بچائی تاکہ دفعہ صحرا میں پانی پلا کر اور دوسری دفعہ ایک زہریلے سانپ کے حملے سے۔ اس شخص کی وساطت سے آپ کو سکندریہ دیکھنے کا موقع ملا اور وہاں پر اس زمانے میں ایک بہت بڑا میڈرگا ہوا تھا جس میں صرف شہر نامی ہی شرکت کر سکتے تھے چنانچہ عمرؓ بن عاص بھی اپنے میزبان کے ساتھ اس "دربار خاص" میں شریک ہوئے۔ اس میلہ کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں ایک سنہری گیند یا "سونسے کا اندھا" اوپر چھینکا جاتا تھا اور جو آدمی اس کو گرتے سے پہلے حاصل کر لیتا وہ اپنی موت سے پہلے مہر کا حاکم ضرور بناتا تھا۔ چنانچہ جب یہ گیند اوپر چھینکا گیا تو جناب عمرؓ بن عاص نے پکڑ لیا اور اپنے میزبانوں کو حیران کر دیا کہ وہ لوگ یہ بات سوتاج بھی نہ سکتے تھے کہ سرب کا ایک شہر نامی کبھی مہر کا حاکم بن سکے گا۔

اسلام قبول کرنے کے بعد جناب عمرؓ بن عاص نے جب اسلام کے پھیلاؤ کو دیکھا اور پہلے حضور پاکؐ کے لشکر کے ساتھ بڑک آئے یا بعد میں بناب صدیق اکبرؓ نے آپ کو شام کی سرحد پر تعین کیا، تو ممکن ہے آپ اس وقت سے مصر پر نظر رکھے ہوئے ہوں۔ ورنہ عمرؓ بن عاص جیسے مدبر اور فوجی ماہر، مرتدین کے خلاف یا عراق کی جنگوں میں ضرور شامل ہوتے اور اب بھی یہ بات ہے کہ فتح بیت المقدس کے بعد جناب عمرؓ بن عاص نے جناب فاروقؓ اعظم سے مہر کی طرف پیش قدمی کی اجازت مانگی۔ ہماری اس کتاب کے علاوہ چوتھی کتاب میں بھی مہر اور جناب عمرؓ بن عاص میں یہ "رشتہ" قائم رہے گا۔

مصر کی فتح کی ضرورت

بیشتر ازیں یہ وضاحت ہو چکی ہے کہ شام و فلسطین کی فتوحات کو قائم رکھنے کے لئے مصر کو فتح کرنا ضروری تھا، ورنہ مصر کے ساحل سے اہل روم کسی وقت بھی فلسطین کے ساحل پر افواج اتار سکتے تھے۔ اسی وقت تک سمندروں میں داخل نہ ہونے تھے اور سمندروں میں داخل ہونے کے لئے کچھ تیاری کرنا پڑتی ہے اور اس کے لئے بندرگاہوں اور بحری بیڑوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ شام و فلسطین کا ساحل تقریباً ایک سیدھی لائن میں ایسا تھا جیسے کسی دریا کا کنارہ ہوتا ہے۔ اور مسلمان اس دریا کے کنارے بیٹھے تھے اس "دریا" یعنی بحیرہ روم کی وسعت کی کوئی حد نہ تھی اور اس پر اہل روم کا بندرگاہوں۔ جزیروں اور بحری بیڑوں کے ذریعہ قبضہ تھا اب اسلام کو صرف خشکی تک یا خشکی ہی میں تو محدود نہ کرنا تھا اس لئے بحیرہ روم پر قبضہ ضروری تھا۔

کتاب اول میں عراق کی فتوحات کے سلسلے میں کھنڈ کی جنگ کا ذکر ہے، جسے جنگ سلاسل بھی کہتے ہیں۔ دلوں پر ساتویں اور آٹھویں باب میں واضح کیا گیا ہے، کہ کانٹر سے آگے نکل کر مسلمانوں نے ابدیا بصرہ کا رخ نہ کیا اور اگر قبضہ رکھا بھی تو محدود علاقے میں رکھا اور پہلے حیرہ فتح کیا۔ اس زمانے میں خلیج فارس کے نزدیک عربی مظاہرے جاری رکھے گئے۔ لیکن مدائن پر قبضہ ہو جانے کے بعد مسلمانوں نے مشرق اور جنوب کا رخ کیا اور ساحلی علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ بحیرہ عرب کی طرف سے کوئی خاص خطرہ نہ تھا اس لئے مسلمانوں نے آہستہ آہستہ خلیج فارس کے دونوں کناروں پر قبضہ کر لیا۔ اور خلیج فارس مسلمانوں کا علاقہ بن گیا۔

مغربی محاذ پر اجنادین کی فتح کے بعد مسلمانوں نے بحیرہ روم کے کسی ساحلی علاقہ میں الجھنا پسند نہ کیا۔ پہلے اوپر تک انطاکیہ اور سیرت کے علاقوں کو فتح کیا اور آخر میں بندرگاہ قساریہ پر قبضہ کیا۔ تو بحیرہ روم کے ایک ساحل یعنی مشرقی ساحل پر ان کا قبضہ ہو گیا۔ سمندر میں اپنا آگے بڑھنے کے لئے بحیرہ روم کے جنوبی ساحل پر بھی قبضہ کی ضرورت تھی اور اب شام کے ملک سے آگے اناطولیہ سے پہاڑی علاقوں میں پیش قدمی کی بجائے، مصر کو فتح کرنا آسان ہو گیا تھا۔

مصر کی مدینہ شریف سے نزدیکی

مصر کے ساتھ اہل روم کا رابطہ بذریعہ سمندر تھا۔ مصر میں ریگستان بھی تھا اور مصر کے درمیانی علاقوں کو فتح کرنے کے بعد یہ علاقے مدینہ شریف سے نزدیک ہو جاتے تھے۔ حکمت عملی کے طور پر بھی مصر اور اس کے جنوبی علاقوں کو فتح کرنے کی ضرورت تھی کیونکہ اس طرح مسلمان بحیرہ قلزم کے دونوں کناروں پر بھی قابض ہو سکتے تھے۔

ساتھ ہی ایک دفاعی یا حفظی مآلہم کا پہلو بھی ہے۔ اگر مصر اور بحیرہ قلزم کے مغربی کنارے پر قبضہ کر لیا جاتا تو مسلمانوں کے مرکز مدینہ شریف اور خانہ کعبہ کے خلاف کس وقت بھی افریقہ یا مصر سے کوئی بحری فوج بھیجی جاسکتی تھی۔ جدہ کی طرف سے تو کافی خطرات موجود تھے اور حضور پاکؐ کے زلمنہ میں کچھ شریکین جبرہ میں اکٹھے بھی ہو گئے تھے اور یوں بحری میں حضور پاکؐ نے ایک مہم ان لوگوں کی سرکوبی کے لئے جدہ بھیجی تھی۔

جناب فاروق اعظمؓ کی مصر کے بارے میں پالیسی

جناب فاروق اعظمؓ جب بیت المقدس تشریف لے گئے، تو انہوں نے مصر کے سلسلے میں جناب عمرو بن عاصؓ کے ساتھ مشورہ کیا، کہ مصر کی طرف سے رومیوں کے خطرات کے ساتھ کیسے نبھا جائے۔ جناب عمرو بن عاصؓ نے صلاح دی کہ مصر کو جلد سے جلد فتح کیا جائے۔ یہ معمولی بات ہے اور بڑی تھوڑی فوج کے ساتھ مصر فتح کیا جاسکتا ہے۔ جناب فاروقؓ نے جناب عمروؓ کو بتایا کہ اس سلسلے میں وہ مدینہ شریف میں مجلس مشاورت کے ساتھ صلاح کر کے کوئی فیصلہ کریں گے۔ لیکن اس زمانے میں ابھی شام و فلسطین کے ساحل پر قساریہ اور بیروت وغیرہ بھی فتح نہ ہوئے تھے۔ اس لئے بیت المقدس کی فتح کے بعد پہلے شام کے ساحل پر بندر لگائے ہوں کی طرف زیادہ توجہ دی گئی کیونکہ اس کی ضرورت بھی تھی۔ قساریہ کے محاصرے نے یہ ظاہر کر دیا کہ جب تک مصر فتح نہیں کیا جاتا بلکہ سمندر میں آگے بڑھ کر قبرص (CYPRUS) وغیرہ کے جزیرے بھی فتح نہیں کئے جاتے، اس وقت تک شام و فلسطین کے ساحل پر رومی حملے کرتے رہیں گے۔ حضرت عمروؓ نے شام کے علاقے کے کم از کم تین اور کچھ روایات کے مطابق

چار سفر کئے اور ہر دفعہ جاہلیہ تک تشریف لے آئے۔ اور ہم اس کا ذکر حصہ دوم میں کر چکے ہیں۔ ملک شام میں اس زمانے میں بڑے واقعات ہوئے۔ مسلمانوں نے جزیرہ، شمالی شام اور ساحلی علاقوں کو فتح کیا۔ پھر طاعون کی وبا بھی پھیلی، جس سے مسلمانوں کے کئی سپہ سالار کے بعد دیگرے طاعون کا شکار ہو گئے۔ ان میں جناب ابو عبیدہؓ، آپ کے چچیرے بھائی اور خالہ زاد بھائی عیاض بن غنم، عظیم صحابی اور اسلام کے عالم جناب معاذ بن جبلؓ، کاتب وحی اور عظیم صحابی جناب شریک بن حسد اور جناب معاویہؓ کے بڑے بھائی جناب یزید بن ابوسفیانؓ شامل ہیں۔ اس لئے شام کی امارت بھی جناب عمرو بن عاصؓ کے پاس چلی گئی جنہوں نے پہاڑوں میں جا کر لشکروں کو وبا سے بچایا۔ بہر حال ان واقعات کی وجہ سے مصر کی فتوحات میں دیر لگ گئی۔

روایت ہے کہ جناب عمر فاروقؓ جب آخری دفعہ شام تشریف لائے تو جناب عمرو بن عاصؓ ہی سپہ سالار تھے اور دونوں کے درمیان مصر کو فتح کرنے کی حکمت عملی کے بارے میں فیصلہ ہوا، اور اس کے بعد شام کی امارت جناب معاویہؓ کے سپرد کر کے جناب عمرو بن عاصؓ کی تیاری کرنے لگ گئے۔ جناب عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ وہ مدینہ پہنچ کر پلوے احکام جاری کریں گے۔

جناب فاروقؓ کی مدینہ میں مشاورت

چنانچہ روایت ہے کہ جناب فاروقؓ نے مصر کی فتح کے سلسلے میں مدینہ شریف میں اپنی مجلس مشاورت سے صلاح کی کہ اب مسلمان ایک نئے براعظم میں داخل ہونا چاہتے ہیں۔ جناب فاروقؓ نے جناب علیؓ سے اور جناب زبیر بن عوامؓ سے الگ خاص طور پر مشورہ کیا۔ دونوں عظیم صحابہ کرامؓ نے مصر کی فتح کی ضرورت کے حق میں رائے دی۔ لیکن جناب فاروقؓ دل سے کچھ اس طرح چاہتے تھے کہ جناب زبیر بن عوامؓ مصر کی سپہ سالاری بھی قبول فرمائیں اور انہوں نے جناب زبیرؓ کو یہ پیشکش کر دی۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ جناب فاروقؓ یہ چاہتے تھے کہ جس طرح ایران اور شام کی سپہ سالاری عشرہ مبشرہ سے جناب سعدؓ اور جناب ابو عبیدہؓ نے کی، اسی طرح مصر کی سپہ سالاری جناب زبیرؓ کریں۔ ایک اور نکتہ یہ تھا کہ شام میں لشکر کی تعداد بہت کم ہو چکی تھی۔ طاعون کی وبا کے علاوہ سرحدوں پر کافی زیادہ افواج الجہی ہوتی تھیں۔ ان حالات میں مصر کی فتح کے لئے مجاہدین کو بھی مدینہ

شرف اور ممالک عرب سے جانا تھا۔

جناب زبیرؓ کا جواب

جناب زبیرؓ نے کہا: اے امیر المؤمنین! بخدا مجھے امدت کی بجائے، جنگ میں ویسے شرکت میں زیادہ سرور محسوس ہوتا ہے۔ شام کی جنگوں میں، میں یرموک کے بعد حمص سے بھی آگے تک گیا اور جہاد میں مصروف رہا۔ لیکن اب وہاں جہاد میں کچھ جوہر آگیا ہے۔ اس نے واپس آگیا ہوں۔ اب مصر کے جہاد میں شرکت کے لئے تیار ہوں اور عمرو بن عاص کے ماتحت کسی جگہ بھی مجاہدین کے ساتھ جنگ میں شرکت کر سکتا ہوں۔ چنانچہ خلیفہ دوم نے جناب زبیرؓ کو مجاہدین اسمٹھے کرنے کا حکم دیا۔ اور عمرو بن عاص نے سکندریہ دیکھا ہوا تھا اور ان کی نظر بھی سکندریہ پر تھی۔ لیکن جناب فاروقؓ نے حکم دیا کہ لشکر صرف پانچ ہزار کا ہو گا اور ساتھ سواری کے لئے اتنے اونٹ اور گھوڑے ہوں کہ یہ لشکر متحرک رہ سکے اور آپ اپنے آپ کو کسی بڑی جنگ میں نہ الجھائیں۔ دریا ئے نیل کے مشرق ہی کی طرف رہیں۔ زیادہ تر عربی مظاہرے کئے جائیں اور کلک کا انتظار کیا جائے۔ مدینہ سے جناب زبیرؓ بن عوام مصر کی فتح کے لئے ایک بڑا لشکر تیار کر رہے تھے۔

خلیفہ دوم کی حکمت عملی

جناب فاروقؓ کو معلوم تھا کہ مصر کو فتح کرنے کے بعد اسلامی سلطنت کو بہت زیادہ وسعت مل جائے گی۔ مادراتے علاقوں اور ممالک پر قبضہ قائم رکھنے کے لئے ان علاقوں میں اعلیٰ پائے کی سول حکومت اور نظام کی بھی ضرورت ہوگی بلکہ مدینہ شریف اور باقی عرب علاقوں کے تمام مسلمانوں کو ایک نظام میں باندھنے کی ضرورت ہوگی تاکہ کسی بھی مسلمان کو کسی وقت اس کی قابلیت کے لحاظ سے کسی مقررہ ملک میں کسی کام کے لئے بھیجا جاسکے۔ حضور پاکؐ کے زمانے میں اس طریق کار پر عمل شروع ہو چکا تھا۔ لیکن اس زمانے میں اُمناء و صدقنا کے تحت لوگ ہر کام کے لئے جلد تیار ہو جاتے تھے۔ جناب صدیق اکبرؓ کے زمانے میں بھی یہ روایات جاری رہیں۔ لیکن آخر لوگوں کی کچھ ترجیحات ہوتی ہیں کہ وہ کیا کرنا چاہیں گے اور کس علاقے میں جانا چاہیں گے اور اس پہلو پر حقہ اول اور

حصہ دوم دونوں میں سیر حاصل تبصرہ کیا جا چکا ہے۔

حضرت علم نے لوگوں کو ایک نظام میں باندھنے کے لئے مضابطوں کے ساتھ پوری قوم کو اللہ کی فوج بنانا تھا۔ تاکہ کسی بھی کو کسی وقت ضرورت کی جگہ پر بھیجا جاسکے۔ اس لئے آپ نے رائے شماری کرائی اور وظیفے مقرر کئے تاکہ اس کام میں آسانی ہو۔ اہل یورپ اس زمانے میں ایسی باتیں پڑھ کر حیران ہوتے ہیں کہ اس زمانے میں جب لکھنے کے لئے کوئی کاغذ نہ ملتا تھا۔ مالیات اور رائے شماری کا با مقصد حساب کتاب جاری کرنا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ لیکن اس سب نظام میں بنیادی باتیں یہ تھیں کہ مسلمان حد سے زیادہ دیانت دار تھے اور اطاعت امیر کے جذبہ سے سرشار تھے۔ ان کی زبان کی وقعت کاغذ کے پرزہ سے زیادہ تھی۔ گو حضور پاکؐ زمانے تھے کہ بہتر ہوتا ہے، کہ یاد رکھنے کے لئے لکھ لیا جائے۔ چنانچہ یہ سولین نظام فتوحات کے لئے پڑھ کی ہڈی کا کام دیتا تھا۔ لیکن ہم اس سے زیادہ اس کی تفصیل میں نہ جائیں گے اور صرف اتنا کہنے پر اکتفا کریں گے کہ دینِ فطرت کے لحاظ سے ہر مسلمان اللہ کا سپاہی ہے اور اس کو قومی ربط و ضبط میں باندھ کر قومی ضرورت کے مطابق استعمال کیا جائے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَبِّرُوا وَصَابِرُوا وَأَطِئُوا وَاللَّهُ لَعَلَّكُمْ تَفْقَهُونَ

(سورہ آل عمران ۱۹۹)

اے ایمان والو صبر کرو اور باہم مصابرو کرو اور باہمی رابطہ رکھو (یعنی ایک دوسرے کے ساتھ بندھے رہو) اور ڈرو اللہ سے تاکہ تم فلاح پاؤ۔

جناب فاروقؓ یہ بھی جانتے تھے کہ مسلمان اللہ کے ساتھ عہد کر چکے ہیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام دنیا کے کونے کونے میں پھیلانا ہے۔ لیکن ایسا کرنے کے لئے کسی ترتیب اور نظام کی ضرورت تھی۔

سرزمین مصر کا فوجی تجربہ

حضرت عمرؓ کو معلوم تھا کہ سرزمین مصر میں طاقت کی کشش کا مرکز سکندریہ تھا۔ جہاں مقوقس رہتا تھا اور جس کا مختصر ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ نقشہ اول میں سکندریہ کے محل وقوع اور مصر کے مدینہ شریف کے ساتھ جغرافیائی رابطہ کو بہتر طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔ ساتھ ہی مصر اور فلسطین کی سرحد بھی اس

نقشہ میں موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ سکندریہ پر سمندر سے کسی بحری بیڑے سے حملہ کیا جاتا کیوں کہ فلسطین سے آگے بڑھ کر ڈیٹا کے راستے سکندریہ کو فتح کرنا ناممکن تھا۔ ایسا کرنے کے لئے درجن سے زیادہ چھوٹے چھوٹے دریا عبور کرنا پڑتے اور ڈیٹا کی دلدل میں مسلمان مجاہدین پھنس کر رہ جاتے۔ مسلمانوں کے پاس کوئی بحری طاقت بھی نہ تھی کہ وہ سمندر کے راستے سکندریہ پر حملہ کر سکتے۔

سکندریہ کی اہمیت

دار الحکومت ہونے کے علاوہ سکندریہ ایک بہت بڑی بندرگاہ بھی تھا۔ گو سکندریہ کنڈیک ایک پرانا شہر ترقی بندرگاہ کے طور پر موجود تھا لیکن موجودہ سکندریہ اور جیسا اس زمانے میں تھا شہر سکندریہ نے آباد کیا یا اس کی بنیاد رکھی تھی۔ اس کی تفصیل ہم آگے باب میں جائیں گے۔ یہاں پر اتنا کہنا کافی ہو گا کہ اس شہر میں مختلف قوموں کے لوگ آباد تھے اور یہ شہر جیسا کہ نقشہ اول اور دوم سے ظاہر ہے، ایسی جگہ پر ہے جہاں دریائے نیل کے ڈیٹا کاسب سے مغربی معائنات سمندر میں گرتے۔ اس کے ساتھ ایک حبشیل ٹی ہے۔ اور اس زمانے میں بھی یہ شہر مصر کے تمام زرخیز علاقوں کے ساتھ دریا اور خشکی والے راستوں سے اس طرح ملا ہوا تھا، کہ مصر کی ساری دولت وہاں پہنچ جاتی تھی۔ چنانچہ سکندریہ کی اہمیت اہل روم یا مصریوں کے لئے تو بہت زیادہ تھی لیکن اگر کسی طرح سے سکندریہ کا رابطہ مصر کے زرخیز علاقوں یا مصر کے دل سے کاٹ دیا جاتا، تو پھر سکندریہ خالی بندرگاہ ہی رہ جاتا تھا۔ چنانچہ مسلمانوں کے نقطہ نگاہ سے سکندریہ کی نسبت مصر کے درمیانی شہروں مصر، باب الیون، جینوزہ اور منف کی بہت زیادہ اہمیت تھی۔ اور ہم ان شہروں کو مصر کا دل کہیں گے۔

مصر کا دل

نقشہ دوم کا طور سے مطالعہ کرنے کے بعد چند مشہور شہر نظر آتے ہیں جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ یہ تمام کے تمام بڑے تاریخی شہر ہیں اور موجودہ قاہرہ بھی اسی جگہ سے ان شہروں کی تاریخی پہلو سے بھی واقفیت ضروری ہے۔ سب سے پہلے عین شمس کا شہر نظر آتا ہے۔ اس کو اہل یورپ ہیملو۔ پولس کہتے ہیں یہ شہر ان لوگوں نے آباد کیا تھا جنہوں نے ام المومنین حضرت ہاجرہ کے شاہی خاندان کو شکست دی تھی اور مصر کی حکومت کے لئے انہوں نے اس شہر کو اپنا دار الخلافہ بنایا۔ آگے باب الیون

کا شہر نظر آتا ہے جس کو اہل یورپ بابل کہتے ہیں۔ اور یہ نام اہل یورپ نے سلطنتِ روم کے زمانے سے اس شہر کو دیا ہوا ہے۔ بابل یا بابل کی تہذیب کا تعلق ملک عراق سے ہے لیکن یورپین مورخ کہتے ہیں کہ کسی زمانے میں بابل کے علاقہ سے قیدی وہاں رہے تو جگہ کا نام بابل پڑ گیا۔ یہ بھی روایت ہے کہ بخت نصر کو اس جگہ اور بابل میں کچھ مشابہت نظر آئی تو اس نے اس کا نام بابل رکھا۔ لیکن ہم اپنی کتاب میں اس کو اسلامی نام باب الیرون سے ہی موسوم رکھیں گے۔ البتہ سب سے زیادہ اہمیت شہر مصر کو ہے، جس کی وجہ سے پرے ملک کو بھی مصر کہتے ہیں۔ اس جگہ مسلمانوں نے فسطاط کی چھاؤنی آباد کی۔ اور کئی سو سال بعد مسلمانوں نے موجودہ قاہرہ کے شہر کی بنیاد رکھی۔ یہی جگہ مصر کا دل ہے اور اس کی وجہ تسمیہ کچھ اس طرح ہے۔

مصر کی وجہ تسمیہ

روایت ہے کہ حضرت نوحؑ کے تین بیٹے تھے، سام، حام اور یافث، سام بہت خوش قسمت تھے اور انہی کی اولاد سے حضرت ابراہیمؑ پیدا ہوئے، اور یہ چتر پہلے بیان کی جا چکی ہے کہ ہمارے آقا حضرت یوسفؑ، اور باقی بڑے بڑے پیغمبر یعنی حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ سب حضرت ابراہیمؑ کی اولاد سے ہیں۔ حضرت نوحؑ، اپنے بیٹے سام کو بھی کچھ عطا کرنا چاہتے تھے اور ان کو کئی دنو پکارا لیکن وہ بہت سست مزاج تھے اور بیٹے رہتے تھے البتہ ان کے پوتے مصر بن بسرنے جب اپنے پر دادا جناب نوحؑ کی آواز سنی تو بلیک کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت نوحؑ نے ان کے لئے دعا کی تو وہی ملک مصر کے تانہ ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ملک مصر کو زرخیزی اور ان کے نام سے موسوم کر دیا۔ آگے جو منف شہر کا ذکر آکر آئے گا اس شہر کی بنیاد بھی جناب مصر نے رکھی۔

دریائے نیل کا مغربی کنارہ

منف کو چھوڑ کر باقی تمام شہر جن کا اب تک ذکر ہو چکا ہے وہ دریائے نیل کے مشرقی کنارے پر ہیں۔ منف مغربی کنارہ پر ہے۔ حضرت یوسفؑ اسی شہر میں عزیز مصر کے وزیر اعظم تھے کہ اس زمانے میں یہی دار الخلافہ تھا۔ روایت ہے کہ حضرت یوسفؑ کے ستر رشتہ دار یہاں آکر آباد ہوئے۔ اور حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں اس خاندان کی جس کو بنی اسرائیل کہتے ہیں، تعداد چھ لاکھ کے قریب تھی۔ اور ان کو حضرت

مصر کے فلسطین لے گئے۔ ویسے یہ روایت بھی ہے کہ حضرت یوسفؑ پہلے عین شمس میں آئے۔ عین شمس پرانے مصر کے فرعونوں کی عبادت گاہ بھی تھی کہ وہاں پر کوزح کی پرستش ہوتی تھی۔

منف کے نیچے نقشہ دوم میں فیوم کا شہر ہے۔ روایت ہے کہ یہ شہر حضرت یوسفؑ نے بسایا۔ ویسے یہاں پر دریائے نیل میں کئی جزیرے بھی ہیں اور خاص کر ایک جزیرہ روضہ کا ذکر آگے کثرت سے آئے گا۔ اور ایک پایاب یعنی دریا کو عبور کرنے والی مشہور جگہ بھی ہے جس کو ام ذنین کہتے ہیں۔ یہ تھے وہ مقامات جو مسلمانوں کی حکمت عملی کے طور پر ان کے لئے زیادہ اہم تھے۔ لیکن ساتھ ہی ان مقامات کے ساتھ چونکہ ہمارا تاریخی رشتہ بھی حق کے فلسفہ کی وجہ سے ہے، اس لئے ایسی تاریخ کا ذکر ضروری تھا۔

مصر کے سیاسی حالات

مصر میں قدیم زمانے سے مختلف قوموں کے لوگ آباد رہے ہیں۔ جن میں بربر، یونانی، رومی، رومی، رومی، رومی کے رہنے والے، نوبین یعنی سوڈانی یا حبشی زیادہ مشہور ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ تعداد قبطی لوگوں کی تھی جن کو قبط بھی کہا جاتا تھا۔ مصر میں حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ کی آمد اور ام المؤمنین حضرت ہاجرہؑ کا مصر بننے وغیرہ کا ذکر آچکا ہے۔ حضرت یوسفؑ کی آمد فرعون مصر اور حضرت موسیٰؑ کا ذکر بھی ہو چکا ہے۔ یہاں اتنا مزید کہا جاتا ہے کہ جوانی کے دنوں میں حضرت عیسیٰؑ بھی اپنی والدہ محترمہ حضرت مریمؑ کے ساتھ مصر میں تشریف لے گئے تھے اور انہوں نے بھی چند دن باب الیون میں گزارے۔ لیکن لوگوں نے عیسائی مذہب پہلی صدی عیسوی کے آخری ایام میں اختیار کیا۔ پھر کئی کافی لوگ بے دین تھے۔ اہل روم نے البتہ عیسائیت کو سرکاری طور پر چوتھی صدی عیسوی میں اختیار کیا۔ جب ان کے بادشاہ قسطنطین نے اپنا دارالخلافہ روم سے قسطنطنیہ (موجودہ استنبول) میں تبدیل کیا۔

مصر کے عیسائی یا قبطی عیسائی، قدیم عیسائی تھے اور ان کے فلسفہ میں غیروں کے کچھ زیادہ اثرات نہ تھے۔ حضور پاکؐ نے بھی قبطی عیسائیوں کے لئے اچھے الفاظ فرمائے اور حکم دیا تھا کہ جب مصر کو فتح کرنا

ان کا کل ذکر چوتھے باب میں آئے گا۔

تو قبلی عیسائیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا کہ وہ ہمارے رشتہ دار ہیں۔ یہ رشتہ صرف اُم المؤمنین حضرت ماجرہ اور مار یہ قبلی کی ذبح سے نہ تھا بلکہ حضرت یوسف نے بھی ایک قبلی شہزادی سے شادی کی تھی۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ حضور پاکؐ نے فرمایا کہ قبلی مسلمانوں کے دشمنوں کے خلاف مسلمانوں کی مدد بھی کریں گے۔

روم یعنی مصر کے حاکم عیسائیوں اور قبلی عیسائیوں کے عقیدوں میں کافی فرق تھا۔ جس کی تفصیل میں جا کر ہم کسی کے عقیدے کو ٹھیس پہنچانا پسند نہ کریں گے لیکن اتنا کہیں گے کہ یہ اختلافات اس بات پر نئے کہ کیا حضرت عیسیٰؑ انسان تھے یا خداوند یسوع مسیح۔ یا انسان بھی تھے اور خدا بھی تھے۔ اسی طرح حضرت مریمؑ کے سلسلہ میں بھی سخت اختلافات تھے۔ بلکہ ایک دوسرے کے خلاف تبرے بکے جلتے تھے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ ہرقل کو جب ایرانیوں کے خلاف فتح نصیب ہوئی تو اس نے تمام عیسائیوں میں وحدت پیدا کرنے کی کوشش بھی کی۔ وہ خود اور ارباب حکومت یونانی گرجا والے عیسائی تھے، اور قبلی عیسائی کہتے تھے کہ ان لوگوں نے مذہب کو تماشہ بنا دیا ہے اور وہ ہر قسم کے انڈل اور بے ٹکی باتوں کو مذہب میں لے آتے ہیں۔ عیسائیوں کے مجبورہ گروہ یعنی رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ بھی یونانی گرجا کی شاخ ہیں۔ البتہ پروٹسٹنٹ میں کچھ بدت ہے اور چرچ آف انگلینڈ میں جین ہے۔

ہرقل نے مصر کی حکومت ایک پادری کے سپرد کر دی جس کو اہل یورپ سائری اور مسلمان مقوقس کہتے ہیں اور وہ سکندریہ میں رہتا تھا۔ تمام مورخین کا کہنا ہے کہ وہ آرمینیا کے رہنے والا تھا اور یونانی گرجا کا پیر تھا۔ اور ہرقل نے اس کو حکم دیا کہ وہ عیسائیوں کو ایک گرجا یا ایک عقیدے کے تحت متحد کر دے۔ اس نے یہ کام سختی سے شروع کیا اور قبلی عیسائیوں کے بڑے بڑے پادریوں کو قتل بھی کر دیا جن میں سکندریہ کے بڑے پادری جنجین کا بھائی نیاکس بھی شامل تھا۔ جنجین خود ریگستان میں بھاگ گیا لیکن اپنے پادریوں کو حکم دے گیا کہ ان کے لئے رومی عیسائیوں کی نسبت آنے والے مسلمان بد چہا بہتر ہیں اور ان کی مدد کرنا اس طرح ہمارے آقا حضور پاکؐ محمد مصطفیٰؐ کی پیش گوئی پوری ہو گئی۔ اور یہ تھے مصر کے سیاسی اور مذہبی حالات جس زمانے میں مسلمان مسرتک اللہ اور اللہ کے رسولؐ کا نام بلند کرنے کے لئے پرتولی رہے تھے۔

مسلمانوں کی تجویز

اپنی حکمت عملی پر عملدرآمد کے لئے مسلمانوں کی تجویز یہ تھی کہ جناب عمرو بن عاص شام سے پیش قدمی کریں اور آرمش سہلے سے پہلے فرما لیا کہ آئیں۔ اور پھر جنوب میں مصر اور باب الیون کے علاقوں میں حربی مظاہرے کریں۔ اسی دوران جناب زبیر بن عوام ایک بڑا لشکر لے کر ایلا (عقابہ) کے راستے پیش قدمی کریں۔ یعنی باب الیون اور منف و قیہ پر۔ اور سکندریہ تک فتح کی جائے جب اس کام کے لئے تیاری مکمل ہو جائے۔ اس تجویز کا بڑا فائدہ یہ تھا کہ مصر کے دل پر قبضہ ہو جانے کے بعد سکندریہ میں رومی حکومت ڈیٹا کے علاقوں میں سے اور مصر کے ذریعہ علاقوں کی پیداوار سے ملتا ہوا جو بیٹھی تھی وہ بحری جہازوں سے سکندریہ آئی۔ نئے تھے کہ وہاں سے مصر کا نخل، اور کپاس یورپ لے جاتے تھے ان کی تجارت بھی ختم ہو جاتی تھی چنانچہ مسلمانوں کی پیش قدمی کی تجویز کو نقشہ دوم پر دکھایا گیا ہے۔

پیش قدمی کا راستہ

نقشہ دوم پر حضرت عمرو بن عاص کی مصر کے دل کی طرف پیش قدمی کا جو راستہ دکھایا گیا ہے وہ پرانی عسکری تاریخی روایات کے مطابق تھا۔ سکندریہ یونانی نے بھی یہی راستہ اختیار کیا تھا اور مصر کے دل پر قبضہ کر کے پھر شمال کی طرف مڑا اور سکندریہ کا شہر آباد کیا۔ ایرانیوں نے چند سال پہلے مصر پر قبضہ کے لئے یہی راستہ استعمال کیا تھا۔ ویسے اس راستے کے ساتھ ہمارے روحانی تعلقات بھی ہیں کہ ہمارے جد امجد حضرت ابراہیم نے جب مصر کا سفر کیا تو یہی راستہ استعمال کیا۔ بلکہ حضرت یوسفؑ کو فریخت کرنے والے سوداگروں نے بھی یہی راستہ استعمال کیا اور بعد میں آپ کے بھائیوں اور سارے خاندان نے بھی یہی راستہ استعمال کیا۔

روایت ہے کہ جناب عمرو بن عاص نے دس ذوالحجہ اٹھارہ ہجری میں فلسطین کی سرحد کو پار کیا اور اس دن گیارہ یا بارہ دسمبر سن ۶۳۹ عیسوی تھا اس وجہ سے چند مورخین نے مصر کی فتح اٹھارہ ہجری میں

علا فرما کر اہل یورپ پلاسیم کہتے ہیں۔

لکھ دی۔ کچھ نے وہ تاریخ لکھی جس دن شہر مصر فتح ہوا اور کچھ نے وہ تاریخ جب سکندریہ فتح ہوا بلکہ بعض نے مصر کی فتح کو ۲۴ ہجری میں بتایا جب سکندریہ دوسری دفعہ فتح ہوا۔ اس کے کئی لوگوں نے ان تاریخوں کو اختلاف کی صورت میں پیش کر دیا لیکن یہاں کوئی اختلاف نہیں۔ اس زمانے میں سن ہجری کا تعین ہو چکا تھا اور ہم ہر واقعہ کے ساتھ اس کی تاریخ بھی لکھ دیں گے۔

مورخین کی ایک عجیب و غریب روایت

کچھ مورخین نے فتوحات مصر کے سلسلہ میں ایک عجیب و غریب روایت لکھی ہے کہ عمرو بن عاص کو مصر میں پیش قدمی کی اجازت دینے کے بعد جناب نادر بن عثمان نے جناب عثمان سے اس کا ذکر کیا۔ تو حضرت عثمان نے فرمایا کہ عمرو بن عاص خود مختار امیر بنا چاہتا ہے اور اس کی بڑی خواہشات ہیں۔ اور ان خواہشات کو پورا کرنے کے لئے وہ کسی حفاظتی اقدام کا خیال نہ کرے گا۔ جب حضرت عمرؓ نے یہ سنا تو انہوں نے ایک تیز رفتار قاصد عقبہؓ کے ہاتھ جناب عمرو بن عاص کو چھٹی لکھ کر روانہ کی کہ اگر مصر کی سرحد میں داخل نہیں ہوئے تو مت داخل ہو اور یہ فوج کشی نہ ہوگی۔ لیکن اگر داخل ہو چکے ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر آگے بڑھتے جاؤ۔ جناب عمروؓ کو فوج میں نئے اور گونا گونہ راستے میں مل گیا لیکن چھٹی پڑاؤ پر پہنچنے کے بعد کھولی۔ یہ پڑاؤ مصر کی سرحد میں تھا اس نے فوج کشی کی گئی۔

تبصرہ

یہ روایت اتنی نامکمل یا مہمل ہے کہ اس پر تبصرہ ضروری ہے۔ اول تو عمرو بن عاص کے بارے میں ہم ہر کتاب میں کافی کچھ لکھ چکے ہیں اور کسی نے کہی ان کی تدبیر ہر شک نہیں کیا اور وہ ہر کام میں قدم پھونک پھونک کر رکھتے تھے۔ اس لئے حضرت عثمانؓ بھی ایسا تبصرہ نہ کرتے کہ جناب عمرو بن عاص حفاظت کا بھی خیال نہ کریں گے۔ دوم حضرت عمرؓ نے پہلے سب مشیروں سے مشورہ کر لیا تھا اور اجازت دینے کے بعد حضرت عثمانؓ کے ساتھ آگ مشورہ کرنا مہمل نظر آتا ہے۔ پھر مصر کا ملک بھی قیصر روم کی سلطنت کا حصہ تھا۔ اور مصر کے اندر داخل ہونے یا چند میل ادھر ادھر ہونے سے کوئی نئی جنگ تو نہ پھرنا یہی فنی رابل روم کے ساتھ تو جنگ موتہ کے وقت سے جنگ جاری تھی۔

اس کے علاوہ عام طور پر مورخین ایسی حالتوں میں خط کا متن نقل کرتے ہیں اور یہاں صرف خط کے مضمون کا ذکر ہے۔ اس لئے الفاظ پر شک ہو سکتا ہے۔ دراصل ایسی مثال کسی نے جناب عمرؓ بن عاص کی ہوشیاری یا تدبیر کو بیان کرتے وقت پیش کر دی کہ مہر کی فوج کشی اور فتح سب کچھ انہی کی تجویز کے تحت تھا اور نہ خلیفہ وقت نے تو ان کو آخری وقت تک روکنے کی کوشش کی۔ اور ہمارے سامنے پہلے بھی ایسی روایات آئی ہیں کہ جناب فاروقؓ کو جناب عمرؓ بن عاص نے اس طرف مائل کیا۔ بالکل اسی طرح جس طرح کہا جاتا ہے کہ جناب مشنی نے جناب صدیق اکبرؓ کو عراق کی فتح کی طرف مائل کیا لیکن ہمارے لحاظ سے یہ سب مشورے تھے۔

ایک مہر کی حاشیہ آرائی

اس جائزہ کے بعد ہمیں یہ حق پہنچتا ہے کہ ہم یہ کہیں کہ یہ ایک بے معنی روایت ہے۔ لیکن اس زمانے کے ایک مہر نے اس روایت کے بل بستے پر اپنی مہر کی فتوحات کی کتاب میں ایک پورا باب لکھ ڈالا ہے۔ جس کا عنوان ہی "سبدل" یا "مارضامند خلیفہ" ہے یعنی انگریزی کے لفظ RELUCTANT-CALIPH استعمال کے ظہر ہے کہ اگر اس روایت کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حضرت عمرؓ معصم ارادہ نہ رکھتے تھے راہ فیصلہ کر لینے کے بعد بھی تذبذب کا شکار رہتے تھے۔ اس لئے اس واقعہ کا مزید جائزہ پیش کر کے حالات کی مزید گہرائی میں جانے کی ضرورت ہے۔

دراصل بات یہ تھی کہ حضرت عمرؓ بن عاص کا لشکر تو ایک جیش المقدم اور متحرک دستہ تھا۔ اصلی لشکر جناب زبیرؓ بن عوام کا تھا جس نے مدینہ شریف سے آنا تھا۔ حکمت عملی کے تحت مہر کو فتح کرنے کا وقت آگیا تھا اور اب زماں و مکاں کے معاملہ کے رابطے جوڑنے تھے کہ دونوں لشکر کس وقت اور کس جگہ مل کر روانہ شروع کریں۔ لغت اول اور لغت دوم کا مطالعہ ظاہر کرے گا کہ یہ دونوں لشکر جاکنصر کے دل میں اکٹھے ہوئے۔ بلکہ زماں کے لحاظ حضرت عمرؓ بن عاص کافی عرصہ متحرک کارروائیاں کرتے رہے تو جناب زبیرؓ کا لشکر کافی عرصہ بعد میں جا کر پہنچا تو یہ بالکل ممکن ہے کہ خلیفہ دوم نے جناب عمرؓ بن عاص کی طرف کوئی قاصد بھیجا ہو کہ اگر مہر کی سرحد میں داخل نہیں ہوئے ہوادر دشمن کے ساتھ کوئی لگاؤ نہیں ہوا تو جناب زبیرؓ کا انتظار کر لو لیکن اگر ملک مہر میں داخل ہو چکے تو پھر محمد درجہ جرنیل اور متحرک

کا درد و ایساں جاری رکھو اور جناب زبیرؓ کی کمک کا انتظار کرو یہ سب کچھ جناب فاروقؓ کی حکمت عملی کی اعلیٰ اسوج کے تحت آتے اور اس میں نہ "بے دل" ہے اور نہ "نازماندی"۔

جناب زبیرؓ بن عوام کی کمک

نقشہ اول اور نقشہ دوم دونوں پر جناب زبیرؓ کی کمک کے پیش قدمی والے راستہ اور دونوں لشکر کے باہمی ملاپ کو واضح کر دیا گیا ہے۔ جناب زبیرؓ کے لشکر کی نفری کچھ مورخین نے آٹھ ہزار اور کچھ نے بارہ ہزار لکھی ہے۔ جلال الدین سیوطی کا جائزہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے سرداروں کے لشکر کی تعداد بارہ ہزار سے زیادہ نہ تھی اور چونکہ جناب عمروؓ کے لشکر کی تعداد پانچ ہزار کے قریب تھی اس لئے جناب زبیرؓ کے لشکر کی تعداد آٹھ ہزار سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ یہاں ایرانی "ہزار مرد" کی نقل میں کچھ مرخین اور بعض یہ لفاظی بھی کر گئے کہ جناب زبیرؓ از خود، اور آپ کے لشکر میں جناب مبارزہ بن صامت و جناب منذر بن الاسود اور جناب نزیح بن خذافہ میں سے ہر ایک ہزار مجاہدین کے برابر تھا۔ بے شک چاروں صحابہ کرامؓ اپنی مسلمانوں میں سے ہیں اور جنگ بدر میں بھی شرکت کی۔ لیکن اسلام کا فلسفہ اہتمامی ہے اور وہ قرآن پاک میں موجود ہے کہ اگر ہو گئے ایک سو تو غالب آئے گئے ایک ہزار پر اس لئے ہم مجاہدین کو آگے ناپنے اور قتلنے کے اصول کو نہیں مانتے۔ اسی طرح ناصد کے لئے بھی احکام تھے کہ اگر سخت ضرورت ہو تو پیغام پڑاؤ پر دیا جائے اور یہ بالکل ممکن ہے کہ حضرت عمروؓ بن ماس کو پیغام تب ملا جب وہ پڑاؤ پر پہنچے ہوں۔

جناب عمروؓ بن عاص کا کوچ

جناب عمروؓ بن عاص نے کوچ جاری رکھا اور ان کو کوئی خاص مسئلہ پیش نہ آیا۔ اہل روم نے سب کچھ سکندریہ میں رکھا ہوا تھا۔ وہ سکندریہ کو ناقابل تسخیر بھی سمجھ رہے تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ مسلمان ٹریڈ سے آگے نہ بڑھ سکیں گے، اور مسلمانوں کے پاس کوئی بحری طاقت بھی نہ تھی کہ سکندریہ پر سمندر کے راستے سے حملہ کر سکیں۔ ان کو اس کی بھی زیادہ امید نہ تھی کہ مسلمان مصر کے دل کی طرف کوئی زیادہ پیش قدمی کر لیں گے۔ ان کے تمام تر تعلقہ جات ویراں کے کنارے تھے اور ان کو معلوم تھا کہ مسلمان محاصرہ کو ناپسند کرتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے جناب عمروؓ کے لشکر کی پیش قدمی پر کوئی زیادہ

توجہ نہ دی۔ انہوں نے اس کو ایک حربی مظاہرہ ہی سمجھا۔ ویسے بھی مسلمان ہلکے پھلکے اور متحرک تھے اور رومیوں کو خیال تھا کہ اگر کبھی مسلمانوں نے جنوب کا رخ کیا تو محاصرہ توڑ سامان کے بغیر ایسا نہ کریں گے۔

فرما کی جنگ

جناب عمرو آرتش سے آگے فرما پہنچے جو ایک بندر گاہ تھی۔ لیکن اس جگہ کی آب و ہوا اتنی اچھی نہ تھی اور اہل روم نے یہاں معمولی سا قلعہ بنایا ہوا تھا جس میں کچھ فوج رہتی تھی اس کی تعداد کے بارے میں مورخین خاموش ہیں۔ مسلمانوں نے اس قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن ان کو کوئی زیادہ جلدی نہ تھی۔ انہیں ملک کا انتظار تھا اور نقشہ اول و دوم سے ظاہر ہوگا کہ مدینہ کا فاصلہ کافی دور تھا اور اس وقت تک ملک روانہ بھی نہ ہوئی تھی۔ یہ محرم انیس ہجری کا واقعہ ہے۔ پہلے تو رومی کچھ ڈر گئے تھے کہ شام میں لگانا نہ شکتیں کھانے کی وجہ سے انہوں نے اندازہ لگایا ہوگا کہ مصر پر بحری طور وار ہونے والا ہے اور عمرو بن عاص کی فوج کوئی ہر اول دستہ ہے۔ بڑی فوج آنے والی ہوگی۔ اس نے وہ قلعہ بند ہو گئے۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمان لشکر کو پیچھے سے کوئی ملک وغیرہ نہیں آئی تو رومی لشکر نے ایک آدھ دفعہ قلعہ سے باہر نکل کر اسلامی لشکر پر دھاوے کئے۔ مسلمان پیچھے ہٹ جاتے تھے۔ کردہ وقت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ رومیوں نے اس کو مسلمانوں کی کمزوری سمجھا اور ایک دفعہ کچھ زیادہ ہی باہر نکل آئے۔ مسلمان موقع کی ناک میں تھے۔ انہوں نے لشکر کے بڑے حصہ کو الجھا رکھا اور کچھ مجاہدین نے آگے بڑھ کر قلعہ کے دروازہ پر قبضہ کر لیا اور مسلمان فرما شہر میں داخل ہو گئے۔ رومی کچھ تو مارے گئے، کچھ تیری بنے اور زیادہ تر تعداد کشتیوں میں بیٹھ کر سکندریہ کی طرف روانہ ہو گئی۔

فرما کے قلعہ کی مسماری

مسلمانوں کو فرما کے ساتھ کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ اس کو بیکہ فوجی چور کی بھی نہ بنانا چاہتے تھے۔ وہ وہاں پر کوئی قلعہ بند فوج بھی نہ رکھنا چاہتے تھے۔ ان کی تجویز کے مطابق ان کے لئے قلعہ یا

سویزر کے مقامات زیادہ اہم تھے۔ وہ مدینہ شریف کے ساتھ میدھا رابطہ قائم کرنا چاہتے تھے۔ مسلمانوں کے پاس کوئی بحری طاقت نہ تھی اور رومی کسی بھی وقت اس بندرگاہ پر مار قبضہ کر سکتے تھے۔ اور قبضہ کرنے کے بعد فرما کے قلعہ کو اپنی مخالفت کے لئے استعمال کر سکتے تھے۔ چنانچہ مسلمانوں نے فرما کے قلعہ کی تمام دیواریں مسمار کر دیں۔ فوجی حکمت عملی اور تدبیرات کے طور پر اس کارروائی کو آج کل بھی *Denial Plan* کہتے ہیں کہ جو چیز اپنے استعمال کی نہ ہو اسے ناکارہ کر دینا کہ دشمن اس سے فائدہ نہ اٹھائے۔ مسلمانوں نے اس پر جلدی عمل کی کہ وہ جنوب کی طرف کوچ کر رہے تھے۔ ویسے عام طور پر جنگ کے دوران "ناکارہ تجویز" پر عمل پیرا ہونے کے بڑے اصول اور طریقے کار ہیں۔ لیکن ہم ان کی تفصیل میں نہ جائیں گے۔ اور صرف اس پر اکتفا کریں گے کہ اس تجویز کو میدان جنگ سے بیکر بڑے بڑے شہروں تک عملی جامہ پہنانے کے لئے امن کے زمانہ میں بڑی تیاری کی ضرورت ہوتی ہے اور ترجیحات مقرر کی جاتی ہیں کہ کون کون سا کس وقت کیا جائے گا۔ مسلمان اس زمانے میں بھی اس اصول کو بڑی اچھی طرح سے سمجھتے تھے۔

جناب عمرو بن عاص کو مدینہ سے نکالنے کی امید بیع اللادل کے بعد تھی اور ایسی نکتہ عین شمس کے قریب ملنے کی امید تھی اور جناب عمرو بن عاص نے البتہ مخبروں کو سویزر اور قلم کے علاقے میں بھیج دیا کہ کک کے آنے کی خبر دیں اور خود "مصر کے دل" کی طرف روانہ ہو گئے۔ پہلی جھڑپ بلیب کے مقام پر ہوئی جو عین شمس سے شمال کی طرف ہے۔ لیکن آگے جہاں اسلامی لشکر جاتا۔ رومی قلعہ بند ہو جاتی۔ عین شمس۔ باب ایون بر جگہ رومی قلعہ بند ہونا شروع ہو گئے جناب عمرو بن عاص کے مخبروں کے بارے میں دشمن نے یہ اندازہ لگایا جیسے یہ کوئی جیش المقدم ہے اور کوئی بڑا لاد لشکر آنے والا ہے۔ اب جناب عمرو بن عاص اس پوزیشن میں بھی نہ تھے کہ کسی جگہ کا محاصرہ کر لیتے۔ اس طرح ان کی کمزوری دانی بات سامنے آ جاتی صرف باب ایون میں رومی لشکر کی تعداد دس ہزار کے قریب تھی اور اگر جناب عمرو بن عاص کسی ایک جگہ تنگ پڑاؤ کر لیتے تو جنگ میں الجھ جاتے۔ اب تک انہوں نے اپنی تمام تر کارروائی کو حرکت کے محور کے گرد رکھا تھا کہ انہوں نے اپنا ادوہ کسی پر خا بر نہ کیا۔ لیکن مصر کے دل میں پہنچ جانے کے بعد وہ آگ واپس ہڑتے تو رومیوں کے حوصلے بڑھ جاتے اور وہ جناب عمرو بن عاص کا تعاقب کرنے لگے۔

نزالی تجویز

چنانچہ جناب عمرو بن عاص نے ایک نزالی تجویز اپنائی آپ نے ام الذہنین کے مقام پر سے دریائے نیل کو عبور کیا اور منف سے گزر کر اپنی حرکت کو جنوب میں فیوم کے مقام تک جاری رکھا وہاں کے رومی بھی متحرک مسلمانوں کو دیکھ کر قلعہ بند ہو گئے۔ فیوم کے مقام پر بھی سخت اور مضبوط قلعہ تھا اور متحرک مسلمان دستوں کو کوئی ایسا چھوٹا قلعہ تو نہ مل سکا جس کو وہ سر کر لیتے لیکن راستے میں جو رومی ملا اس کو تہ تیغ کر دیا۔ غنیمت کا کافی سامان ہاتھ لگا۔ غلہ اور کھانے پینے کی کافی چیزیں میسر آ گئیں۔ حربی مظاہرہ کو دیکھ کر رومی سہم سکے۔ لیکن دریائے نیل کے مغرب میں زیادہ دیر ٹھہرنا فوجی حکمت عملی کے لحاظ سے صحیح کارروائی نہ تھی۔ اس لئے جب حرکت اور زیادہ نہ کی جاسکی تو مسلمان واپس ملے۔ اس ساری کارروائی کو نعتہ دوم میں دکھایا گیا ہے۔

تبصرہ

کارروائی خراب نتائج بھی پیدا کر سکتی تھی۔ اور اگر رومی ہمت کر جاتے اور مغرب کی فوج جناب عمرو بن عاص کو دریائے مغرب میں الجھالیتی اور مشرق میں جب جناب ذبیرؓ پہنچتے تو مشرقی قلعوں کی فوج ان کا قلع قمع کر سکتی تھی۔ لیکن ایسا اس فوج کے ساتھ ہو سکتا ہے جو چوکنی نہ ہو اور کسی ایک جگہ پڑاؤ ڈالنے سے مسلمان متحرک تھے۔ اور وہ دشمن کو رد عمل کا موقع نہ دیتے تھے جب جناب عمرو بن عاص فیوم پہنچے تو جناب ذبیرؓ کو سب سے پہلے چکے تھے اور پہلے اس سے کارروائی کو رد عمل سچتے جناب عمرو بن عاص اور جناب ذبیرؓ کے درمیان رابطہ قائم ہو چکا تھا۔ یعنی جناب عمرو بن عاص نے دیا کو پار کیا اور جیسا کہ نعتہ دوم پر دکھایا گیا ہے انہوں نے عین شمس کے مشرق میں سب سے آگے بڑھنے والی جناب ذبیرؓ کی گما کے ساتھ ملاپ قائم کیا اور دونوں لشکراپس میں مل گئے۔ ہمارے ایک ہمعصر نے مورخین کے بیان سے تمام کارروائی کے تانے بانے کچھ اور طرح سے جوڑے ہیں کہ جناب عمرو بن عاص نے دریا کو واپس مبرور کر کے باب الیون کا محاصرہ کر لیا اور جب اس میں ناکامی ہوئی تو پھر مدینہ شریف سے کمک طلب کی اور جناب ذبیرؓ کا لشکر آیا۔ ہمارے لحاظ سے

ان کا زمانہ و مکان کا معاملہ یہاں ٹھیک نہیں لگتا اور حکمت عملی کے تحت جس یہ تجویز غلط معلوم ہوتی ہے کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ سب کا راز رانی جناب ہزار رقی کی حکمت عملی کے تحت ہو رہی تھی اور جناب عمر زین عاصی اکیلے اپنی پانچ یا چار ہزار کی فوج کے ساتھ مہر کے دل پر کیے قبضہ کر لینے جب خود مقتوس پندرہ ہزار کی فوج لے کر باب ایون پہنچ چکا تھا اور کم از کم پانچ ہزار فوج وہاں پہلے موجود تھی۔ اور ظاہر ہے کچھ رومی لشکر منصف اور نیموم کے مقام پر بھی تھے۔ البتہ وہ سب دُکھے میٹھے تھے۔ لیکن یہ مبصر لکھ دیتے ہیں کہ رومی عمر زین عاصی کے قبضے سے شکر کو دیکھ کر ہنستے تھے کہ وہ چند ہزار فوجوں کے ساتھ ان کا محاصرہ کر رہے ہیں۔ ہم اس کو افسانہ کہیں گے۔

عین شمس کی لڑائی

پہلے ہمارے لحاظ سے جناب عمر زین جناب زبیر کے لشکر کو اپنی کنڈ میں لینے کے بعد اہل روم کے ساتھ جو پہلی لڑائی تھی وہ عین شمس اور باب ایون کے مقامات کے درمیان ایک جگہ لڑی گئی اور نقشہ موسم میں اس جنگ کے دو مرحلوں کے ملنے کے بھی موجود ہیں۔ ہمارے یہ مبصر اس جنگ کو بھی باب ایون کی جنگ کا نام دیتے ہیں۔ لیکن باب ایون کا باقاعدہ محاصرہ کرنا پڑا جس کا ذکر بعد میں تفصیل سے آئے گا کہ وہ جگہ بعد میں نچ ہرٹی۔ یہ جنگ عین شمس کے نزدیک رجب انیس بجری میں ہوئی۔ عین شمس ایک شہر آباد تھی اور وہاں ایک چھوٹا سا قلعہ تھا جس پر مسلمانوں کا قبضہ بھی ہو گیا تھا۔ مسلمان عین شمس کے قریب پڑاؤ کئے ہوئے تھے اور رومیوں کی کوئی بیس ہزار کے قریب فوج وہاں سے دس میل دور باب ایون میں ٹھہرنے ہوئی تھی عین ممکن ہے کہ جناب عمر زین عاصی کے نیموم وغیرہ سے واپس آنے کے بعد مقتوس پندرہ ہزار فوج لے آیا اور پہلے وہاں صرف پانچ ہزار فوج ہی ہو سکتے تھے اس وقت سے جناب عمر زین سے۔

— ماحص کی دیکھ بھال اور متحرک کارروائیوں میں پہلے نو یونانی فوج تھیں لیکن اب جو انہوں نے دیکھا کہ عین شمس کے مقام پر اسلامی لشکر کی تعداد کوئی تیرہ یا چودہ ہزار کے قریب ہے تو انہوں نے اس فوج کا قلعہ قمع کرنے کے بارے میں سوچا۔ ان کے پاس کوئی بیس ہزار فوج تھی اور مقتوس کے علاوہ اس فوج کا رومی کمانڈر انجیٹ بھی وہاں موجود تھا۔ اس کا نام قیوڈرس تھا لیکن مسلمان اس کو منڈورس کے نام سے موزوم کہتے ہیں۔ ہم منڈورس ہی کہیں گے۔ گو مسلمان اس کو زبیرا سانپ بھی کہتے تھے۔

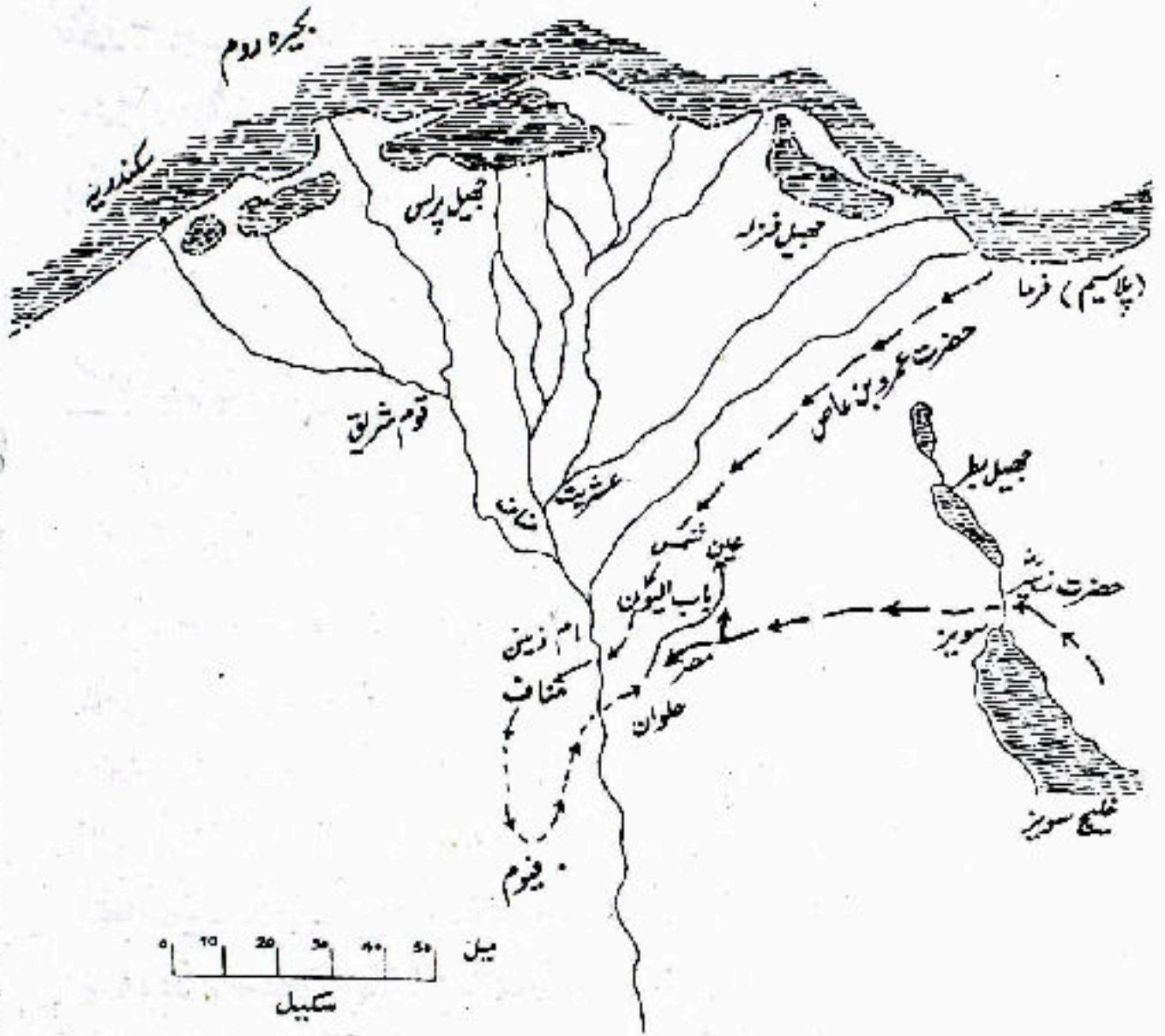
چنانچہ رومیوں نے فیصلہ کیا کہ ایک دن باب ایون سے نکل کر مسلمانوں کے پوزیشن پر حملہ کریں۔ باب ایون اور عین شمس کے درمیان فاصلہ تقریباً دسی میل تھا لیکن مسلمان عین شمس سے آگے اونچی زمین اور کھلے میدان میں تھے۔ ان کے مشرق کی طرف مقدم کی پہاڑی تھی۔ دوسرے لفظوں میں جب رومی باب ایون سے آگے نکل کر مسلمانوں پر حملہ کرتے تو رومیوں کے دائیں ہاتھ پر مقدم کی پہاڑی ان کو حفاظت مہیا کرتی اور بائیں ہاتھ پر دریائے نیل اور اس کے کنارے کے باغ۔ اس لئے رومی اپنی تعداد کی وجہ سے بڑے پر امید تھے کہ وہ مسلمانوں کو تھس تھس کر دیں گے۔

مسلمانوں کی تجویز

رومی ابدہ قلعہ کے اندر تھے اور باہر کی زمین کو وہ صرف دن کے وقت دیکھ سکتے تھے۔ مسلمانوں نے عین شمس کے شہر پر تو مکمل قبضہ کر لیا۔ لیکن مسلمان باب ایون کا محاصرہ نہ کرنا چاہتے تھے، اس طرح مسلمانوں کی کل بارہ یا چودہ ہزار فوج رومی فوج سے آدھی بھی نہ تھی۔ پھر باب ایون کا محاصرہ صرف تین طرف سے ہو سکتا تھا۔ چوتھی طرف دریا تھا۔ مسلمان یہ چاہتے تھے کہ ان کی کم تعداد دیکھ کر کس طرح رومی قلعہ سے باہر نکل کر ان پر حملہ آور ہوں۔ اور پھر مسلمان ان کے گرد گھیرا ڈال کر انہیں ختم کر دیں گے۔ کچھ مہینوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ رومی اکثر باہر نکل کر حملہ آور ہوتے رہتے تھے اور ایک دن جب وہ حملہ کے لئے باہر نکلے تو مسلمانوں نے ان کو گھیر ڈالا کہ تھس تھس کر ڈیا۔ یہ روایات ہمارے فوج ذہن کو اپیل نہیں کرتیں کہ جو فوج قلعہ میں پناہ گزیں ہو وہ ہر روز ایسا کرے گی۔ ایسی افواج ایک آدھ کوشش میں حملہ آور یا محاصرین کو ختم کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ اس لئے ممکن ہے کہ ایسی کارروائی ایک سے زیادہ دفعہ کی گئی ہو کہ پہلی در کتابوں میں واضح کر دیا گیا ہے کہ محاصرہ کی بھی کئی قسمیں ہوتی ہیں۔ چنانچہ حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے مسلمانوں نے دیکھ بھال والا محاصرہ اور خشکی کے راستوں کی ناک بندی کی ہوئی تھی۔ اہل روم کی تقریباً بیس ہزار کی فوج باب ایون کے قلعہ اور روضہ کے جزیرہ میں محصور تھی۔ جہاں رسد صرف دریا کے راستے سے حاصل کی جاتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے تجویز بنائی کہ قلعہ سے نکل کر مسلمانوں پر چالاک حملہ کر دیا جائے۔

شمال
↑

نقشہ دوم :- حضرت عمرو بن عاص کی حضرت زبیرؓ کی ملک پہنچنے کے
پہلے کی کارروائی اور دریائے نیل کو عبور کرنا



میل 0 10 20 30 40 50
سکیل 0 10 20 30 40 50

مسلمان چوکنے اور باختر تھے۔ ان کے مجزومی لشکر کے اندر بھی موجود تھے کہ قطعی مسلمانوں کی ہمدردیاں مسلمانوں کے ساتھ نہیں چنانچہ انہوں نے حملہ کے موقع دن سے ایک رات پہلے رات کے وقت دو فوجی دستے قلعہ کے دائیں بائیں یا مقدم کی پہاڑی اور بائیں کھجوروں کے جھنڈ میں چھپا دیئے۔ دائیں والے دستہ کے کمانڈر جناب خریجہ تھے اور بائیں والے دستہ کے امیر کا نام کسی کتاب میں نہیں مل سکا۔ بہر حال دستوں کو اس پوشیدگی سے چھپایا گیا کہ رومیوں کو اس کی کوئی خبر نہ مل سکی۔ نقشہ سوم کے خاکہ مرحلہ اول میں اس تجربہ کی نشاندہی کی گئی ہے۔

جنگ کی کارروائی

چنانچہ مقررہ دن صبح سویرے اہل روم کے لشکر نے باب الیون کے قلعہ سے نکل کر اپنے سامنے صحرا کا رخ کیا جہاں پر اسلامی لشکر میں شمس سے دو تین میل آگے پڑاؤ کے ہوئے تھے۔ دونوں لشکروں کے درمیان کوئی پانچ، چھ میل کا فاصلہ ہو گا۔ رومی قلعہ سے نکل کر کھلی فامیشن میں مسلمانوں پر حملہ کے لئے تیار ہو کر آگے بڑھ رہے تھے۔ ان کا رخ شمال کی طرف تھا۔ آگے سے اسلامی لشکر نے بھی صف بندی کی۔ اور پھر دونوں لشکر گتھم گتھا ہو گئے۔ اسی دوران مسلمانوں کے وہ دستے، جو مشرق میں مکتم (مقدم) پہاڑی کے چھپے چھپے ہوئے نختے، انہوں نے جناب خریجہ کے ماتحت نعرہ بکبیر کی صدا لگا کر رومیوں کی پھیلی طرف حملہ کر دیا۔ لیکن رومیوں کو اپنی تعداد پر کچھ زیادہ ہی بھروسہ تھا۔ انہوں نے مغرب کی طرف سے کچھ نوح بٹا کر اپنا رخ شمال مشرق کی طرف کر دیا اور مقابلہ کے لئے ڈٹ گئے۔ لیکن اب اس اسلامی دستہ کی باری تھی، جو مغرب میں درختوں میں چھپا ہوا تھا۔ انہوں نے رومیوں کی کھپائی طرف اور بائیں بازو پر حملہ کر دیا۔ نقشہ سوم کے خاکہ میں دوسرا مرحلہ اس تمام کارروائی کی ایک جھلک ہے۔

علا۔ مقدم یا مکتم کی پہاڑی کا نام حضرت نوح کے پڑپوتے مصر کے بیٹے مکتم یا مقدم کے نام پر ہے کہ وہ اس پہاڑی پر آکر کتے تھے۔ اس پہاڑی کا ذکر انجیل مقدس میں بھی ہے اور یہ پہاڑی ہمیشہ مقدس رہی۔ آج کل بھی وہاں بہت بڑا قبرستان ہے جس کا ذکر آگے آئے گا۔

یہ لڑائی اہل روم کو بڑی مہنگی پڑی۔ چہار گوشہ دفاع تو لڑائی کی ایک اہم ضرورت ہے۔ لیکن چونکہ لڑائی لڑنا بڑا مشکل کام ہوتا ہے۔ ایسی لڑائی کسی مقصد کے تحت لڑی جاسکتی ہے۔ اور جس حالت سے رومی دوچار تھے، ان کے لئے صرف ایک ممکنہ مدعا یا طریق کار باقی رہ جاتا تھا کہ چونکہ لڑائی لڑیں ماس طرح کہ سارا زور دے کر عقب کی طرف باب ایون کے قلعہ کے دروازوں تک پہنچنے کی کوشش کی۔ اگر گھبراہٹ توڑ کر داییں یا بائیں نکلے تو مسلمان قلعہ کے دروازوں پر قبضہ کر لیتے رہتے تک سامنے مسلمانوں کی بڑی صفوں کو چیر کر تباہ کرنے والا مقصد تو ختم ہو چکا تھا۔ سمجھنے والی بات یہ ہے کہ لڑائی عمل سے جیتی جاتی ہے اور عمل یہ تھا کہ سامنے والی مسلمان صفوں کو تباہ کر دیا جائے۔ اس عمل یا مدعا کو حاصل کرنے کا وقت گزر چکا تھا۔ حالات تبدیل ہو گئے تھے۔ رومی فوج کا سپہ سالار منذر (مختار) بھیجا کہ آدھی تھا اور قلعہ میں رومی فوج کچھ نہ کچھ موجود تھی چنانچہ منذر نے حکم دیا کہ "پہنچے مڑ کر قلعہ کے دروازہ تک پہنچو اور داییں قلعہ بند ہو جاؤ" اگر تقریباً بیس ہفتی۔ رومی گھبراہٹ میں ایک دوسرے کے اوپر گر رہے تھے۔ صرف ایک فائدہ یہ تھا کہ مسلمان دستے جنہوں نے رومیوں کے عقب پر حملہ کیا تھا۔ ان کی تعداد کم تھی۔ اس لئے منذر فوراً اور کافی رومی قلعہ باب ایون کے دروازہ تک پہنچ گئے اور قلعہ کے اندر داخل ہونا شروع کر دیا۔ رومی فوج کا زیادہ نقصان اہل روم نے کیا جس پر انہوں نے حملہ کیا تھا وہ اب رومی فوج کے عقب میں تھے اور پسپا ہونے والی رومی فوج پر وہ بڑھ بڑھ کر دام کر رہے تھے۔

عین شمس کی لڑائی کے ثمرات

عین شمس کی لڑائی میں رومیوں کا بہت زیادہ نقصان ہوا اور بیس ہزار کے لشکر سے کم از کم چودہ ہزار ہزار آدمی باہر نکلے تھے۔ ان میں سے آدھے بھی واپس نہ جاسکے۔ نقصان کی صحیح تعداد نہیں معلوم ہو سکی اب مسلمانوں نے حضور پاک سے سیکھے ہوئے طریقہ کے مطابق اپنی فتح کے ثمرات وصول کرنے شروع کئے۔ سب سے پہلے انہوں نے شہر معر کی طرف پیش قدمی کی تو اہل شہر نے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیئے ماس طرح دریائے نیل کے مشرق میں باب ایون کے قلعہ کو چھوڑ کر باقی سب علاقے پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ ہمارے اس بصر کے سارے تجربے یہاں آ کر ختم ہو جاتے ہیں۔ جس کے مطابق

جناب عمرؓ نے چار ہزار کے لشکر کے ساتھ قندہ کا محاصرہ کر لیا تھا۔ وہی جو بارہ ہزار اسلامی لشکر پر پل پڑے۔ بعد
 وہ چار پانچ ہزار کے لشکر کو کیسے خاطر میں لاتے بہر حال وہ بمسیر یہاں آ کر رومیوں کی شکست کی ذمہ داری رومیوں
 کو غلط کر توجہ پر ڈال دیتے ہیں۔ اور ہم یہ افسانہ کریں گے کہ جناب عمرؓ کی محترمانہ کارروائی نے روم
 والوں کو کچھ سوچنے کا موقع ہی نہ دیا۔ اور جب رومیوں نے مسلمانوں کو "ساکن" دیکھا تو حملہ کیا لیکن
 جناب عمرؓ متاثر کے لئے تیار تھے۔

اس کے بعد جناب عمرؓ نے دریائے نیل کو پھر عبور کیا اور ہمزہ و منف کے مقامات پر قبضہ کیا
 اور کچھ دستوں کو خشکی والے راستے فیوم بھیجا۔ ان میں ایسے مجاہدین شامل تھے جو فیوم پہلے پہلے
 حربی مظاہرہ کر چکے تھے۔ لیکن رومیوں نے جب فیوم میں عین شمس کی لڑائی کا حال سنا تو
 انہوں نے مسلمان دستوں کو خشکی پر دیکھ کر، اپنی کشتیوں کو دریا میں ڈال دیا۔ دریا نے نیل میں
 تھوڑی تھوڑی طغیانی شروع ہو چکی تھی۔ روم باب ایون سے گزرتے ہوئے ترانہ پہنچ گئے۔
 مسلمان ان کا دریا میں تائب نہ کر سکے۔ لیکن فیوم شہر کے لوگوں نے بھی مسلمانوں کے ساتھ غیر
 مشروط طور پر صلح کر لی۔ اس کے بعد جناب عمرؓ بن عباس نے کچھ دستوں کو شمال میں ڈیلٹا کے
 علاقوں کی طرف بھیجا جنہوں نے عرشہ اور مناف کے شہروں تک کے علاقے پر بھی قبضہ کر لیا۔
 اور مصر کے زرخیز ترین علاقوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔

اب شعبان اور رمضان کے مہینے تھے۔ اذہر اگست کا مہینہ آ گیا اور دریائے نیل میں طغیانی
 بڑھ گئی۔ ڈیلٹا کے دریا پانی سے بھر گئے اور ڈیلٹا کا تمام تر علاقہ دلدل میں تبدیل ہو گیا۔ یہ سیلاب
 یا طغیانی علاقے کے لئے باعثِ رحمت تھی کہ دریائے نیل کی مٹی ہی زرخیزی کا سبب ہے اور اس کا
 پانی ہی فصلوں کی جان ہے۔ لیکن ان مہینوں میں ان علاقوں میں فوجی کارروائی مشکل تھی۔ ان
 حالات میں مسلمان شمال کی طرف کوئی بڑی کارروائی کرنے کے قابل نہ تھے۔ چنانچہ مسلمانوں
 نے باب ایون کا محاصرہ کر لیا۔ گو مسلمان محاصرہ کو پسند نہ کرتے تھے، لیکن اس سے بغیر کوئی اور
 کارروائی نظر نہ آتی تھی۔

باب ایون کا محاصرہ

مسلمان اب محاصرہ بہتر طور پر کر سکتے تھے۔ اب دریائے نیل اور اس کے دونوں کناروں پر مسلمانوں کا قبضہ تھا۔ لیکن باب ایون کوئی معمولی قلعہ نہ تھا۔ کچھ مورخین کے حساب سے اس کے دو دفاع تھے۔ ایک اندرونی اور دوسرا بیرونی۔ یعنی قلعہ کی دیواروں کے باہر ایک کھائی تھی جس کو دریائے نیل کے پانی سے بھرا جاتا تھا۔ خیال ہے کہ جس ہزار کی نفری قلعہ کے اندر نہ سما سکتی ہوگی۔ گو قلعہ کی اونچائی کی وجہ سے کئی منزلیں بنائی جاسکتی تھیں اور ساتھ روئے کا جزیرہ تھا اور وہاں الگ قلعہ تھا اس لئے ممکن ہے کہ جس ہزار کی نفری کو قلعہ کے اندر رکھا جاسکتا ہوگا۔ گو اس وقت نفری کوئی دس ہزار کے قریب رہ گئی تھی۔ کیونکہ کافی نفری قلعہ سے باہر نکل کر ماری جا چکی تھی۔ سیرینی یا دوہرا دفاع تقریباً ہر قلعہ کا جزا ہے۔ کسی کا نزدیک سے اور کسی کو دور دور پکڑوں کی مدد سے۔ بہر حال قلعہ عام طور پر ایک اہم زمین پر ہوتا ہے۔ اور گو آج کل قلعہ جات کا دفاع میں تصور نہیں ہے۔ لیکن اصول وہی ہیں کہ اہم زمین کا بھروسہ اور دفاع کیا جاتا ہے۔ اہم ذرائع اور طریق کار میں تبدیلی آگئی ہے۔ سکندریہ کا گورنریا باجگزار بادشاہ متوسل بھی اس قلعہ میں موجود تھا۔ اور اس قلعہ کی دیواریں تقریباً ساٹھ فٹ اونچی تھیں اور دیواروں کی موٹائی کم از کم آٹھ فٹ تک تھی۔ قلعہ کے دو بہت اونچے برج بھی تھے۔ قلعہ نے زیادہ زمین نہ گھیری ہوئی تھی۔ اس کا طول تقریباً ایک ہزار فٹ کے قریب تھا اور عرض چار سو سے پانچ سو فٹ تک۔ قلعہ کی ایک طرف دریائے نیل بہتا تھا اور جنوبی دروازہ دریائے نیل میں کھلتا تھا۔ وہاں پر چند کشتیاں موجود رہتی تھیں کہ سامنے روئے کے جزیرہ میں آنے جانے میں آسانی ہو۔ وہاں پر بھی ایک چھوٹا سا قلعہ تھا اور اس میں بھی فوج اور کچھ اعلیٰ افسر رہتے تھے۔ اور دفاع کے لحاظ سے وہ بہتر جگہ تھی۔ بہر حال دونوں قلعوں کا آپس میں بہترین رابطہ تھا۔

رومیوں کے پاس کھانے پینے کا کافی سامان موجود تھا اور مسلمان دریا کی پوری ناکہ بندی نہیں کر سکتے تھے۔ پوری چھپے ہوئے رومیوں کو سامان پہنچا سکتے تھے۔ گو مسلمانوں کا دریا کے دونوں کناروں پر قبضہ تھا۔ لیکن دریا کے چوڑے پارے کی دیکھ بھال رات کو مشکل ہو جاتی تھی۔

ع۔ پہلا کتاب بارہویں باب میں انبار کی لڑائی اور چومیسویں باب میں جلولا کی لڑائی میں کھائی

کی وضاحت موجود ہے۔

مقوقس کی صلح کی کوشش

سکندریہ کا گورنر منوقس البتہ کسی طرح سے کوئی سمجھوتہ کر کے وہاں سے نکلنا چاہتا تھا۔ اس کو معلوم تھا کہ مصر کی قبلی آبادی اس کے خلاف ہے۔ اور جو کچھ ان کے ساتھ ہوا تھا اس وجہ سے ان کے دل میں منوقس اور رومیوں کے لئے نفرت تھی۔ منوقس کو کچھ تو اپنی غلطی کا اندازہ ہو گیا تھا اور کچھ شاید اس کو کسی ذریعے سے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ مسلمانوں کا مقابلہ مشکل ہے۔ اس لئے وہ صلح پر تامل ہوا تھا۔ مصر کی قبلی آبادی بھی مسلمانوں کو ناپسند کرتی تھی ان کو معلوم تھا کہ مسلمان کسی کو زبردستی مسلمان نہیں بناتے اور رومیوں کی طرح دوسروں کے عقائد میں دخل اندازی بھی نہیں کرتے۔ چنانچہ منوقس نے مسلمانوں کی طرف صلح کے پیغام بھیجنے شروع کر دیئے۔ منوقس سمجھا رہا آدمی تھا اس نے صلح کی بات چیت کے لئے روم کے قلعہ کو پسند کیا۔ کہ باب الیون میں سارے لشکر کو حالت سے دور رکھا جائے۔ وہاں سے اس نے قبلی لوگوں کے ایک وفد کو مسلمانوں کے پاس بھیجا تاکہ صلح کی کوئی بات ہو جائے۔ مسلمانوں نے اپنی مشہور ترین شہر طیب دہرادیں کہ اول اسلام لے آئے۔ اسلام میں داخل نہیں ہوتے تو جزیرہ دو اور اگر یہ بھی منظور نہیں تو تلوار فیصلہ کرے گی۔ لیکن منوقس نے گزارش کی کہ مسلمان کوئی وفد بھیجیں۔

جناب عباد بن صامت کی سفارت

جناب عمرو بن عاص نے اس کام کے لئے جناب عباد بن صامت کو سفیر مقرر فرمایا۔ ان کا ذکر جناب زبیرؓ کے لشکر کے سلسلہ میں ہو چکا ہے۔ آپ کا قد چھ فٹ سے جس زیادہ اور رنگ کانسی سیاہ تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے دل روشن کر دیا تھا اس وجہ سے ان کے جلال کی یہ حالت تھی کہ ان کو دیکھ کر دشمن کا پناہ شروع کر دیتے تھے اہل روم کو کچھ غلط نہیں بھی ہوئی کہ جناب عبادؓ حبشی النسل تھے۔ بلکہ یہ غلط نہیں دور بھی نہ ہو سکی کہ مغرب مورخین ان کو حبشی ہی کہتے ہیں اور حزرل کعب جیسے ورخ نے بھی ان کو حبشی النسل قرار دیا اور یہ لکھا کہ رومیوں پر رعب پڑ گیا کہ مسلمانوں میں رنگ و نسل کی کوئی تیز نہیں اور ایک حبشی ہی ان کا امیر ہو سکتا ہے۔

جناب عبادہ بن صامت انصاری تھے اور بیعت عقبہ ثانی میں موجود تھے اور حضور پاکؐ نے انصار کے جو بارہ نقیب مقرر فرمائے آپ ان میں سے ایک تھے اور آپ کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا۔ شاہد جلیلی ہونے کا شک مسلم مورخین کے دل میں بھی ہو سکتا ہے کہ ابن اسحاق نے آپ کے حسب و نسب کے سلسلے میں صرف پر دادا نام لکھا اور باقی نقیبوں کی طرح دس بارہ پشتوں کا ذکر نہ کیا۔ اور بعد کے مورخین نے رنگ کی وجہ سے آپ کو کسی انصاری قبیلہ کا حلیف سمجھ لیا اور یہ مشجرہ نسب مکمل نہ تھا۔ بہر حال ابن ہشام نے اپنے اضافوں میں مشجرہ نسب بھی مکمل کر دیا ہے اور اس پر کس شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ بے شک آپ انصار سے ہیں۔

مقوقس کا تجزیہ

مقوقس مسلمانوں کے ساتھ صلح کا خواہاں نذر تھا۔ لیکن وہ آرمینیا کا رہنے والا تھا۔ اور پھر جموں ایشیائیوں کی نفرتی میں آتا تھا۔ رومی جن میں زیادہ یونانی تھے وہ بھی ایک غلط فہمی کا شکار تھے۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں نے شام و فلسطین کو اس لئے فتح کر لیا کہ وہاں ریگستان تھے۔ مہر میں جب دریائے نیل میں طغیانی آجائے گی اور آگے سمندر ہے تو اس علاقے میں مسلمان رومیوں کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ اس لئے انہوں نے مقوقس کو کہا کہ وہ مسلمانوں پر اپنی طاقت کا رعب ڈالے۔ چنانچہ مقوقس نے کہا: تم مسلمانوں کو ابھی اہل روم کی اصل طاقت کے ساتھ واسطہ نہیں پڑا اس لئے بہتر ہے کہ جو کچھ حاصل کیا ہے اس کو لے کر اپنے ملک میں واپس چلے جاؤ۔ ورنہ مسلمان بری طرح شکست سے دوچار ہوں گے۔ اور ہاں، اگر مسلمان واپس جانے پر تیار ہو جائیں تو ان کو ان کے خلیفہ اور امرا کے لئے کچھ تحائف بھی دے دیئے جائیں گے۔

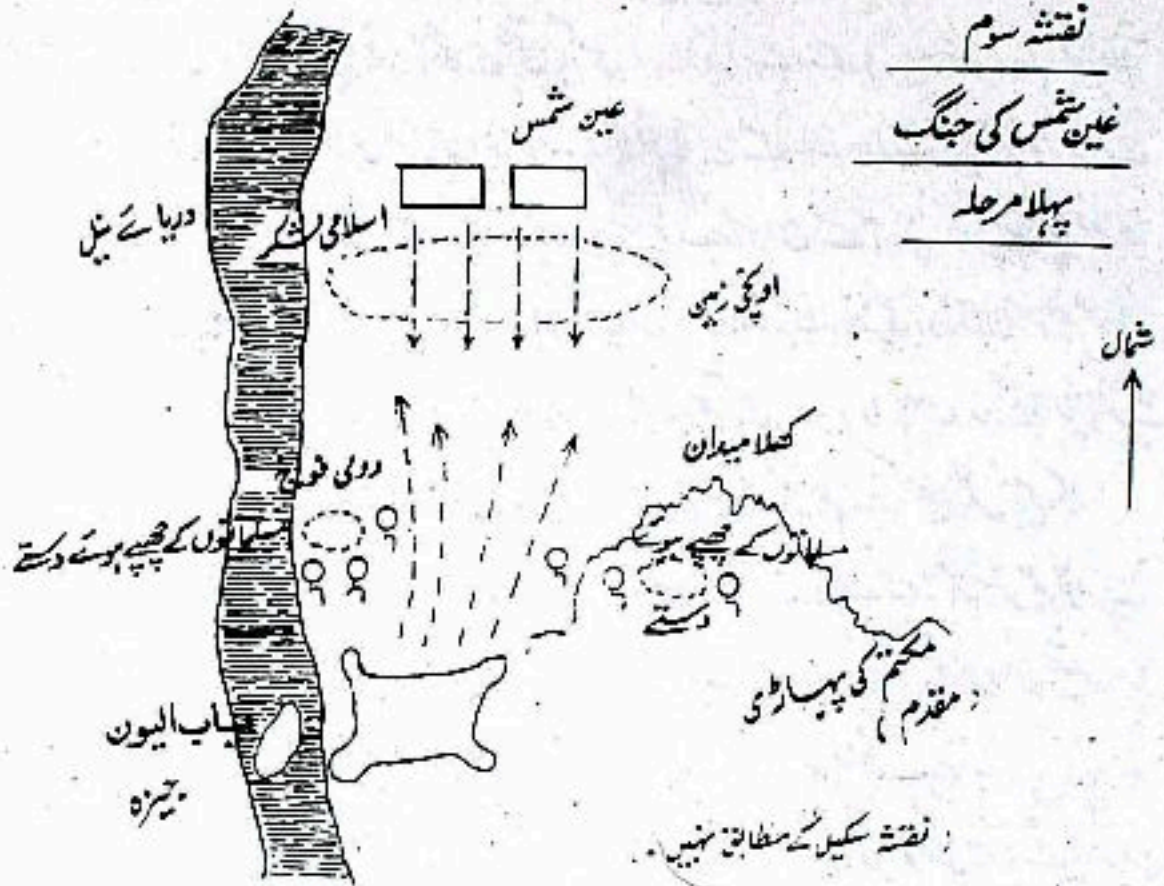
جناب عبادہ بن صامت نے کہا: سنو۔ اے آرمینیا والے! ہم صرف اللہ تعالیٰ کی راہ میں رٹتے ہیں۔ اور دولت کو ہمارے ہاں کچھ حیثیت حاصل نہیں۔ ماس دنیا کی کچھ حقیقت نہیں۔ ہم تو دوسری دنیا یا آخرت کے لئے سب کچھ کرتے ہیں۔

یہ سن کر مقوقس کی رہی سہی دانائی بھی ختم ہو گئی۔ اور چپکے سے اپنے ایک ساتھی کو کہا کہ اللہ

نقشہ سوم

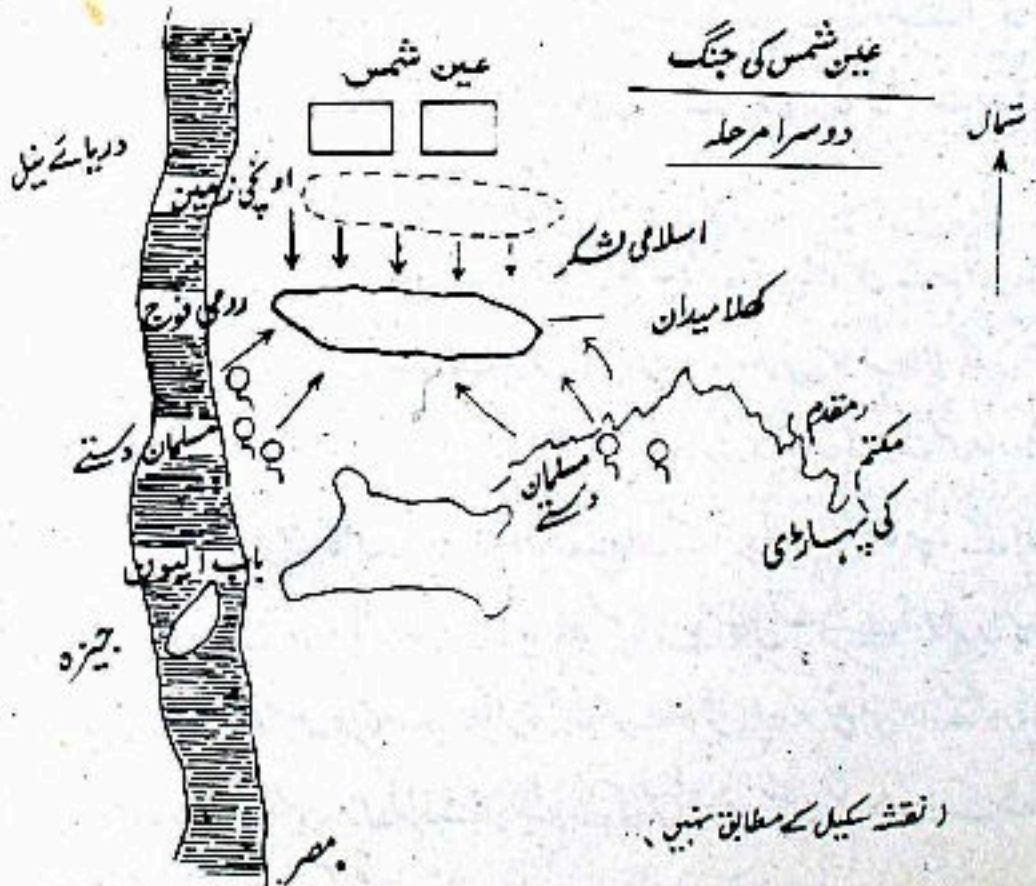
عین شمس کی جنگ

پہلا مرحلہ



عین شمس کی جنگ

دوسرا مرحلہ



تعالے نے ان لوگوں کو دنیا کو تمہیں نہیں کرنے کے لئے بھیج دیا ہے۔
 معلوم ہوتا ہے کہ مقوقس کو کچھ خود اسکا ہی تھی یا کسی عیسائی راہب کے ذریعے آنے والے راتنامت
 کے بارے میں باخبر تھا لیکن ظاہری طور پر اپنا رعب قائم رکھنے کے لئے جناب عبادہ بن عمامت
 کو کہنے لگا: "آپ نے ہمارے لشکر ابھی نہیں دیکھے بہتر یہ ہے کہ ان کے آنے سے پہلے کچھ خفیہ اور
 رقم لے کر یہاں سے چلے جاؤ" اس پر جناب عبادہ بن عمامت نے کہا: "نفری اور تعداد کو ہم کوئی
 وقعت نہیں دیتے۔ ہم تو شہادت کے طلب گار ہوتے ہیں۔ ہم سمجھی ایسی دعا نہیں مانگتے کہ پھر و خیریت
 سے اپنے بیوی بچوں کے پاس پہنچ جائیں۔ اپنی کم تعداد کی ہم نے کبھی فکر نہیں کی۔
 ان کے بعد جناب عبادہ بن العمامت اٹھ کھڑے ہوئے اور زور سے کہا: "کہ منوہم تو صرف
 ان تین شہداء کے قائل ہیں، جو ہمارے سپہ سالار نے آپ کے وفد پر واضح کر دی تھیں۔
 میں تو صرف یہ پوچھنے آیا ہوں کہ تمہیں ان تین میں سے کون سی شرط منظور ہے۔"

اب تو مقوقس کی طبیعت بالکل صاف ہو گئی۔ لیکن اس کے رومی ساتھی حوصلہ میں تھے اور وہ
 صلح پر تیار نہ تھے ورنہ مقوقس تو جزیہ دینے پر تیار تھا چنانچہ مقوقس نے ان کو راہ راست پر لانے
 کی ترکیب سوچ لی اور جناب عمرو بن عاص سے چار دن کی مہلت مانگی۔
 لیکن جناب عمرو بن عاص نے فرمایا کہ مسلمان صرف تین دن کی مہلت دیتے
 ہیں اور اس فیصلہ پر طاقی تین دن کے لئے رک گئی۔

کچھ مریضین نے ایک اور کہانی بھی کہی ہے کہ جناب عمرو بن عاص ذاتی طور پر مقوقس کے ساتھ بات
 کرنے گئے تھے۔ اور رومی سپہ سالار منذ نور نے ایک تجویز بنا لی کہ جب مسلمانوں کا سپہ سالار قلعہ سے
 باہر نکل رہا ہو تو ایک بڑا پتھر اس کے سر پر پھینک دیا جائے تاکہ یہ ظاہر ہو کہ اس کی موت کسی حادثہ
 کی وجہ سے ہوئی ہے۔ لیکن جناب عمرو بن عاص رومیوں کی باتوں سے ان کے مکر و فریب کو جانپ گئے اور
 انہوں نے رومیوں کو کہا کہ وہ اپنے تمام امرا کو قلعہ دکھانا چاہتے ہیں کہ یہ ناقابلِ تسخیر ہے اور پھر واپس
 چلے جائیں گے۔ رومیوں نے سوچا کہ اس طرح سب امرا کو تہ تیغ کرنے کا بڑا اچھا موقع مل جائے گا وغیرہ
 واللہ اعلم بالصواب ہمارے پاس ایسی رومی شہادت کو جھٹلانے کی کوئی وجوہ نہیں۔ کہ وہ میروں نے شام
 کی جنگوں میں دغا بازی کرنے کی کوشش کی تھی۔

جنگ میں داؤ یا دھوکے کی اجازت ہے۔ لیکن بد عہدی اور دغا بازی کی اجازت نہیں۔ دوسرے اور بد عہدی میں فرق سمجھنا ضروری ہے۔ دھوکا ایک چال یا داؤ بھی ہو سکتا ہے۔ جو جنگ کے طریق کار کا حصہ ہوتا ہے اور جنگی کارروائی میں شامل ہوتا ہے کہ دایاں ہاتھ دکھانا اور دایاں ہاتھ مارنا وغیرہ لیکن دغا بازی یا بد عہدی اپنے اصول اور وعدہ کی خلاف ورزی ہوتی ہے اور دشمن اس کی توقع نہیں کرتا ہوتا۔ مسلمان اس اصول پر سختی سے قائم رہتے تھے۔ غیر اللہ کہتے ہیں کہ جنگ اور محبت میں سب کچھ جائز ہے۔

بہر حال اگلے ابواب میں سکندریہ کی جنگ کے سلسلہ میں جناب عمر بن عباس کے بارے ایک اور کہانی بھی آئے گی کہ ایک دفعہ وہ کس طرح گھیرے میں آگئے اور وہاں رومی وعدہ پر قائم رہے اس نے ہمیں اس کہانی پر یقین نہیں آ رہا۔ اور شاید مقوقس بھی اتنا گیا گزرا ہوا آدمی نہ تھا۔

رومیوں کا ایک اور حملہ

تین دن جنگ بند رہی۔ جو تھے دن رومیوں نے سوچا کہ بے خبری میں مسلمانوں پر حملہ کر دیا جائے کیونکہ شاید وہ جنگ کے بند ہونے سے کچھ سست ہو گئے ہوں گے۔ چنانچہ رومیوں نے قلعہ سے باہر نکل کر محاصرہ کرنے والی فوج پر حملہ کر دیا۔ مسلمان چوکے تھے۔ جیسے ہی رومی باہر نکلے، انہوں نے سب کو تہ تیغ کر دیا اور بڑی مشکل سے چند لوگ جان بچا کر واپس قلعہ میں پہنچے اور قلعہ کا دروازہ بند کر دیا۔ رومیوں کو عین شمس کی لڑائی اور اس حملہ سے بھی ایک فائدہ حاصل ہو گیا تھا کہ ان کے اتنے آدمی مارے گئے کہ قلعہ کے اندر جو خوراک باقی تھی وہ اب باقی جانوروں کے لئے زیادہ غرس کے لئے کافی تھی۔ اور گورومیوں میں اب رٹنے یا حملہ کرنے کی سکت باقی نہ رہ گئی تھی۔ لیکن اب وہ زیادہ دیر تک محصور ضرور رہ سکتے تھے۔

مقوقس کی سکندریہ کو روانگی

مقوقس نے آخری چال کے طور پر جزیرہ دینہ پر رومانی فوجیں بھیج دیں۔ لیکن ساتھ ہی یہ گزارش کی کہ معاہدہ تب ہوگا جب قیصر روم سے اس کی منظوری مل جائے۔ مسلمان اس بات پر راضی ہو گئے۔ چنانچہ مقوقس یہ شرائط لے کر باب الہرن سے کشتی کے ذریعے دریائے نیل کو استعمال کرتے ہوئے سکندریہ

روانہ ہو گیا اور وہاں پہنچ کر ایک تاسد کے ذریعے برقیل کو حالات سے آگاہ کیا اور معاہدہ کی منظوری کی درخواست کی۔ مغربہ ہونے کے مطابق برقیل نے مقوقس کو سکندریہ سے قسطنطنیہ بلا لیا اور وہاں نہ صرف اس کو برطرف کر دیا بلکہ اس کی سخت بے عزتی کی کہ اس نے مسلمانوں کے ساتھ جنگ کی حکمت عملی صحیح نہیں بنائی اور مصر کی قبلی رعایا کے ساتھ بھی اچھا سلوک نہیں کیا۔ ورنہ مسلمان اس طرح سارے مصر کے دل پر اتنی جلدی نہ چھا جاتے۔

ویسے برقیل سنجیدہ آدمی تھا اور مغربی مورخین یا مبصرین کی یہ رائے کہ برقیل نے حالات کی ساری ذمہ داری مقوقس پر ڈال دی، کچھ صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ برقیل کے تدبیر پر ہم دوسری کتاب میں سپر حاصل تبصرہ کر چکے ہیں۔ اور اس کتاب کا شاید ہی کوئی ایسا باب ہو جس میں برقیل کی تجاویز کا تجزیہ نہ پیش کیا گیا ہو۔ اور اس میں ہمارے لئے بڑے سبق ہیں کہ مسلمانوں کا دشمن کوئی معزلی آدمی نہ تھا۔ برقیل کی یزوجرو کے دادا خسرو پرویز کے خلاف کامیابی تاریخ عالم کی ایک کامیاب ترین مثال ہے اور ایک فیصلہ کن حکمت عملی ہے۔ برقیل بڑا حقیقت پسند آدمی تھا۔ اسلام کو بھی سمجھ گیا تھا اور اسلام قبول کرنے پر بھی تیار ہو گیا تھا جس کا ذکر دوسری کتاب میں موجود ہے۔ لیکن حسب دنیا اور حسب مصلحت کے آگے ہتھیار ڈال دیئے اور دین نظرت میں داخل نہ ہوا۔ تو اس نے مسلمانوں کے خلاف تمام ڈائیروں میں اعلیٰ پایہ کے تدبیر اور مہارت کا مظاہرہ کیا۔ لیکن مسلمانوں کی فراست کے سامنے اس کا تدبیر اور اس کی طاقت دونوں مار کھائے۔ یہ کہہ کر مسلمان عشقِ حق کے دلوں سے سرشار تھے۔

عشقِ نوردل و نگاہ کا مرشد ایں ہے عشق - عشق نہ ہو تو شرع و دین بشکوہ تصورات ؟

راقباً

لیکن بوڑھے برقیل نے بستر مرگ پر بھی اپنی سلطنت کو سہارا دینے کی کوشش کی اور معاہدہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اور ایسا کرنے کے لئے مقوقس کو برطرف کرنا ضروری ہو جاتا تھا۔ دراصل برقیل مصر کو اس طرح اپنے ہاتھوں سے جانا دیکھنے کے لئے تیار نہ تھا۔ مسلمانوں کی کارروائیوں نے اس کو حیران کر دیا تھا۔ وہ تدبیر سے خالی نہ تھا۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ باب الیون پر قبضہ کرنے کے بعد سارا مصر مسلمانوں کے پاؤں تلے آ جائے گا اور اہل روم سکندریہ میں بھی نہ ٹھہر سکیں گے۔

ہرقل کی موت

چنانچہ معاہدہ کے تسلیم نہ ہونے کی خبر جب مصر پہنچی تو مسلمانوں نے محاصرہ اور سخت کر دیا۔ لیکن ہرقل زیادہ دیر زندہ نہ رہ سکا۔ صفر ۳۱ ہجری میں وہ مر گیا۔ مغربی مورخین کے حساب سے اس دن گیارہ فروری ۶۲۸ء عیسوی تھی۔ اور ہم اس حساب کتاب کو صحیح سمجھے ہیں۔ جن بعض نے ہرقل کی موت سکندریہ کے محاصرہ کے زمانے میں بتائی ہے۔ ان کا خیال کچھ صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ وہ لگ بھگ بتاتے ہیں کہ مقررہ ہی سکندریہ میں موجود تھا۔ ہرقل نے اگر مقررہ کو برطرف کر دیا تھا تو اس کی زندگی میں وہ سکندریہ کیسے واپس آ جاتا تو ان کا زمانہ و مکان کا یہ حساب بھی صحیح نہیں بنتا۔ صحیح یہ ہے کہ مسلمانوں نے انیس ہجری کے آخری ہیمیزوں میں باب ایون کا محاصرہ کیا۔ صفر میں محاصرہ کو کئی دن چلے گئے کہ ہرقل مر گیا۔ تو ظاہر ہے ہرقل باب ایون کے محاصرہ کے وقت ہی مرا تھا۔

باب ایون کی فتح

مسلمانوں نے ہرقل کے مرنے کی خبر ربيع الاول ۳۱ ہجری میں سنی اور باب ایون کی فضا میں سے نعرہ تکبیر سے گونج اٹھیں۔ مسلمانوں نے بہت اونچی بیڑھیاں بنوائی تھیں اور اب ضرورت اس بات کی تھی کہ ان بیڑھیوں کو اچانک قلعہ کے سامنے لے جایا جائے۔ اور کچھ مجاہدین بارش کا پہلا قطرہ بن کر ان بیڑھیوں کی مدد سے قلعہ کے اوپر چڑھ جائیں۔ چنانچہ جناب زبیرؓ نے بارش کا پہلا قطرہ بننے کے نئے شہادت پر بیعت کی۔ اس سے پہلے بھی مجاہدین اسلام شہادت پر کئی دفعہ بیعت کر چکے تھے۔ سب سے پہلے صحابہ کرامؓ نے جنگ احد میں شہادت پر بیعت کی اور اس کے بعد جنگ جبر اور جنگ یرموک میں بھی ایسے واقعات پیش آئے۔ جن کا ذکر پہلی اور دوسری کتاب میں ہو چکا ہے۔ چنانچہ مجاہدین نے جناب زبیرؓ کی قیادت میں ساکنہ فٹ اونچے قلعہ کے ساتھ اچانک تیزی سے بیڑھیاں لگا کر اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔ تلواریں سب کے ہاتھوں میں تھیں۔ اور مجاہدین قلعہ کے اوپر پھرتے پھرتے پہنچ گئے اور جو سامنے آیا۔ اس کو تہ تیغ کر دیا۔ رومیوں نے دائیں بائیں سے تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ لیکن ایک دفعہ مجاہدین قلعہ پر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے تو ان

کی تعداد بڑھتی ہی چلی گئی۔

چند لمحوں کے بعد جب قلعہ کے اوپر والے پشتوں سے نعرہ بھجیر کی صدا گونجنے لگی تو رومی سالار نے زقیار ڈال دیئے۔ مورخین نے یہ نہیں لکھا کہ یہ سالار منذ فور تھا یا کوئی اس کا نائب تھا۔ بہر حال فیصلہ یہ ہوا کہ رومی تمام بھتیاز قلعہ میں چھوڑ دیں گے اور اپنے ذاتی سامان کے ساتھ تین دن کے اندر اندر باب ایون کو خالی کر دیں گے اور کسی اور سامان یا چیز کو ناکارہ نہ کریں گے۔ اور اس طرح مسلمان نہ صرف باب ایون پر قابض ہو گئے بلکہ وہ مہر کے ذریعہ علاقوں کے ایک بہت بڑے حصے کے مالک بن گئے۔ اور وہاں کا سول انتظام سنبھال لیا۔ مہر کے قبلی مسلمانوں کی آمد سے خوش تھے اور انہوں نے مسلمانوں کے بر حکم کو بسر و چشم تسلیم کیا۔ مسلمانوں نے بھی منصور پورٹ کھے ہدایت کے مطابق قبلیوں کے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کیا۔ اس طرح معمولی لڑائیوں سے مسلمانوں کا کل بارہ ہزار کا لشکر مہر کے ایک بڑے حصے پر قابض ہو گیا۔

نتائج و اسباق

۱۔ اب تک ملک مہر میں جو کارروائیاں ہوئیں ان کے مکمل نتائج اگلے باب میں ظاہر ہوں گے کہ اس کے بعد رومی سکندریہ میں بھی نہ ٹھہر سکے۔ البتہ لڑائیوں کے فوری نتائج بھی بڑے اہم تھے۔ کہ مسلمانوں نے مہر کے ذریعہ علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اب مہر کشتیوں کے ذریعے بحرہ قلزم کے ساتھ ملاپ ہو گیا تھا۔ اور ایک طرف جدہ اور دوسری طرف مدینہ شریف کے سلسلے جہیزہ کے مقامات کے ساتھ مہر کا مندری راستہ کھل گیا تھا۔

۲۔ نقشہ چہارم جو اگلے باب میں سکندریہ کی طرف پیش قدمی کے لئے بنایا گیا ہے۔ وہاں پر قلزم اور سوئس جمیل بطر اور جمیل طلسہ دریائے نیل کے ایک حصہ کے ساتھ نہر طراجن کے ذریعہ سے بلیم کے مقام پر ملے ہوئے تھے، اور پرانے زمانے میں عرب ممالک کے ساتھ اسکی نہر کے ذریعے تجارت ہوتی تھی اس میں کچھ مٹی پڑ گئی تھی اور جب دریائے نیل میں طخیانی ہوتی تھی تو ان دہروں اس کے ذریعے جہاز رانی میں آسانی ہوتی تھی۔ لیکن جناب عمر بن عاص نے اس سے مٹی نکلا دی اور مکہ و مدینہ کا باب ایون سے رابطہ قائم ہو گیا۔ جناب ذہبی نے جو راستہ استعمال کیا اور جسے نقشہ اول و نقشہ دوم میں دکھایا گیا ہے۔ وہ قلزم

سے سیدھا میں شمس آلتا تھا۔ یہ اونٹوں کے قائلوں کا راستہ تھا۔ تو اس طرح اب دورا سے بن گئے۔

۲۔ بحیرہ قلزم کے دونوں کناروں پر اب مسلمانوں کے جھنڈے لہانے لگے۔ ایک طرف ملک عرب

کو بحیرہ قلزم کی طرف سے کوئی خطرہ باقی نہ رہ گیا تھا۔ دوسری طرف رومی اس قابل نہ رہے تھے کہ فرما
کی بندرگاہ کو استعمال کر کے فلسطین کے ساحل پر کوئی کارروائی کریں۔

۳۔ سب سے اہم نتیجہ یہ تھا کہ سکندریہ اب صرف بندرگاہ ہی رہ گیا تھا۔ اندرون علاقے کا غدار،

جو سکندریہ سے باہر جاتا تھا، اس کی زیادہ مقدار ان علاقوں میں پیدا ہوتی تھی جہاں پر مسلمانوں

کا قبضہ ہو گیا تھا۔ اور یہی حالت کپاس کی تھی۔ اہل روم کو چھوڑ کر جنیوا اور ونیس کے سوداگر بھی

سخت تذبذب میں تھے کہ یورپ میں افریقہ یا مصر سے کوئی کام کی چیز نہیں لے جاسکتے تھے اور نہ

یورپ سے کوئی چیز سکندریہ لاسکتے تھے۔ اس طرح اندرون ملک کے ساتھ تجارت ختم ہو گئی۔

۵۔ مصر کے کئی مقامات ہمارے لئے مقدس ہیں۔ ہمارے پیغمبر حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت

موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ وغیرہ سب مصر میں تشریف لے چکے تھے یا مصر کے ساتھ وابستہ رہے تھے۔

ام المؤمنین حضرت ہاجرہؑ کا تعلق بھی مصر سے تھا حضرت اسمٰعیلؑ، حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ کی

اولاد بھی یہاں آباد رہی۔ ان پیغمبروں کی صحیح پیروی کرنے والے ہماری ہی طرح دین حنیف کو مانتے

تھے۔ مسلمان مجاہدین نے ان بزرگ ہستیوں کے ساتھ وابستہ مقامات کی زیارت کر کے روحانی تسکین

حاصل کی۔ ہمارے جد امجد حضرت ابراہیمؑ کے مقامات خانہ کعبہ، اودھ عراق میں کوئی کے مقام

اور مصر کا دورہ وغیرہ ازل کے روز ہی سے ہمارے دین کی وسعت کو ہم پر آشکارا کرتے ہیں۔

اور مصر کے علاقوں کی فتح کے بعد ہر جگہ دین حنیف کی صدا بلند ہونی شروع ہو گئی۔

۶۔ جہاں تک اسباق کا تعلق ہے وہ ساتھ ہی بیان کر دیے گئے ہیں۔ پہلے حکمت عمل کو یوں کر

ضرورت کے مطابق مشورے کے ساتھ تجویز بنائی کہ بسم اللہ فلسطین کی طرف سے ہرگز لیکن آگے

مرکز مدینہ بن جائے گا اور وہاں سے مکہ پہنچنے کے بعد بھرپور کارروائی شروع کی جائے گی۔ اس سے

اہل روم یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ مسلمان پہلے سکندریہ کی طرف پیش قدمی کریں گے یا مصر کے مرکز پر حملہ آور

ہوں گے۔ یعنی اس طرح دشمن کو اپنے ارادوں کے بارے میں اندھیرے میں رکھا گیا اور جنگ میں

یہ نائدہ حاصل کر لینا بڑا اہم ہوتا ہے۔

۷۔ اب ذرا آگے بڑھیں۔ جناب عمر بن عامر کے پاس کل چار یا پانچ ہزار مجاہدین تھے۔ اہل روم
 زمانہ یسعیب۔ عین شمس باب الیون، مصر، جزیرہ صقلیہ اور نیرم کے مقامات پر فوج رکھے ہوئے تھے
 جس کی کل تعداد چورہ یا پندرہ ہزار سے کم نہ ہوگی۔ پھر مقتوس اور منذ نور بھی دس ہزار کلنگ لے کر
 پہنچ گئے۔ لیکن جناب عمر بن عامر کے متحرک دستوں کے خلافت کوئی کارروائی یا رد عمل نہ کرے۔
 متحرک طرز جنگ کا بڑا فائدہ یہی ہوتا ہے کہ دشمن کو رد عمل کا موقع نہیں مل سکتا۔ لیکن اس طوفانی کار
 تجویز آسان نہیں ہوتی اور اس پر عمل پیرا ہونا بھی کافی مشکل ہوتا ہے۔ بہت زیادہ مجزی۔ پھرتی اور
 حربی خوبیوں کی ضرورت بھی ہوتی ہے اور یہ سب کچھ کسی مقصد کے تحت ہوتا ہے۔ جناب عمر بن
 عامر اس طرح حربی کارروائیاں کر کے ایک طرف دشمن پر رعب ڈال رہے تھے۔ دوم انہوں نے ہر
 چونکہ کے دشمن کو نلغہ بند کرنے پر مجبور کر دیا۔ یعنی دشمن کو ساکن و دفاع پر مجبور کر دیا اور یہی بڑی کامیابی تھی
 ۸۔ یہ سب کچھ کرنے کے بعد پڑاؤ۔ نب اختیار کیا، جب دفاعی جنگ اور متحرک دفاعی جنگ رٹنے
 کی صورت پیدا ہو گئی۔ مسلمان ہمیشہ دفاع سے حملہ پیدا کرتے تھے۔ حکمت عملی کے طور پر بھی وہ پہلے
 مدافعتی کارروائیاں کرتے تھے اور ان سے جارحانہ کارروائی پیدا کرتے تھے۔ جیسے حضور پاک نے تین
 سال کی مدافعتی کارروائیوں میں سے جارحانہ کارروائیاں پیدا کیں۔ اور تدمیرات کے بلور پر بھی ٹری
 بڑی جنگوں یعنی تادیب اور یرمک میں دفاع میں سے حملہ پیدا کیا وہ شروع میں کسی جگہ پر حملہ کرتے تھے
 جب کامیابی کا پکا یقین ہوتا تھا۔ لیکن عام طور پر وہ دشمن کو مجبور کر دینے تھے کہ وہ پہلے ان پر حملہ کرے اور
 پھر اس کا مار روک کر اس کو ختم کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ عین شمس کے سامنے اونچی زمین پر پڑاؤ میں یہی
 مستند تھا کہ دشمن کو حملہ کے لئے مجبور کر دیا۔ پھر اس کو ایسا شمس نہیں کیا کہ اگر باب الیون کا نلغہ وہاں نہ ہوتا
 تو رطانی کا فیصلہ اسی دن ہو گیا ہوتا۔

۹۔ مسلمان محاصرو اور ساکن جنگ کو پسند نہ کرتے تھے۔ انہوں نے باب الیون کا محاصرہ بہت مجبور ہو کر کیا
 اور محاصرہ ایسے وقت کیا جب اردگرد کے تمام علاقوں میں دشمن کا سفایا کر دیا۔ محاصرو کی قسموں کے خاص مطالعہ
 کی ضرورت ہے ساج کل بھی نلغوں کی جگہ مضبوط چوکیاں ہوتی ہیں۔ وہاں اپنا سر پھرنے کی جگہ ان جگہوں
 پر دیکھو برال والا محاصرہ کیا جائے اور ان لوگوں کو مجبور کیا جائے کہ وہ پوزیشن سے تھل کر کوئی رٹائی لڑیں
 یا بخیر ڈال دیں۔ مسلمان محاصرہ اگر کرتے ہیں تو اس کو طول دیتے اور اس قلعہ یا مضبوط پوزیشن پر ہرگز

دار اس وقت کرتے جب محاصرہ تک آپکے ہوتے۔

۱۰۔ بہت ہی کم فوج کے ساتھ مسلمانوں نے مصر کے بڑے حصے پر قبضہ کر لیا۔ ان میں ریگستان کا استعمال اور طرفہ پیش قدمی صحیح وقت اور جگہ پر رابطہ یعنی زماں و مکاں کا حساب کتاب اسلامی فلسفہ حیات پر عمل، علمائے کبار کی جزائیاتی واقفیت، زمین کا استعمال اور بحری وغیرہ کے برہنوں کی داد دینا پڑتی ہے۔

۱۱۔ ان میں امارت کی زچاہت تھی اور نہ یہ تصور تھا کہ کون امیر ہو جناب زبیر بن عوام اسلام لانے والے اولین مسلمانوں میں سے تھے۔ وہ عشرہ مبشرہ میں شامل تھے۔ لیکن آپ نے جناب عمرؓ کے عاس کے ماتحت خوشی سے ہم کیا۔ بلکہ بارش کا پہلا قطرہ بننے پر تیار ہوئے۔ ان عظیم مسلمانوں کے کردار میں ہمارے لئے بڑے سبق ہیں۔

۱۲۔ جناب عباد بن مسامت کی مقررگی کے ساتھ گنگو میں ہمارے لئے ایک لائحہ عمل موجود ہے۔ وہ غیرت مند مسلمان تھے اور اللہ کی راہ میں اپنی جان کو تقیلی پر رکھے ہوئے تھے۔ اور آئیے ہم ان سے کچھ سبق سیکھیں۔

۳۔ موصداقت کے لئے جس دل میں مرنے کی تڑپ

پہلے اپنے پیکرِ خاکی میں جان پیدا کرے
(اقبال)

دوسرا باب

سکندریہ کی فتح

پچھلے باب میں وضاحت کر دی گئی تھی کہ دریائے نیل جہاں پر آ کر چھوٹے چھوٹے دریاؤں میں بٹنا شروع کر دیتا ہے، اور جہاں آج قاہرہ آباد ہے، وہاں پر مسلمانوں کے قبضہ کر لینے کے بعد مصر کی قسمت کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ بے شک اہل روم کے لحاظ سے سکندریہ بڑی اہم جگہ تھی، لیکن سکندریہ کی یہ اہمیت اہل روم کے لئے فتنی مسلمان مصر کی اہم جگہوں پر قبضہ کر چکے تھے اور سکندریہ اب پکے ہوئے پھل کی طرح ان کی دھوئی میں گرنے والا تھا۔ لیکن فتح کو قائم رکھنے کی تیاری کی ضرورت بھی ہوتی ہے اور اتنے علاقوں پر قبضہ کیا جائے، جن کا دفاع بھی کیا جاسکے۔ مغربی جنگی ماہرین بھی ہمیں یہ سبق سکھلا چکے ہیں کہ فتح سے شکست نکلتی ہے اور ایسی شکست بڑی خطرناک ہوتی ہے۔

اسلامی لشکر ڈیلٹا کے مغربی دریا کے کنارے کے ساتھ پیش قدمی کر کے کسی دلت بھی سکندریہ کا محاصرہ کرنے کے قابل نہ تھے۔ لیکن سکندریہ ایک بہت ہی مضبوط بحری چھاؤنی یا چوکی تھی اور سارے علاقے میں اپنی مثال آپ تھی۔ پیرسلا ریشتر جناب عمر بن عباس سمیت کئی مجاہدین سکندریہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے اور اب مصر کے قبیلوں سے مزید اطلاعات و خبریت حاصل کر لی گئی تھی۔ مسلمانوں کو قساریہ کے محاصرہ کا بھی تجربہ تھا کہ کسی قلعہ بند بندرگاہ پر قبضہ کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اور پھر سکندریہ کی ایک طرف سمندر تھا اور دوسری طرف ایک جھیل، خشکی کے ساتھ سکندریہ کا ملاپ مغرب اور مشرق میں دو جگہوں پر تھا۔ لیکن ان دونوں جگہوں کے درمیان جھیل تھی۔ فرما کی بندرگاہ کا سکندریہ کے ساتھ کوئی مقابلہ نہ تھا۔ گو نقشہ دیکھنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دریائے نیل کے ڈیلٹا کے مشرقی علاقوں کی تکمیل فرماتا ہے اور مغربی علاقوں کی سکندریہ۔ اور اگر فرما پر آسانی سے قبضہ کر لیا گیا تو سکندریہ کے لئے اتنی فکر مندی کیوں تھی۔ تو بات یہ

تھی کہ دونوں میں زمین و آسمان کے برابر فرق تھا۔

سکندریہ کو فتح کرنے سے پہلے کچھ اور ضروریات بھی تھیں کہ سکندریہ کا گلا "بھینچ" یا جائے اور وہ اپنی موت آپ مر جائے۔ پھر سکندریہ کی فوج مسلمانوں کے سامنے ہتھیار ڈال دے۔ ایسا کرنے کے لئے باقی ڈیلٹا کے ذریعہ علاقوں پر بھی قبضہ ضروری تھا۔ اور اگر تمام ڈیلٹا کے علاقوں پر قبضہ کر لیا جاتا تو کچھ عرصہ کے بعد سکندریہ ولسے ہتھیار ڈال دیتے۔ لیکن اس پر کئی سال بھی لگ سکتے تھے۔ اور جب تک سکندریہ کے لوگوں کو اہل روم کی طرف سے کھانے پینے کی چیزیں مہیا ہوتی رہتی، وہ سکندریہ میں ڈٹے رہتے۔ سکندریہ اس زمانے میں دنیا کا ایک عظیم شہر تھا۔ لوگ بہت امیر تھے اور دنیا میں زندگی کی جتنی سہولتیں اس زمانے میں موجود تھیں، وہ سب سکندریہ کے لوگوں کو میسر تھیں۔ ڈیلٹا کے تمام شہروں پر قبضہ کرنا تو زیادہ مشکل نہ تھا۔ گوجک بگد دل دل تھی۔ لیکن ڈیلٹا کے علاقہ پر قبضہ قائم رکھنے کے لئے بہت زیادہ فوج اور چوکیوں کی ضرورت تھی۔ اور جب تک سکندریہ دشمن کے ہاتھوں میں رہتا، ان چوکیوں کے لئے خطرات موجود رہتے۔ اور مسلمانوں کی طاقت منتشر ہو جاتی۔

مسلمانوں کی رواداری

مسلمانوں نے مصر کو فتح کرنے کے بعد اپنے فلسفہ حیات کا عمل مظاہرہ کیا۔ اور ان کی رواداری نے مصر کے مظلوم قبطی قوم کو ان کا گردیدہ بنا لیا۔ کہ ان کے انصاف بہترین تھے اور انصاف پسندی کی ایسی مثال لوگوں نے سنی بھی نہ ہوگی۔ البتہ جناب عمرؓ جن خاص اس سے بھی بڑھ کر کچھ ایسی کارروائیاں بھی کرنا چاہتے تھے جن کو آج کل ہم نفسیاتی کارروائیاں کہتے ہیں کہ لوگوں کے دلوں اور دماغ پر چھایا جانا۔ چنانچہ انہوں نے ایک دعوت کا بندوبست کیا، جس میں کچھ قبطی امرا کو دعوت دی گئی۔ اس دعوت میں صرف اونٹ کا گوشت پیش کیا گیا۔ جس کو مسلمان امرانے تو خوب مزے سے کھایا۔ لیکن قبطی امرا لذیذ کھانوں کے عادی تھے۔ اونٹ کا گوشت ان کے حلق سے نیچے نہ اتر سکا۔ یہی حال مسلمانوں کی روٹیوں کا تھا کہ وہ سخت تھیں۔ تو قبطی لوگوں نے خیال کیا کہ یہ لوگ صرف ایسی ہی غذا کے عادی ہیں۔ لیکن جناب عمرؓ نے چند دن کے بعد ایک اور دعوت کا انتظام کیا۔ اور انہی پرانے مہانوں کو مدعو کیا۔ ملاوہ کھانے بھی بڑے لذیذ پکائے گئے۔ قبطی

یہ دیکھ کر حیرانہ ہو گئے کہ مسلمانوں نے وہ لذیذ کھانے بھی غام کھانوں کی طرح کھائے۔

جناب عمرو کی تقریر

جب کھانا ختم ہوا تو جناب عمرو نے ایک تقریر کی کہ اہل مصر کو شاید یہ غلط فہمی ہو کہ ہم مغرب لوگ ہیں اور جہان دنیا کی لذتوں سے نا آشنا ہیں۔ نہیں! ایسی بات نہیں۔ ہم لذیذ سے لذیذ کھانا پکانا بھی جانتے ہیں اور کھانا بھی۔ ہم مل کر پاکیزگی کے ساتھ ایک برتن میں کھلتے ہیں کہ ہمارے آقا حضرت محمد کا فرمان ہے کہ کھانا وہ لذیذ ہوتا ہے جس میں زیادہ ہاتھ پڑیں۔ ہمارے کھانوں میں لذت ہمارے اتحاد و اتفاق اور مل کر کھانے کی وجہ سے ہے۔ ہم بس یاد خوردی کو پسند نہیں کرتے اور نہ پیٹ کی غلامی کرتے ہیں کہ ہمارے آقا کا فرمان ہے کہ مسلمانوں کا ایک پیٹ ہوتا ہے اور کافر کے سات پیٹ ہیں وہ ہے کہ ہم ایرانیوں کو شکست دے چکے ہیں۔ اور اہل روم کو شام و فلسطین سے بھگا چکے ہیں۔ اس تقریر کا بڑا اثر ہوا۔

شہروں میں پرہیز

اس دعوت کے ایک آدھ دن بعد جناب عمرو بن عاص نے حکم دیا کہ سب مجاہدین اپنے اپنے بھتیروں سے ایسے ہو کر ہر شہر کے بازاروں میں سے نعرۂ تکبیر کی صدا بلند کرتے ہوئے گزریں گے۔ یہ حربی مظاہر تھے اور گورنی مظاہروں کی تاریخ بڑی پرانی ہے اور مصر میں تو فرعون مسوک کے زمانے سے ایسے حربی مظاہر سننے میں آتے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کا طریقہ نالا تھا۔ ان کی تلواروں کی دھاریں بڑی تیز تھیں اور ان کے نیوے بڑے ہلکے پھلکے تھے۔ جب وہ مجاہد نعرۂ تکبیر کی صدا لگاتے ہوئے بازاروں سے گزرے تو مصر کے شہری حیران رہ گئے۔ اس کے بعد جناب عمرو بن عاص نے اہل مصر کے سامنے ایک اور تقریر کی اور کہا کہ ہم ہر وقت جنگ کے لئے تیار رہتے ہیں۔ مصر کے مغرب کھانے اور آب و ہوا ہم میں کوئی تبدیلی نہ پیدا کر سکے گی۔ اور تم لوگ یہ غلط فہمی اپنے دل سے نکال دو۔ کہ مغرب مسلمانوں نے قبائے ملک کو فتح کر لیا ہے۔ ہم اللہ والے ہیں اور یہ سب فتوحات اللہ کے لئے ہیں۔ اور اسی کی طرف سے ہیں۔ ہم سب کام اللہ تعالیٰ کی خوشخوردی کے لئے کرتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہمیں فتوحات نصیب کر رہا ہے۔

مصری اسلام کی آغوش میں

اور جناب فاروق اعظم کی خوشی

روایت ہے کہ اہل مصر میں سے کئی لوگ ان واقعات کے بعد اسلام کی آغوش میں داخل ہو گئے بلکہ جہاں جہاں یہ خبریں پہنچتی گئیں، لوگ خوشی سے جوق درجوق آغوش اسلام میں داخل ہونا شروع ہو گئے۔ طبری کے مطابق جناب فاروق اعظم کے پاس جب ان واقعات کی خبر پہنچی تو وہ جناب عمرؓ بن عاص سے بڑے خوش ہوئے اور فرمایا: "خدا کی قسم اس کی جنگ نرم ہوتی ہے مگر اس کی کاٹ بہت سخت ہوتی ہے" اور پھر آپ نے فرمایا کہ عمرؓ بن عاص مہر یا کسی علاتہ کی عملداری کے لئے بڑا موزوں شخص ہے۔

اہل روم اور ان کے جانشینوں کی سازش

اہل روم نے اس زمانے میں مشہور کر دیا تھا کہ عرب لوگ مہر پر اس لئے حملہ آور ہو رہے ہیں کہ وہ منکرِ دولت پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں لیکن جب مہروں نے دیکھا کہ مسلمانوں کے ہاں مساوات ہے اور وہ مال و دولت کو اکٹھا کرنے کو ناپسند کرتے ہیں۔ ہر چیز اصول کے تحت ہوتی ہے، تو اس وجہ سے بھی کسی مصری اسلام کی آغوش میں داخل ہو گئے۔

تبصرہ

اہل روم یا ان کے جانشینوں کی یہ سازش اب بھی جاری و ساری ہے۔ ہمارے زمانے میں سرخامس آرنلڈ کو "سر" کا خطاب اس لئے دیا گیا کہ پہلے تو وہ عربوں کی تاریخ کا ماہر بن کر سامنے آیا یعنی ایک بہت بڑا "اورینٹالیسٹ" (ORIENTALIST) بنا۔ پھر ایک نظریہ پیش کیا کہ عربوں کی تمام ترقی و ترقیات اس وجہ سے نہ تھیں کہ وہ مسلمان تھے بلکہ اس وجہ سے تھیں، کہ وہ بھوکے تھے اور زرخیز علاقوں پر چلے پڑے۔ پھر اس نظریہ میں کسی اور مورخین کو اپنے ساتھ ملا کر کتابوں کی کتابیں لکھ ڈالیں۔ اور اب ساری

دنیا "مالیات" اور "مادیات" کے چکر میں چپن چکی ہے ہم بھی روٹی، کپڑا اور مکان کے نعرے لگاتے پھرتے ہیں اور ہمارے سکولوں میں پڑھایا جاتا ہے کہ دنیا میں تمام تر جھگڑا "کچھ ہونے اور کچھ نہ ہونے" کا ہے۔

یہ بڑی افسوسناک سازش ہے۔ اہل یورپ کی اپنی جھوک تو الگ کہانی ہے اور اس کا سرسری اشارہ یاتم نے کلاسٹرز کے فلسفہ جنگ کے حصہ اول کے تاریخی عوامل کے مضامین اور پہلے باب کے ایک تبصرہ میں پیش کر دیا ہے کہ اہل یورپ نے کس طرح دنیا کو لوٹا اور اب بھی لوٹنے میں مصروف ہیں۔ اور اس صدی کی جنگوں کی ایک وجہ اس لوٹ کا حسد تھا۔ جنرل گلبل البتہ اپنے تعصب کے باوجود آرنلڈ کے ساتھ اتفاق نہیں کرنا اور کہتا ہے کہ اگر واقعات کو اندر سے جھانکا جائے، تو مسلمانوں کی فترحات ان کے بہتر فلسفہ حیات کی وجہ سے تھیں۔ اور اسی چیر سے اہل مہرٹے متاثر ہوئے۔ جناب عمر بن عباسی بھی تھے اور عینی بھی بھلا گئی ایسے ایسے لفظی بھی تھے جو کسی زمانے میں یمن میں آباد ہو گئے تھے۔ شام و فلسطین کے علاقے کے لوگ بھی تھے اور یونان یا یورپ کے باقی علاقوں کے لوگ بھی۔ جناب عمرو بن عاص کا خدمت گار تھا۔ ورنہ یونانی تھا اور جنگ یرموک کے بعد دائرہ اسلام میں داخل ہوا تھا۔ چنانچہ جب اہل مصر نے دیکھا کہ مسلمانوں میں کوئی اونچ نیچ نہیں، کوئی قومیت کا جھگڑا نہیں۔ سب ایک برتن میں کھاتے ہیں اور ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہوتے ہیں تو ان کے دل میں اسلام کے لئے اور کشش پیدا ہو گئی۔ اور وہ آہستہ آہستہ مسلمان ہونے شروع ہو گئے۔

سکندریہ کی فتح کی تجویز

جب مصر کے مفتوحہ علاقوں میں حالات اتنے اچھے ہو سکے تو قوجی حکمت عملی کے طور پر پیش رفت کی ضرورت تھی۔ چنانچہ جناب عمر بن عاص نے سکندریہ کی فتح کے لئے سوچنا شروع کر دیا۔ کیریکو بارشوں کا موسم آنے والا تھا۔ دریاؤں میں طغیانی سے سارا راستہ دلدل ہو سکتا تھا اور حرکت محدود رہ جاتی تو اس سے مسلمانوں کا سب سے بڑا ہتھیار منخرک طریقہ جنگ پر خراب اثر پڑتا۔ سکندریہ کی فتح میں دیر کی جاتی تو رومی بحری بیڑہ فرما کی بندرگاہ پر دوبارہ قبضہ کر لیتا اور مسلمانوں کا فلسطین

سے ملاپ ختم ہو جاتا۔ بلکہ فرما سے آگے بڑھ کر اگر رومی نہر طراجین (نہر امیر المومنین) یا جھیل طلستہ تک بھی آسکتے تھے اور مسلمانوں کا رابطہ مدینہ شریف سے ٹوٹ جاتا۔ اس لئے اگر سکندریہ جلدی فتح نہ بھی ہو سکتا تو اس کے دروازے کھٹکھٹانے کی لازماً ضرورت تھی، کہ اہل روم کوئی عمل کرنے کی بجائے روم پر حملہ کر لگے رہیں۔ اور اس اہم اصول پر عمل کرنا بہت ضروری ہے۔

اس کے علاوہ ایک اور فوجی ضرورت بھی تھی کہ سکندریہ کی مکمل ناکہ بندی کی جائے تاکہ اس کے نزدیک کے ڈیٹا کے علاقوں کا غلبہ یا پیداوار بھی وہاں نہ پہنچ سکے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ فرما کی فتح کے بعد مسلمان ڈیٹا کے علاقوں کی دلدل میں نہیں پھنسا چاہتے تھے۔ یادہ دریاؤں کو بار بار عبور کر کے اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتے تھے۔ نقشہ دوم میں جہاں ان کی پیش قدمی کو مصر اور باب ایون کی طرف دکھلایا گیا تھا وہاں ایک فوجی آنکھ کو نظر آجاتا ہے کہ باب ایون کی فتح کے بعد مسلمان سکندریہ پر حملہ دریاؤں کے نیل کے مغربی دریا کے مغربی کنارے کے ساتھ پیش قدمی کر کے کریں گے اور اہل روم کو بھی یہ بات معلوم تھی۔ لیکن ہم نے مسلمانوں کی اس متوقع تجویز کو نقشہ چہارم میں الگ طور پر اس لئے ظاہر کیا ہے کہ اولاً غلبہ دوم سے اجازت لینا تھی۔ اور دوم حکمت عملی کے تحت یہ دوسرا مرحلہ تھا اور اس کو الگ دکھانا ضروری تھا۔ تاکہ تمام حکمت عملی ایک دوسرے میں گڈامڈ نہ ہو جائے۔ اس طرز بنی کار کو اپنانے کا ایک بڑا نامہ یہ تھا کہ مسلمان اپنے دوست یگستان کو بائیں ہاتھ پر رکھ کر پیش قدمی کر سکتے تھے۔ اور سکندریہ کے نزدیک پہنچنے کے بعد سکندریہ کا رابطہ ڈیٹا کے متعدد علاقوں سے خود بخود ٹوٹ جاتا تھا۔ یہ فسی حکمت عملی جس کے تحت مسلمان مصر کو آخر میں اسلام میں لانا چاہتے تھے۔ لیکن اس تجویز کی منظوری جناب فاروق اعظمؓ سے لینے کی بھی ضرورت تھی۔ کیونکہ مسلمان انراج اب دو کی بجائے تین محاذوں پر برسرِ پیکار تھیں اور اصلی حکمت عملی کا تعین تو مدینہ شریف میں ہو رہا تھا۔

علا۔ یہ نہر جو نقشہ چہارم میں دکھائی گئی فرامینہ مصر کے زمانے میں بھی تھی۔ اس کے بعد مٹی سے بھر گئی اور روم کے بادشاہ طراجین Trajan نے اس کو بنوایا تو اس کے نام سے مشہور ہو گئی تھی۔ اب حضرت عمرؓ کے حکم سے کھوئی گئی تو نام نہر امیر المومنین پڑ گیا۔

خلیفہ المسلمین کی حکمت عملی

تو چیلے اپنے ان بیانات کے آنے ہانے ملانے کے لئے مدینہ النبی میں حاضر ہی جاتے۔ تاریخین با جب کبھی مدینہ شریف جانے کا ذکر ہو تو اپنے آقا حضرت محمد مصطفیٰ اصل اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام ضرور بھیجا کر دے۔ روایت ہے کہ جناب عبداللہ بن عمرؓ نے بہت لمبی عمر پائی۔ اور عبدالملک بن مروان کا زمانہ بھی دیکھا تھا۔ کبھی مکہ میں ہوتا تھا۔ کبھی مدینہ میں اور کبھی اذر علاقوں میں بھی تشریف لے جاتے تھے لیکن جب کبھی مدینہ تشریف لے جاتے تھے تو سب سے پہلے حضور پاک کے روضہ مبارک پر حاضر فرمادیتے تھے اور عرض کرتے تھے۔ اسلام علیک یا رسول اللہ پھر کہتے تھے اسلام علیک یا ابرک صدیق، اسلام علیک یا عمر فاروق۔ بزرگوں کی برادری اور ادائیگی ہمارے لئے نشانِ راہ ہیں۔ بزرگوں پر سلام بھیجنا یا ان کو یاد کرنے سے اپنے ایمان کو تقویت پہنچتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک میں واقعات کے علاوہ جنگ جگہ اللہ فرماتا ہے کہ یاد کرو حضرت آدم کو یاد کرو حضرت نوح کو اور حضرت ابراہیم کو یعنی سب پیغمبروں کا ذکر بار بار آتا ہے۔ اس فلسفہ کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ روح زبہ رہتی ہے اور بزرگوں کے ساتھ روحانی تعلقات قائم رکھنے ضروری ہیں۔ گویا ایک الگ کتاب کا مضمون ہے۔

اب ذرا خلیفہ دوم کی فوجی حکمت عملی کا مطالعہ کریں نقشہ پنجم میں مسلمانوں کے تینوں محاذوں کی نشاندہی کر دی گئی ہے، کہ کس جگہ کیا کچھ ہو رہا تھا۔ تاکہ یہ پتہ چل سکے کہ تمام تر حالات کیسے تھے۔ ایران و عراق کے محاذ پر اسلامی لشکر جلوہ کو فتح کرنے کے بعد جلوان تک پہنچ چکے تھے اس سے آگے نہ ہانڈ کا پہاڑی علاقہ شروع ہو جاتا تھا۔ جنوبی ایران کے محاذ پر خراسان اور اعرانہ کے علاقے فتح ہو چکے تھے۔ آگے صوبہ فارس شروع ہو جاتا تھا جس سے آگے ایرانی بلوچستان اور مگھوں کے لیے چوڑے ریگستانی علاقے تھے۔ ان سب علاقوں کی فتوحات کا ذکر گو پہلی کتاب میں ہو چکا ہے۔ لیکن ہم اس وقت ۲۰ ہجری کی بات کر رہے ہیں۔ اور "زماں" کے لحاظ سے فتح نہانڈ وغیرہ کے واقعات بعد میں ہونے تھے۔ اس لئے تاریخین کو یہ سمجھنا مقصود ہے کہ کس وقت کہاں کیا ہوا تھا۔

ایک طرح شام کے تمام تر میدانی اور ریگستانی علاقوں پر قبضہ ہو چکا تھا اور آگے اناطولیہ یا انطاکیہ کے پہاڑ تھے۔ جزیرہ کے علاقے کے نزدیک آرمینیا اور کاکیشیا کے پہاڑی علاقے تھے۔ ان سب علاقوں میں رومی موجود تھے۔ اور وہ کھڑے دیکھ رہے تھے کہ کوئی موقع ملتا تو آئے تو وہ مسلمانوں پر پل پڑیں۔ ساحلی علاقوں پر تیار یہ کامحاصرہ کافی دیر رہا اور اس کی فتح کے بعد شام و فلسطین کے ساحل پر مسلمانوں کا قبضہ ضرور تھا۔ لیکن مسلمانوں کے پاس کوئی بحری طاقت یا بڑی کشتیاں نہ تھیں کہ وہ ساحل سے ذرا زیادہ گئے بڑھ کر سمندری علاقوں کی دیکھ بھال کریں۔ البتہ خلیج فارس، خلیج عقبہ اور یمن کے علاقوں سے کافی ملاح مجاہدین، علامہ شام میں جناب امیر معاویہ کے پاس پہنچ چکے تھے۔ لیکن وہ اپنی بزرگاہوں میں ایک جگہ سے دوسری جگہ یعنی بیروت سے تیار یہ وغیرہ اپنے ساحل پر ہی کشتیاں اور جہاز چلاتے تھے۔

جناب معاویہ البتہ قبرص (CYPANUS) اور رودس (RHODES) کے بزیروں پر حملہ کرنا چاہتے تھے۔ جب تک ان جزائر پر قبضہ نہ کیا جاتا مسلمان شام و فلسطین کے ساحل پر بے فکر ہو کر نہ بیٹھ سکتے تھے۔ رومی خطرہ بر وقت سر پر منڈلا رہا تھا۔ جناب عمرو بن عباس جلد سے جلد سکندریہ پر قبضہ کرنا چاہتے تھے کہ مصر میں جو کچھ حاصل ہو چکا تھا اس علاقہ پر قائم و دائم رہنے کے لئے ایسا ضروری تھا اب ان حالات میں نقشہ پنجم کا مطالعہ کر کے جناب عمرو بن عباس کی مزاح کا اندازہ لگائیں۔ خاص کر مشرقی محاذ کے حالات، جو پہلی کتاب میں بیان ہو چکے ہیں، ان کو دہرائیں کہ بیزروں اس وقت تک زندہ تھا۔ اور نہ بادند کے مقام پر ایک بہت بڑا ایرانی لشکر تیار ہو رہا تھا تاکہ مسلمانوں سے ایران و عراق کے علاقے چھین لئے جائیں۔ اہل روم، شام کے ملک کو لپٹاؤ نظروں سے دیکھ رہے تھے اور ہم سکندریہ کو حاصل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

ملک فتح کرنے تو آسان ہوتے ہیں۔ لیکن فتوحات کو قائم رکھنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ پہلی اور دوسری کتاب میں مغزول مفکروں اور جنگی ماہرین کی اس کوشش پر سیر حاصل تبصرو کیا جا چکا ہے کہ وہ فتح کے اختتامی مقام کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ لیکن آج تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکے۔ بلکہ فتح کو قائم رکھنے کا کوئی فلسفہ بھی پیش نہیں کر سکے ہیں نہ اس کی تلاش میں انہیں کوئی کامیابی ہوئی ہے۔ جنرل فلر کا ذکر دوسری کتاب میں کیا گیا تھا کہ اس نے دنیا کی سینکڑوں سے زیادہ جنگوں کو فیصلہ کن جنگیں قرار دیے

کرتین کتاب میں لکھیں۔ ان جنگوں نے تاریخ پر اثرات ضرور چھوڑے۔ لیکن وہ سب وقتی اور تھوڑے عرصہ کے لئے تھے۔ وہ کسی فلسفہ یا نظریہ کو قائم نہ رکھ سکے۔ کہ اول ایسی جنگیں کسی فلسفہ کے تحت نہیں لڑی گئی تھیں۔ اور اگر باطل فلسفہ کے تحت کوئی جنگ لڑی جی گئی تو اس فلسفہ کے اثرات مٹ گئے۔ انیسویں صدی میں مشہور جرمن جنگی ماہر کلاہسٹرن نے اول حملہ کے ابتدائی مذاکرے تلاش کیا۔ لیکن کسی چیز پر پہنچنے کے بغیر۔ ہند انسانوں کے اور اپنی ساتویں کتاب کے پانچویں باب میں شامل کیا اور لکھا کہ بیان نامکمل ہے۔ اس کے مرنے کے بعد اس کے بستر سے کچھ تحریریں ملیں۔ جس میں عنوان فرخ مسکو اختتامی مقام تھا۔ اس کی بیگم نے اس باب کو جن کلاہسٹرن کی ساتویں کتاب کے بیسویں باب میں شامل کر دیا۔ یہ بھی نامکمل کوشش ہے۔ نتیجے سے شکست نکلتی ہے۔ وغیرہ

حضرت عمرؓ کی سوچ

حضرت عمرؓ ان تمام معاملات کا تجزیہ کئے ہوئے تھے۔ وہ نہ چاہتے تھے کہ فتح کے بیچ سے شکست پیدا ہو۔ یا فتح کو قائم نہ رکھا جاسکے۔ اور وہ اس سلسلہ میں فکر مند بھی ہو جاتے تھے اور ان نثرجات کو قابو میں رکھتے یا مرحلہ در مرحلہ بڑھنے کی وجہ سے یہ نتوجات آج بھی قائم ہیں۔ اس سلسلہ میں چوتھی کتاب میں مکمل تجزیہ پیش کیا جائے گا۔ بہر حال ان مرحلوں در مرحلوں تجزیہ اور ترجیحات کو مد نظر رکھتے ہوئے جناب عمرؓ نے امیر معاویہؓ کو بحری جنگ کی اجازت نہ دی۔ کہ اس کا وقت ابھی نہیں آیا تھا۔ لیکن مورخین نے نا سمجھی کی وجہ سے یہ تبصرہ کر دیا کہ حضرت عمرؓ بحری جنگ سے کزمتے تھے (نعوذ باللہ)۔ یہی جناب عمرؓ اسلام کو خشکی پر محدود کرنا چاہتے تھے؟ نہیں ایسی کوئی بات نہ تھی۔ یہ زماناں وہاں کا معاملہ تھا کہ ابھی وقت نہ آیا تھا۔

اسی طرح حضرت عمرؓ ایران کے پہاڑی علاقوں میں بھی مکمل طور پر اس وقت پیش قدمی کرنا چاہتے تھے، جب بیماری مکمل ہو جائے۔ جنوب میں زیادہ کامیابیاں ہو جائیں اور مغرب میں مصر

علاؤ قارئین اس کا کلاہسٹرن کے فلسفہ جنگ کے حصہ سوم کی کتاب میں جو اردو ترجمہ ہے۔ سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

بھی مکمل طور پر فتح ہو جائے تو پھر ایران کے وسطی علاقوں اور بعد میں شمالی علاقوں میں پیش قدمی کی جاسکتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب ایرانی نہادند کے قریب اکٹھے ہوئے تھے تو آپ نے فرمایا کہ کاش اس وقت ایران اور ہمارے درمیان ایک لوہے کی دیوار ہوتی۔ اور کچھ مہینے لکھا کہ آپ نے فرمایا کہ اہل ایران اور ہمارے درمیان آگ کا دریا ہوتا۔ واللہ اعلم۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو ہمارے لحاظ سے یہ بات اس وقت کے تھے فقی کہ جناب عمرؓ جن حالات سے دوچار تھے ان کے لحاظ سے اس وقت وہ اپنے اور ایران کے درمیان کوئی رکاوٹ دیکھنا پسند کرتے تھے۔ کہ ایک وقت میں حرف ایک۔ محاذ پر ہی بھرپور کارروائی ہونا چاہیے تھی۔ دوسری کتاب میں اس پہلو کی خوب تر وضاحت کی گئی ہے اور اس کتاب کے آخری باب میں واقعات کو تسلسل کے ساتھ بیان کرنے میں مقصد یہی تھا کہ خلیفہ راشدین کی حکمت عملی کی سمجھ آ جائے کہ کس طرح وہ ایک محاذ پر جب بھرپور کارروائی کرتے تھے تو دوسرے محاذ پر صرف دیکھ بھال اور تیاری کی کارروائیاں کی جاتی تھیں۔

لیکن اسلامی سلطنت میں اب وسعت بہت زیادہ آچکی تھی اور دو کی بجائے تین محاذ بن گئے تھے جناب فاروق اعظمؓ کسی وقتی دیوار کے لئے دعا بھی مانگے تھے اور ساتھ تینوں محاذوں پر تیاری بھی شروع تھی۔ کہ ایسی دیواروں کو بعد میں پاش پاش بھی کرنا تھا اور اپنے زمانے میں پاش پاش کیا بھی۔ آپؓ صرف وقت متفرک دیتے تھے۔ نہادند کے محاذ پر تیاری شروع تھی۔ شام و فلسطین کے محاذ پر بحری جنگوں کی تیاری ہوتی تھی۔ اور سکذریہ کی فتح یا محاصرہ کچھ آسان نظر آ رہا تھا۔ اس لئے اس کی اجازت دے دی۔ لیکن انیسویں کا مقام ہے کہ مولانا شبلیؒ جیسے عالم دین بھی ان حالات کو نہ سمجھ سکے اور فیروں کی سازش والی بات کو اپنی کتاب کا حصہ بنا دیا۔ اور لکھ گئے کہ جناب عمرؓ ایران کے علاقوں میں اپنی فتوحات کو روایتی عرب علاقوں تک محدود کرنا چاہتے تھے۔ اور غزلیوں کو اپنا ہم قوم کہتے ہوئے ان کو ایرانیوں کے خلاف ابھارا۔ (نعوذ باللہ)

متنبہ

یہ الفاظ بڑے افسوسناک ہیں مگر جناب عمرؓ کبھی بھی ایسے الفاظ یا خیالات بنا ابھار نہ کرتے کوئی شاید آگے بڑھے کہ مسلمانوں کے طور پر ایسے لفظ کہے مگر ہم اس کو بھی تسلیم نہیں کرتے۔ مصیبت کی

کوئی حد ہوتی ہے مصلحت میں اپنے فلسفہ حیات اور عقائد کی نفی کی اجازت نہیں رہا سارے لحاظ سے ”نہ“
مسلمانوں کے ہاتھ سے ہر کے منہ پر شکست کھا چکے تھے اور فتح مکہ کے بعد سارے عرب مسلمان ہو گئے
تھے ہم اپنے آپ کو عرب ایرانی یا مصری کہنے کے چکر میں نہیں ڈالنے اور نہ ہی یہ ماننے کو تیار ہیں کہ
حضرت عمرؓ اپنے آپ کو عرب کہتے تھے ان کی نھتیاں سے کافی لوگ اسلام کی آغوش میں دیر سے داخل
ہوئے۔ تو اس کا بھی حضرت عمرؓ کو افسوس تھا اور جنگ یرموک میں جناب علیؓ کی شہادت کے وقت۔
جناب خالدؓ کے یہ الفاظ ثبوت ہیں کہ اب تو ہماری بہن کے بیٹے کو ہم سے راضی ہونا چاہیے کہ ہم اس
طرح اسلام کے نئے قربانی سے رہے ہیں قرآن کی دلچسپی کے لئے لکھا جاتا ہے کہ جناب علیؓ جناب عمرؓ
کے ماموں کے بیٹے تھے اور جناب خالدؓ جناب عمرؓ کی والدہ کے چچا زاد بھائی تھے۔ چنانچہ ہمارے لئے
سارے رشتہ اللہ اور رسولؐ کی وجہ سے ہیں اور بہتر ہو گا کہ ہم مغیروں کے فلسفوں کے غلام نہ
ہیں۔ جب حضرت عمرؓ کی نھتیاں اسلام لے آئے تو وہ ان کے رشتہ دار بن گئے۔

اپنی ملت پر قیاس انوار مغرب سے نہ کر خاص سے ترکیب میں قوم بسوئل ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک رنہ پر انحصار قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری (تبادل)

اسلامی لشکر کی پیش قدمی

چنانچہ حضرت عمرؓ فاروقؓ سے اجازت ملنے کے بعد جاوی النافی یار جب میں ہجری میں جناب عمروؓ
خاص سکندریہ کی طرف روانہ ہو گئے مدینہ شریف سے مکہ بھی پہنچ گئی اور راستہ وہ استعمال کیا گیا جو
نقشہ چہارم میں تجویز کے طور پر دکھایا گیا ہے۔ البتہ پیش قدمی کرنے سے پہلے ایک عجیب و غریب واقعہ
پیش آیا۔

فاخرتہ کی سپہ سالار کے خمیمہ میں پناہ

جب پیش قدمی کا وقت نزدیک آیا اور خمیمہ اتارنے کا بندر لیست شروع ہوا تو معلوم ہوا

کہ جناب عمرو بن عاص کے خیمہ کے جوڑوں میں ایک ناخستہ نے اٹھ سے دس دیتے ہیں چنانچہ جناب عمرو
بن عاص نے حکم دیا کہ وہ خیمہ اسی طرح وہاں رہے گا بلکہ جو لوگ وہاں رو رہے تھے ان کو حکم دیا کہ وہ
اس کی حفاظت بھی کریں گے اور خیمہ تب اٹھیں گے جب ناخستہ کے انڈوں سے بچے نکل کر اڑتے
ہیں۔ اس بار روائی میں انصارِ مدینہ کی عزت انزالی تھی کہ انہوں نے حضور پاکؐ اور مہاجرین کو شرب
بہ پناہ دی تھی اور اس کے بعد ہر مسلمان پر یہ فرض ہے کہ جب بھی کوئی اس سے پناہ مانگتا ہے یا اس کی
پناہ اختیار کرتا ہے تو اس کی حفاظت کی جائے۔ کچھ مغربی مورخین نے جناب عمرو بن عاص کی اس کارروائی
کو پرانی عرب روایات کی نقل کا نام دے دیا کہ عربوں میں یہ روایت تھی کہ اگر کوئی خرخرار بھیڑ یا بھیڑا کر
ان کے پاس پناہ لے تو اس کو پناہ دی جاتی تھی۔

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ عربوں میں ایسی روایت ضرور ہو گئی لیکن اسلام میں کسی خرخرار بھیڑیے کو پناہ لینے
کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ کمزور اور ضرورتن والے کو پناہ دی جاتی ہے۔ نہ کہ قاتل کو۔ بلکہ اسلام میں ترقیوں
اور ظالموں کے قلع قمع کرنے کا حکم ہے۔ بہر حال مثال بڑی اچھی تھی۔ لیکن ہمیں یہ یاد رہے کہ غیر ہمیں اپنی علاقائی
روایتوں کی یاد دلا کر ہمارے اصلی وحدت والے نصب العین سے دور رکھنا چاہتے ہیں۔ ہمیں ہر وقت اپنی
وحدت کا خیال کرنا چاہیے۔

منفعت ایک ہے اس ترم کی نقصان بھی ایک

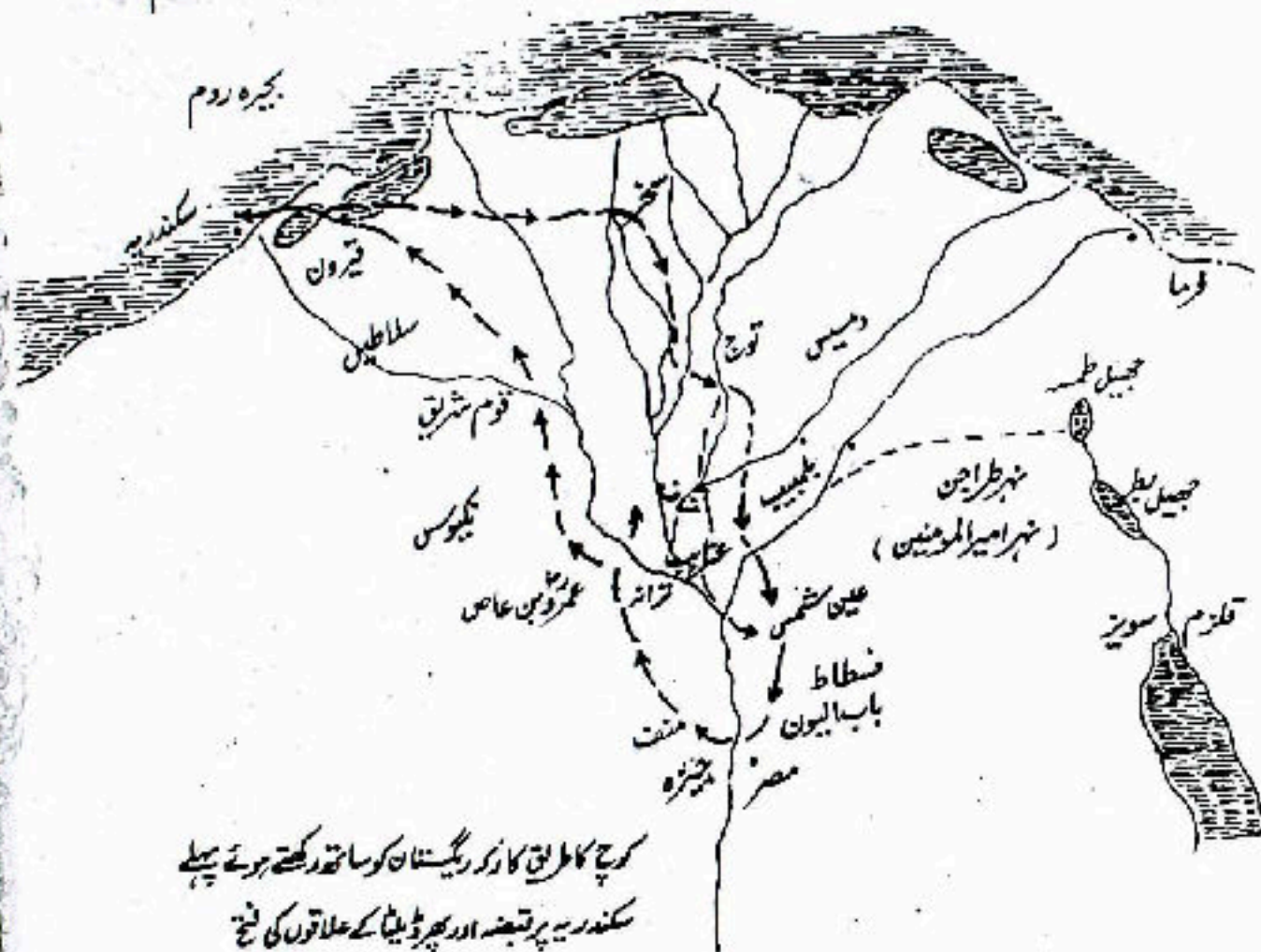
ایک ہی سب کا نبی، دین بھی، ایمان بھی ایک

(اقبالؒ)

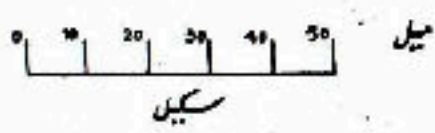
ایک ناخستہ کے بارے میں مسلمان سپہ سالار کے یہ احکام سن کر اہل مصر حیران ہو گئے کہ یہ
لوگ بڑے عظیم ہیں کہ کمزور کا استا خیال رکھتے ہیں۔ چنانچہ اور لوگ بھی جلدی سے اسلام
کی آغوش میں داخل ہو گئے۔ روایت ہے کہ معرکہ لوگوں نے جتنا جلدی اسلام میں داخل ہونا شروع
کیا اور کسی ملک میں لوگ اسلام میں اتنی تیزی سے داخل نہیں ہوئے۔ اور حضور پاکؐ بھی فرما گئے تھے کہ
قبیلوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا کہ وہ دشمنوں کے خلاف بھی تمہاری مدد کریں گے اور موجودہ نسلاط
کی چھڑنی اسی خیمہ والی جگہ پر ہے اور اسی وجہ سے اس نام سے موسوم ہے۔

نقشہ چہارم :- اسلامی لشکر کی سکندریہ کی فتح اور ڈیلٹا پر

قبضہ کا رخ اور نہر طراجن



کوچ کا طریق کار اور ریگستان کو ساتھ رکھتے ہوئے پہلے
سکندریہ پر قبضہ اور پھر ڈیلٹا کے علاقوں کی فتح



قسطنطنیہ

اب ذرا قسطنطنیہ کے حالات کا جائزہ بھی لیا جائے، ہرقل بیس ہجری میں مر گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا قسطنطین (CONSTANTINE) قیصر روم بن گیا۔ لیکن ہرقل کی دوسری بیوی، جو اس کی بیٹی تھی یا بھانجی تھی، وہ اپنے بیٹے ہرقل کو تخت پر بٹھانا چاہتی تھی۔ ہرقل کی اس بیوی مارٹینا کو لوگ پسند نہ کرتے تھے کہ ہرقل نے اس کے ساتھ شادی پادریوں کی اجازت کے بغیر کی تھی اور اس کے بیٹے ہرقل کی عمر پندرہ سال تھی۔ ہرقل کے مرنے کے بعد اس کا بڑا بیٹا قسطنطین، جس کی عمر تیس سال تھی، اور اس کو آگستس کا خطاب بھی مل چکا تھا، تخت نشین ضرور ہوا۔ لیکن ساڑھے تین ماہ بعد جمادی الثانی بیس ہجری میں مر گیا۔ لیکن مرنے سے پہلے مقوقس کو واپس سکندریہ بھیج گیا تھا۔ اور کچھ مودعین کے لحاظ سے وہی گورنر تھا۔ اور کچھ کا خیال ہے کہ وہ صرف آئج بشپ یعنی بڑا پادری ہی تھا۔ یہ بھی روایت ہے کہ قسطنطین نے جنرل منذ فور کو بھی سکندریہ سے بلایا اور اس کے ساتھ مشورہ کیا

بہر حال قسطنطین کے مرنے کے بعد مارٹینا اپنے بیٹے ہرقل کو تخت پر بٹھانے میں آدھی کامیاب ہوئی کہ کچھ لوگ قسطنطین کے رٹ کے اور ہرقل کے پوتے قسطنطین (CONSTANTINE) جس کی عمر بارہ برس تھی، کو تخت نشین کرنا چاہتے تھے اور وہ اس میں کامیاب بھی ہو گئے، لیکن چونکہ قسطنطین (CONSTANTINE) کو تخت میں حصہ داری مل گئی اس طرح ہرقل کوئی کام قسطنطین کے مشورہ کے بغیر نہیں کر سکتا تھا۔ گورنر نے اپنے مرنے سے پہلے سکندریہ کے دفاع پر رازدور دیا تھا۔ اور وہ مصر میں مزید ملک بھی بنا چاہتا تھا لیکن یہ ملک مصر میں جمادی الثانی بار جب کے ہمسینہ میں پہنچی۔ کیونکہ تخت کے دریا لکوں کی وجہ سے افزائش برپا تھی۔

مسلمانوں کی تجویز

مسلمانوں نے سکندریہ پہنچنے کی تجویز بنالی تھی اور وہ رولوں دوالتے۔ جمادی الثانی کا ہمسینہ تھا۔ یعنی ادھر تھی یا جوں کا ہمسینہ تھا اور دریاؤں میں طغیانی نہیں آئی تھی۔ مسلمان طغیانی سے پہلے سکندریہ

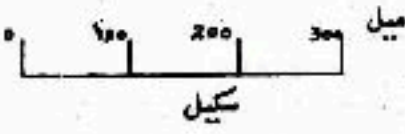
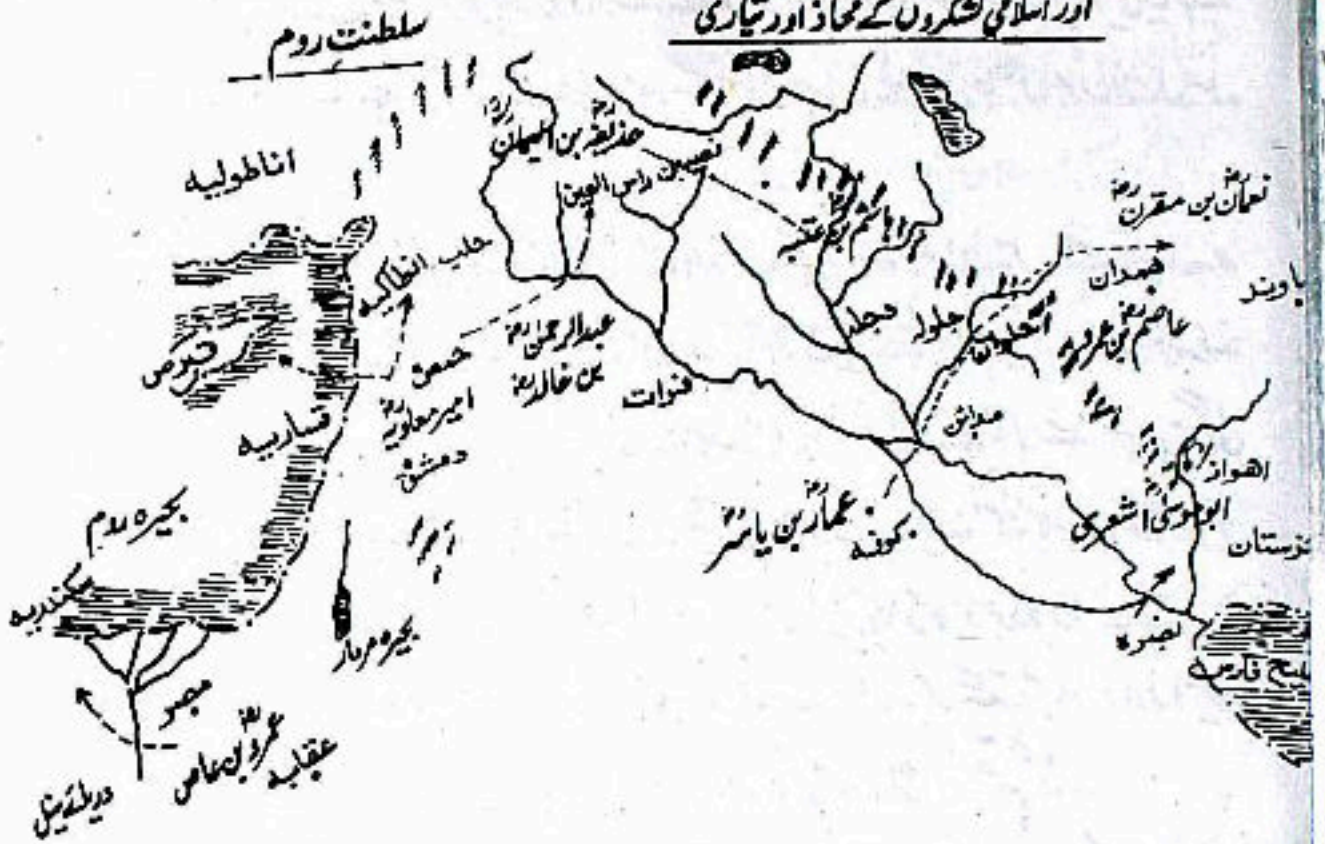
کے گرد و نواح میں پہنچ جانا چاہتے تھے چنانچہ جب مسلمان چلے قرآن کے ساتھ پہلا مقام بدھالیس
میل شمال میں ترازہ کے مقام پر ہوا جہاں اسلامی لشکر کے ہمیشہ مقدم کے ساتھ ایک رومی چوکی پر
فوجیوں نے مقابلہ کیا۔ جو ٹپ سخت تھی لیکن جیسے ہی رومیوں کو معلوم ہوا کہ پورا اسلامی لشکر پیش قدمی
کر رہا ہے تو رومیوں نے میدان چھوڑ دیا۔

اس کے بعد اگلے مقام ترازہ سے دس میل شمال میں معاون دریا کے مشرقی کنارے پر تھا جسے ٹوکیہ
یا نوضیہ کہتے تھے۔ وہاں کی رومی فوجی چوکی کو خیال تھا کہ مسلمان شاید دریا کو پار نہ کریں گے اور یہاں کا
کوئی حربی مظاہرہ ہے۔ اس لئے وہ لوگ اپنی چوکی پر بڑھے رہے۔ لیکن مسلمان اب تو دریاؤں کو عبور کرنے
کے عادی ہو چکے تھے۔ انہوں نے دریا کو عبور کرنا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر رومی فوجیوں نے افزائیزی کی
حالت میں جو مسلمان ہاتھ لگا اس کو لے کر کشتیوں میں ڈال دیا اور سکندریہ کی طرف بھاگنے کی کوشش
کی۔ مسلمان اس کی اجازت نہ دے سکتے تھے اسی لئے انہوں نے کشتیوں سے آگے بڑھ کر یا کنارے سے
آگے نکل کر رومیوں پر حملے شروع کر دیئے۔ دریا میں ابھی طغیانی نہیں آئی تھی۔ پانی بھی کم تھا اس لئے
مسلمانوں نے بڑھ بڑھ کر حملے کئے جس میں کافی زیادہ رومی تہ تیغ ہوئے۔ یہ حالت دیکھ کر بچے کھچے
رومیوں اور اہل شہر نے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیئے۔ پھر مسلمانوں نے اس کے اندرون علاقے
میں دو دو دو تک حربی مظاہرہ کئے اور سب علاقوں کو اسلامی سلطنت میں شامل کر لیا۔ اس کے
بعد مسلمانوں نے دریا کو دوبارہ عبور کیا اور جیسا کہ نقشہ چہارم میں دکھایا گیا ہے مسلمان دریا کے
مغربی کنارے پر آکر پھر شمال کی طرف روانہ ہوا کرتے۔

قوم شریق کی لڑائی

مسلمانوں کے کوچ یا پیش قدمی کا طریقہ موجودہ زمانے کے ایڈوانس ٹیکنیکل کے مشابہ
تھا اور ایڈوانس گارڈ کو مسلمان ہراول یا ہمیشہ المقدم کا نام دیتے تھے۔ اب جو ہمیشہ قدمی ہوتی
تو مسلمانوں کے ہمیشہ المقدم کے امیر یا کمانڈر شریق تھے۔ لشکر کوئی بیس میں اور پہنچے ہوں گے۔
اور وہاں سے آگے مسلمان دریا کو عبور کر کے یوں دالے راستے سکندریہ جانا چاہتے تھے۔ لیکن
ابھی وہ دریا سے کچھ دور ہی تھے کہ آگے سے ایک رومی لشکر نے ان پر حملہ کر دیا۔ عام طور پر کروی

نقشہ پنجم :- اکیس ہجری میں خلیفہ دوم کی فتوحات کی حکمت عملی اور اسلامی لشکروں کے محاذ اور تیاری



مدینہ شریف
عمر بن خطاب

دشمن ایسی حرکت نہیں کرتا کہ رومی پسپا ہو رہے تھے اور اس صورت میں بہتر طریقہ یہ ہوتا ہے کہ جبکہ جگہ پوزیشن سے سردشمن کی پیش قدمی کو روکا جائے۔ اس کا وقت ضائع کیا جائے اور اسے زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچایا جائے۔ لیکن جو طریقہ رومی دستے کے کمانڈر نے اختیار کیا اس کی داود بخیل پائیے۔ اور یہ ایک بہت بڑا سبق ہے۔ جنگ کے طریق کار کے اسباق جہاں سے بھی حاصل ہوں ان کی نقل کرنے میں کوئی ہرجت نہیں۔

شریق بن سمیہ بڑے سلجھے ہوئے کمانڈر تھے اور ان کے دستے پھیلاؤ میں تھے۔ آپ نے ایک ٹیکری تلاش کی جو باقی زمین سے اونچی تھی اور اپنی تمام فوج یاد سے کو حکم دیا کہ وہ اس ٹیکری پر پوزیشن لے لیں یا صف بندی کر دیں۔ یہی ٹیکری بعد میں قوم شریق کے نام سے مشہور ہو گئی کہ ٹیکری کو عربی میں قوم کہتے ہیں۔ بہر حال رومی لشکر پہلے دن تو صرف اتنی کامیابی حاصل کر سکا کہ مسلمانوں کی پیش قدمی کو گھڑا مگھڑا کر دیا۔ اور ہم اس طریق کار کا موجودہ زمانے کے *POW LINE ATTACK* یا اس قسم کی کسی کارروائی سے موازنہ کر سکتے ہیں۔ اور رومیوں کی چھوٹی سطح پر یہ ایک کامیابی تھی۔ لیکن پھر رات ہو گئی اور لڑائی ختم ہو گئی۔

جناب شریق نے جناب عمرو بن عاص کو بروقت خبر دی اور یہ اچھا ہی ہوا کہ رومی دستہ کی تعداد مسلمانوں کے جیش مقدم سے بہت زیادہ تھی۔ اور سوزج چڑھتے ہی رومیوں نے مسلمانوں پر ایک زبردست حملہ کر دیا۔ لیکن ان رومیوں نے مسلمانوں کے ہاتھ پہلے نہ دیکھے تھے۔ مسلمان مجاہدین دفاع میں جم کر نہ بڑھتے تھے۔ وہ حملہ آور پر صرف جھپٹا مارتے تھے رومیوں نے سخت نقصان اٹھایا۔ لیکن انہوں نے اپنی زیادہ تعداد کو استعمال کرتے ہوئے مسلمانوں کے ایک بازو اور کھپلی طرف سے ہرگز ٹیکری سے اٹھانے کی کوشش کی۔ لیکن مسلمانوں نے ان کو یہاں پر بھی بری طرح مار دی۔ اب سوزج ڈھلنے والا تھا کہ دور جنوب کی طرف سے گردا گردی دکھائی دی۔ یہ جناب عمرو بن عاص کے بڑے لشکر کے متحرک دستے تھے، جو تیزی سے جیش المقدم کی مدد کے لئے آ رہے تھے رومی ان کو دیکھ کر میدان چھوڑنے لگے۔ جناب شریق کے دستوں نے ان کا تعاقب کیا۔ رومی بھی اگرچہ متحرک تھے مگر انہوں نے میدان جنگ کو خالی کرنے میں ہی فائدہ سمجھا اور پاؤں سرور رکھ کر ہٹا گئے۔ رومیوں کی اس تدبیراتی کارروائی کا مطالعہ ضروری ہے۔ اور اس کے بعد جناب عمرو بن عاص

پر میاں ہو گیا کہ اہل روم سکندریہ کا سخت و ناع کریں گے۔ اور سکندریہ تک جو ناسا باقی رہ گیا تھا تو اس پر بھی پیش قدمی میں رکاوٹیں ڈالی جائیں گی۔

سلطین کی کارروائی

اگلی صبح مسلمان لشکر روانہ ہوا تھا اور اب جمیش المقدم تبدیل کر دیا گیا۔ کچھ تازہ روم لشکریوں سے ایک جمیش المقدم تیار کیا گیا۔ اس کی کمانڈ جناب عمرو بن عاص کے بیٹے جناب عبداللہ کو دے گئی۔ جناب عبداللہ اسلام کے ایک عظیم عالم اور اونچے رتبہ کے صحابی تھے۔ روایت ہے کہ اپنے والد سے بھی پہلے اسلام لے آئے تھے۔ سچائی اور تقویٰ کے بہت اونچے مقام پر فائز تھے بہر حال ایک بڑا لشکر بھی آپ کے جمیش المقدم کے ساتھ ساتھ تھا۔ چند میل اوپر جانے کے بعد سلطین کے مقام پر رومیوں سے ایک سخت جھڑپ ہوئی اور پورا دن اسی کارروائی پر لگ گیا۔ لیکن شام سے پہلے رومی میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔

قیرون کی لڑائی

جناب عمرو بن عاص کو اندازہ ہو گیا تھا کہ رومی اور بھی سخت مقابلہ کریں گے۔ چنانچہ آپ نے اگلے دن کے لئے اپنے بیٹے عبداللہ کے جمیش المقدم کی نفی بڑھادی۔ اور اپنے نو مسلم اور وفادار یونانی خدمت گزاروں کو بھی عبداللہ کے ساتھ بھیج دیا۔ بلکہ جمیش المقدم کا جھنڈا اٹھانے کی سعادت بھی وردن کو نصیب ہوئی۔ وردن شاید پہلا یورپین ہے جس کو اسلامی فوج میں علمبرداری کا شرف حاصل ہوا۔ جناب عبداللہ جب قیرون پہنچے جو سکندریہ سے تقریباً بارہ میل جنوب میں تھا۔ تو انہوں نے دیکھی کہ وہاں رومیوں کا ایک لاؤشکر مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے تیار کھڑا ہے۔ ممکن ہے یہ لشکر کئی دنوں سے وہاں پر ہو کر اس کا کمانڈر بھی باب ایون والانتہ نورد (تھیوڈورس) ہی تھا جس کو سلاح کے لئے قیصر روم نے قسطنطنیہ بھی بلایا تھا۔ اور وہ پھر واپس آ گیا تھا۔ جناب عبداللہ نے وہاں پہنچتے ہی دشمن پر حملہ کر دیا۔ بعد میں جب جناب عمرو بن عاص وہاں پہنچے تو لڑائی جاری تھی اور وہ اپنے بیٹے کی کارروائی سے خوش ہوئے اور وہ خود بھی جنگ میں شریک ہو گئے۔ مورخین کے حساب سے گو کھلا

میدان تھا، لیکن رومی سخت مقابلہ کر رہے تھے۔ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی تعداد مسلمان لشکر سے زیادہ تھی۔ ورنہ کھلے میدان میں اپنے برابر دشمن کو مسلمان ایک آدھ دن میں ختم کر دیتے تھے۔ یوشین کے حساب سے مسلمانوں نے بھر پور حملے کئے اور آخر ان کو دشمن کی صفوں میں کمزور مقامات کا پتہ چل گیا اور وہ مقامات ایسے تھے، جہاں مہر کے قبیلے صرف بند تھے۔ کیونکہ سمجھوتے کے تحت مصر کے باشندے جنگ میں شریک نہ ہو سکتے تھے اور رومی ان کو زبردستی اپنی صفوں میں شریک کر رہے تھے۔ جب مسلمانوں کو ان کمزور مقامات کا پتہ چلا تو انہوں نے انہی جگہوں پر حملے کئے اور دشمن کی صفوں کو تہس نہس کر دیا۔ اور رومی بڑی مشکل کے ساتھ جان بچا کر بھاگے۔ منذ فور بھی بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔

سکندریہ کے دروازے پر

قیرون کی لڑائی کے دوسرے دن مسلمان مجاہدین سکندریہ پہنچ گئے۔ شہر کو دیکھ کر اکثر مجاہدین حیران رہ گئے۔ ان کے ہتھے یہ ایک انگ دنیا تھی۔ جناب عمرو بن عاص کے لشکر میں کوئی ۱۲ ہزار مجاہدین تھے۔ البتہ مصر کے کچھ قبیلے بھی امداد کر رہے تھے۔ وہ بحری کام کرنے تھے مسلمانوں کو رسد کا سامان اکٹھا کرنے میں مدد دیتے تھے۔ سڑکوں کی مرمت اور بار برداری کے لئے جانور اکٹھے کرنے اور اس قسم کے کسی کام ان کے ذمے تھے۔ سکندریہ کا دفاع بھی بڑا مشکل تھا، لیکن حمد بھی اتنا ہی مشکل تھا۔ عام بندر گاہیں سمندر کے کنارے ہوتی ہیں اور ایک طرف خشکی اور دوسری طرف پانی ہوتا ہے۔ سکندریہ کے عجیب حالات تھے۔ شمال میں سمندر تھا۔ اور جنوب میں ایک جھیل تھی۔ خشکی مشرق میں بھی تھی اور مغرب میں بھی۔ لیکن دونوں خشک علاقوں کا آپس میں کسی خشکی کے ذریعے ملاپ نہ تھا اور نہ سمندر اور جھیل کا پانی کے ذریعے آپس میں کوئی ملاپ تھا۔

سکندریہ کا پھیلاؤ بہت زیادہ تھا لیکن اس زمانے میں کتنا پھیلاؤ تھا اور قلعہ کی دیواریں کہاں پر تھیں۔ اس سلسلہ میں مورخین خاموش ہیں۔ آبادی کوئی چھ لاکھ تھی۔ جس میں یہودی، یونانی، اطالوی، حبشی، مہری اور قبرص کے یونانی یا باقی یورپ کے علاقے کے

لوگ آباد تھے۔ اہل یورپ کی تعداد کوئی تین لاکھ تھی۔ یعنی آدھے یورپ میں تھے بعض مورخین نے سکندریہ کے پھیلاؤ کو دس میل تک بتایا ہے۔ لیکن یہ نہیں لکھا کہ طول میں دس میل تھا یا رقبہ دس مربع میل تھا۔

سکندریہ کا نقشہ کچھ مددگار ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہی تدبیرات پر بحث ہو سکتی ہے کہ کسی مورخ نے اس زمانے کی زمین کی نشان دہی نہیں کی۔ موجودہ زمانے میں ایسے کسی شہر کے خشکی کے علاقے پر قبضہ ہو جائے تو بندرگاہ پر بھی جلد قبضہ ہو جائے گا۔ اس لئے اگر ہمیں اس زمانے کے کچھ تدبیراتی پہلو معلوم بھی ہو جائیں۔ تو ہمارے فوجی مطالعہ کے لئے وہ کسی اہمیت کے نہ ہوں گے۔ ہم اس تفصیل میں بھی اس لئے جا رہے ہیں کہ بارہ ہزار مسلمان مجاہدین نے اتنا بڑا شہر فتح کر لیا۔ دمشق اس زمانے میں سکندریہ کے مقابلے میں چھوٹا تھا۔ البتہ مدائن، سکندریہ کے مقابلے کا شہر تھا جس پر سکندریہ سے پہلے قبضہ ہو چکا تھا۔ سکندریہ میں بھی مدائن کی طرح ایک بہت بڑا کتب خانہ تھا جس میں باطل تہذیب پر لاکھوں کی تعداد میں کتابیں موجود تھیں۔

سکندریہ کا محاصرہ

چنانچہ جناب عمرو بن عاص نے سکندریہ کا خشکی کے دونوں مقامات کی طرف سے محاصرہ کر لیا۔ اور جھیل پر بھی مسلمانوں کا قبضہ تھا اور اس میں صرف وہ کشتیاں رہنے دی گئیں جن کو مسلمان استعمال کرتے تھے اور سکندریہ کی دیواروں کے ساتھ ساتھ جھیل والی جو جگہ تھی وہاں کوئی کشتی باقی نہ رہ گئی تھی۔ لیکن علاقہ اتنا وسیع تھا کہ اہل سکندریہ جھیل کے راستے تیر کر یا کوئی اور چیز استعمال کر کے کسی کسی طرح خشکی پر رات کو آجاتے تھے۔ منقوس بھی سکندریہ میں موجود تھا۔

محاصرہ کتنی مدت رہا اس میں بھی اختلاف ہے۔ کچھ کے حساب سے تین ماہ تک رہا اور کچھ کے حساب سے چھ ماہ سے ایک سال تک۔ بہر حال اہل سکندریہ کو روم کی طرف سے کوئی زیادہ مدد نہ مل سکی اور نزدیک سے نزدیک قبرص یا کریٹ کے جزیرے تھے۔ یا مغرب میں بن غازی اور طرابلس کی بندرگاہیں تھیں۔ اور وہاں سے کوئی امداد پہنچنا مشکل بھی تھی۔ کسی مورخ نے کسی خاص امداد کا ذکر نہیں کیا۔

رومیوں کے حالات اچھے نہ تھے، اور مسلمانوں کے سکندریہ کو جلد فتح کر لینے میں اس پہلو کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ برقیل مرچا تھا، اور گو کچھ مورخ بکتے ہیں کہ وہ اس وقت مزاجب مسلمان سکندریہ پہنچے، لیکن ہم برقیل کے پہلے مرنے اور جانشینی کے جھگڑوں کی وضاحت سمجھے کر چکے ہیں کہ تخت مکمل طور پر برقیل کے ہتے تسلیم کے قبضہ میں تھا، اور مصر میں مقرر تھے اور مندرجہ ذیل دونوں موجود تھے۔

اس نے کچھ مغربی مورخین کے لحاظ سے لڑائی زیادہ نہیں ہوئی اور مقرر تھے مسلمانوں کے ساتھ باب الیون کی قسم کا کوئی معاہدہ کر لیا۔ اور سکندریہ ان کے حوالے کر دیا، لیکن یہ بات تسلیم نہیں کی جاسکتی، اس لئے معاہدہ خاصہ ہے اور لڑائی کیسے نہ ہو؟ مسلمان مورخین تو یہاں تک جاتے ہیں کہ معاہدہ کے پہلے دو تین ماہ تو رومی فرجی قلعہ سے باہر نکل کر مسلمانوں پر حملہ پہ حملہ کرتے رہے کہ شاید مسلمان تنگ آکر معاہدہ ہی اٹھا لیں۔ علاوہ مسلمان مجاہدین نے بھی کئی دفعہ کئی دیواریں توڑ کر قلعہ کے اندر گھس جانے کی کوشش کی اور کئی دفعہ نقصان بھی اٹھایا۔

ایک کہانی

اس سلسلہ میں ایک کہانی جو اکثر مورخین نے لکھی ہے، اس کا بیان ضروری ہے۔ روایت سے کہ ایک دفعہ جناب عمر بن عاص از خود قلعہ کی دیواریں توڑنے والا دستہ میں موجود تھے اور وہ قلعہ کے ایک ترخانے میں پھنس گئے۔ ایسے مجاہدین کی تعداد چار بتائی جاتی ہے اور جب ایسی تنگ فنی کہ اہل روم ان سے مجاہدین پر درامی نہ کر سکتے تھے، صرف بھوک سے مارے تھے، کہ تنگ جگہ کے اوپر مضبوط پیریدار بٹھا دیئے جاتے، لیکن ایک مجاہد جناب مسلمہ نے رومیوں کو کہا کہ ان کا کوئی پہلوان اس کے ساتھ مقابلہ کرے۔ اگر وہ مار گیا تو چاروں مجاہدین ہتھیار ڈال دیں گے۔ لیکن اگر جناب مسلمہ نہ جیت گئے تو رومی مجاہدین کو اپنے لشکر میں شامل ہونے کی اجازت دے دیں۔

رومی یہ تجویز مان گئے، اور جناب مسلمہ مقابلے میں جیت گئے تو رومیوں نے وعدہ کے مطابق مسلمانوں کو اپنے لشکر میں جانے دیا، جناب عمر بن عاص کو رومی نہ پہچان سکے، اور ان کے ایک حبشی مجاہد نے جان بوجھ کر ایک تھپڑ بھی رسید کیا کہ ان کو سب سے کم تر مانا جاتے، یہ کہانی صحیح بھی ہو سکتی ہے کہ جنگ میں کئی دفعہ ایسے کھیل تماشے ہوتے رہتے تھے، لیکن شاید رومی حضرت عمر بن عاص کو ترخانہ میں دیکھ نہ سکے، ورنہ کیسے ہو سکتا ہے کہ رومی فرج کے جبران مسلمانوں کے سپہ سالار کو نہ پہچانتے ہوں، بہر حال

باب ایون کے مقام پر تو یہی نمند فر جناب عمرؓ کو دھوکے سے بھی شہید کرنے کو تیار تھا۔ اور یہاں کا لشکر اس کی بے خبری کی وجہ سے نکل گیا اور ملی وعدہ کے چکے نئے۔ یہ سارا واقعہ انسانہ یا کہانی بھی ہو سکتا ہے۔ کہ اہل روم نے وعدہ نبیایا را واللہ اعلم ہم نے تصویر کے دونوں رخ فارمین کے سامنے پیش کر دیئے ہیں۔

فتح میں دیر

بہر حال سکندریہ کی فتح میں دیر ضرور لگ رہی تھی۔ اور گورومیوں میں اختلاف تھا۔ ان کی حکومت کے حالات بھی کچھ ڈانواں ڈول تھے۔ لیکن دیر لگنے کی وجہ یہ بھی تھی کہ رومیوں کے لشکر کی تعداد پچاس ہزار تھی اور مسلمانوں کے لشکر کی بارہ ہزار لیکن شاید ایسا نہ ہو اور اسلامی لشکر اب پندرہ ہزار کے قریب ہو سکتا ہے اور رومیوں کی نفری بیس یا تیس ہزار کے قریب ہو۔

جناب فاروق کی فکر مندی

سکندریہ وسیع علاقے میں پھیلا ہوا تھا۔ اور مسلمانوں نے بھی محاصرہ کو ختم کرنے کی سرنگور کو ششیں کیں۔ وہ کئی دفعہ کامیاب بھی ہو گئے اور کسی ایک آدھ جگہ سے قلعہ کی دیوار پھلانگ کر یا کوئی شکاف کر کے وہ کئی دفعہ سکندریہ کے قلعہ کے اندر داخل ہوئے۔ لیکن رومیوں کی نفری زیادہ تھی وہ ان کو باہر پھینک دیتے تھے۔ جناب عمر فاروقؓ بھی فکر مند ہو رہے تھے اور انہوں نے جناب عمرؓ بن عباس کو لکھا "دو سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا ہے اور آپ مہر کو فتح نہیں کر سکے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مجاہدین اسلام میں وہ پیٹے والا لولا اور جذبہ جہل نہیں رہا اور انہوں نے دنیاوی سہولتوں اور لذتوں کی طرف زیادہ دھیان دینا شروع کر دیا ہے۔ جب آپ کو میرا یہ خط ملے تو تمام مجاہدین کو پڑھ کر سنائیں اور ان کو ہمت کے ساتھ لڑنے کا خطبہ دیں۔ آپ کے پاس کتنی صحابہ کرامؓ ہیں۔ ان کو ہر اول یا آگے والے دستوں میں متعین کریں اور کسی دن نماز جمعہ کے بعد اللہ کا نام لے کر دشمن پر بل بول دیں۔ یہ نیک ساعت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر اپنی رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ ہمارے آقاؐ بھی بعد دوپہر حمایہ کیلئے حکم دیا کرتے تھے۔"

بھڑپور حملہ

جناب عمرو بن عاص نے یہ خط مسلمانوں کو سنایا اور صحابہ کرامؓ اکٹھے ہوئے جن میں جناب زبیرؓ بن عوف اور جناب عبادہؓ بن صامت کے علاوہ عظیم صحابی جناب ابوذر غفاریؓ اور میرٹبان رسولؓ جناب ابویوبؓ انصاری بھی شامل تھے بلکہ جناب مقدادؓ بن الاسود خریجہ بن حذافہ اور کئی دوسرے صحابی شامل تھے۔ فیصلہ یہ ہوا کہ جناب عبادہؓ بن صامت حملہ کرنے والوں کی رہنمائی کریں گے اور حملہ کے وقت اگلے دستوں کے وہ امیر ہوں گے چنانچہ اگلے جمعہ کے روز نماز کے بعد مسلمانوں نے بھڑپور حملہ کے لئے صف بندی کی۔ صحابہ کرامؓ آگے والی صف میں تھے۔ درمیان میں جناب عبادہؓ بن صامت تھے۔ حملہ اس جگہ پر ہوا جس جگہ سنہری گرجا والا دروازہ تھا اور مسلمانوں کے نعرہ تکبیر سے قلعہ کے اندر کی دیواریں بھی گونج اٹھیں۔ صرف چند لوگوں نے مقابلہ کیا۔ باقی لوگوں پر اس طرح ہیبت چھا گئی کہ وہ سکندریہ کو چھوڑ کر کشتیوں میں سوار ہو گئے اور جدھر جی میں آیا۔ ادھر کی راہ لی۔ ستر ہزار یہودی بھی اس دن سکندریہ کو چھوڑ کر بھاگ گئے گویا لوگ زیادہ تجارت ہمیشہ تھے اور اپنی دولت میں سے جو چیز اٹھا سکے لیکر چلتے بنے۔ تیس ہزار یورپین بھی اسی دن بھاگ گئے اور رومی فوج کا بھی کافی حصہ سکندریہ کو چھوڑ گیا۔ صرف وہ نوجی سکندریہ میں رہ گئے جن کا تعلق مصر سے تھا۔ ہمارے ایک مبصر نے خود حساب کتاب لگا کر لکھا ہے کہ سکندریہ شمالی بحیرہ رومی میں فتح ہوا۔ مورخین میں سے کچھ نے شروع اکیس ہجری اور کچھ نے آخر اکیس ہجری کا وقت بتایا ہے۔

زماں و مکاں کا حساب

ہمارے تجزیہ اور مطالعہ کے مطابق جناب عمرو بن عاص ذوالحجہ الحفارہ ہجری کو مصر میں داخل ہوئے۔ ایشیا بحیرہ کے پہلے چھ ماہ عربی مظاہروں میں گزار دیئے۔ اور جناب زبیرؓ اور جناب عمرو بن عاص میں رابطہ جمادی الاول، جمادی الثانی، ایشیا بحیرہ میں ہوا۔ اور پھر عین شمس کی لڑائی ہوئی جس کے بعد جناب عمرو بن عاص نے مصر کے دل پر قبضہ کر لیا اور باب الیون کا محاصرہ کر لیا۔ ایشیا بحیرہ

کے آخر میں مقوقس صلح نامہ کی شرائط لے کر سکندریہ گیا، جس کو قیصر نے نامنظور کر دیا اور صفحہ بیس ہجری میں قیصر مر گیا۔ تمام یورپین مورخ ہمارے ساتھ اس سلسلہ میں اتفاق کرتے ہیں۔ اور ربیع الاول بیس ہجری میں مسلمانوں نے باب الیون فتح کر لیا۔ جمادی الثانی بیس ہجری میں مسلمانوں نے سکندریہ کی طرف پیش قدمی کی اور سکندریہ پہنچے ہیں اور باہر کی لڑائیوں میں کوئی دو ماہ لگ گئے۔ دس دن تو صرف قبروں کی لڑائی میں لگے۔ بہر حال مسلمانوں نے سکندریہ کا محاصرہ کہیں جا کر شعبان۔ رمضان بیس ہجری میں کیا اور محاصرہ چھ ماہ ضرور رہا۔ اس لئے سکندریہ اکیس ہجری جمادی الاول یا جمادی الثانی میں فتح ہوا۔ اور تمام مسلمان مورخ یہی کہتے ہیں البتہ جنرل گلوب کے حساب سے سکندریہ شعبان۔ رمضان اکیس ہجری میں فتح ہوا۔ لیکن ہمارے مبعوث کا حساب کتاب کہ سکندریہ شمال میں ہجری میں فتح ہوا ٹھیک نہیں بیٹھتا۔

مصر آغوش اسلام میں

سکندریہ کے فتح ہو جانے کے بعد مسلمانوں نے سارے مصر کو اسلام کے دائرہ میں داخل کر دیا۔ لفظ چہارم میں ڈیلٹا کے علاقوں میں اسلامی دستوں کی حربی کارروائیاں دکھائی گئیں ہیں کہ انہوں نے سکندریہ سے سحر اور توح دلے راستے سے آگے بڑھ کر دمیس اور پھر بلہسب کارخ کیا۔ اور اس طرح مصر کے یورے ڈیلٹا کے علاقوں میں اللہ اور رسول کا نام بلند ہو گیا۔ مصر کی فتح پر وقت ضرور صرف ہوا لیکن عراق و ایران یا شام و فلسطین کی فتوحات کے مقابلے میں یہ فتح کم خرچ پر حاصل ہو گئی۔ مشہور جرمن جنگی ماہر کلاسموٹز اکثر کہتا ہے کہ فتوحات کے خرچ کا حساب کتاب کرنا بھی ضروری ہوتا ہے کہ کچھ فتوحات مہنگی پڑتی ہیں۔ اللہ اور رسول کا نام بلند کرنے والے البتہ خرچ کا اتنا خیال نہیں کرتے تھے کہ وہ اپنی جان کی قربانی کسی وقت بھی پیش کرنے کو تیار ہو جاتے تھے اور اس پہلو کو کبھی نظر انداز نہ کرتے تھے۔ لیکن خواہ مخواہ انسانی جانوں کی ضیاع کی اجازت کسی مسلمان ایسے نہیں دی۔

فتح کی خوشخبری کا قاصد

روایت ہے کہ مصر کی فتح کے بعد جناب عمرؓ نے جن قاصد کو مدینہ شریف بھیجا کہ لیس المیزین کو خبر دے کہ مصر فتح ہو گیا ہے اور صلح نامہ پر دستخط ہو گئے ہیں۔ تو قاصد نے گڑبڑ سے کہ کوئی خط بھی دیا جائے۔ تو جناب عمرؓ نے قاصد سے فرمایا کہ مسلمانوں کی زبان ہزار خطوط سے بہتر ہے، زبانی احکام سے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہم ملکوں کے ملک فتح کر چکے ہیں۔ اور زبانی خوشخبری بہتر ہوتی ہے۔ خط اس وقت لکھا جاتا ہے جب کوئی پردہ دلی بات کہیں پہنچانی ہو کہ بات عام نہ ہو جائے۔

چنانچہ جب قاصد مدینہ شریف پہنچا تو اس نے اپنی سواری کو مسجد نبوی کے قریب بٹھا دیا۔ جناب عمر فاروقؓ کو خبر ملی تو آپ باہر نکل آئے اور مصر کی فتح کی خوشخبری سنی اور دیکھا کہ سورج معمولی ڈھل چکا تھا۔ پس اسی وقت اذان دینے کا حکم صادر فرمایا۔ اذان کی آواز سن کر مسلمان جوق در جوق مسجد نبوی میں داخل ہونا شروع ہو گئے، تو جناب عمر فاروقؓ نے فرمایا: مسلمانو! مبارک ہو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمیں مصر میں بھی فتح و نصرت حاصل ہو گئی۔ آؤ مل کر عاجزی کریں اور اپنے رب کا شکر ادا کریں۔

کچھ دن بعد جب قاصد کو واپس معرودانہ کیا تو خلیفہ دوم نے جناب عمرؓ کو تمام اہل لشکر کا شکریہ ادا کیا۔ ان کے لئے دعائیں مانگیں اور فرمایا کہ مصر کے علاقے میں بھی کوئی بصرہ اور جابیبہ کی طرح ایک چھاؤنی قائم کی جائے۔ جناب عمرؓ نے سکندریہ کے حالات سننے تو بڑے فکرمند ہوئے کہ جناب عمرؓ نے قاصد سے اطلاع دی تھی کہ سکندریہ میں چار ہزار عالی شان کوٹھیاں اور بنگلے ہیں۔ چالیس ہزار کے قریب امیر ترین یہودی میں چار سو میاشی کے اڈے ہیں اور بارہ ہزار کے قریب امیر ترین سوداگر ہیں۔ ان حالات نے خلیفہ دوم کو سخت فکرمند کر دیا۔ انہوں نے فرمایا کہ سکندریہ کے نزدیک ضرورت کے مطابق تھوڑی سی توج رکھی جائے اور چھاؤنی باب الیون کے علاقے کے قریب دریائے نیل کے مشرق کنارے پر بنائی جائے۔

تبصرہ

سکندریہ کی فتح اور مصر کے آغوش اسلام میں آنے کے نتائج و اسباق کا تجزیہ اور تبصرہ بعد میں کیا جائے گا۔ لیکن یہاں ایک تبصرہ ضروری ہے۔ جناب عمرؓ نے صوبوں کے دارالحکومت مدینہ شریف سے نزدیک سے

نزدیک رکھے اور چھاؤنیاں بھی اسکی لحاظ سے بنائیں۔ اس سلسلے میں کچھ تبصرہ چھپے اور ساتویں باب میں بھی آئے
 ہو۔ لیکن یاد رکھیں کہ دور دراز علاقوں یا ملکوں کا دار الخلافہ مرکز سے نزدیک تر ہونا چاہیے۔ انگریزوں نے مارے
 ہندوستان کو کلکتہ، مدراس اور بمبئی کی بندرگاہوں میں دار الخلافہ بنا کر فتح کیا اور ۱۹۱۱ء میں دار الخلافہ دہلی
 میں لے آئے۔ اور وہ بھی اس وقت جب خطہ کم برگی تھا انگریزوں کے حساب سے ہندوستان کی بندرگاہوں
 ہی ان کے ملک کے نزدیک ترین علاقے تھے۔

چنانچہ اگر ہم بھی ڈھاکہ کی بجائے چٹاگانگ کو سابق مشرقی پاکستان کا دار الخلافہ رکھتے تو یہ حالات بہتے
 جو ۱۹۷۱ء میں پیش آئے۔ اول تو چٹاگانگ کے پہاڑی علاقے میں وسیع دفاع کر سکتے تھے۔ پھر سمندر کے
 راستے کچھ نہ کچھ بچا کر لے آتے۔ کتنی افسوسناک بات ہے کہ ہم اپنی تاریخ کا باقاعدہ مطالعہ نہیں کرتے اور نہ
 اس سے کوئی سبق سیکھتے ہیں۔

فسطاط کی چھاؤنی

جناب فاروق اعظمؓ نے اپنے خط میں صاف لکھ دیا کہ وہ یہ نہیں چاہتے کہ ان کے اور ان کے
 عاملوں کے درمیان کوئی دریا یا کوئی بڑی رکاوٹ ہو۔ چنانچہ چھاؤنی کو نیل کے مشرقی کنارے پر
 ہی رکھنا تھا اور اس کے لئے جگہ نہ ہی تجویز ہوئی جہاں پر سکندریہ کی طرف پیش قدمی سے پہلے
 مسلمانوں نے پڑاؤ کیا تھا۔ وہ خیمہ جس میں سالار لشکر رہتے تھے۔ اور اس کے بیچ سے ناخستہ کے بچے
 پرنکال کراڑ چکے تھے، اس جگہ کو چھاؤنی کا مرکزی مقام قرار دیا گیا۔ اور وہاں پر ایک مسجد تعمیر
 کی گئی۔ جو آج بھی مسجد عمر بن عباس کے نام سے موسوم ہے۔ مسجد کا محراب وہیں ہے جہاں ناخستہ
 کے بچوں والا خیمہ تھا۔ باقی شاید کئی تبدیلیاں ہو چکی ہوں گی کہ مسجد میں کئی دفنہ تو وسیع ہوئی یا
 عمارت کو نئے سرے سے بنایا گیا۔ البتہ روایت ہے کہ پہلی دفنہ جب مسجد میں نماز ادا کی گئی تو اسٹی
 صحابہ کرامؓ بھی نماز میں شریک تھے۔ ان میں جناب زبیرؓ، جناب ابوذر غفاریؓ، جناب عبادہؓ اور
 کئی دوسرے عظیم صحابہ کرامؓ شامل تھے۔ جن صاحب نے پہلی اذان دی وہ بھی صحابی تھے اور
 ان کا نام ابو مسلم الغسانی تھا۔ جناب ابوایوب انصاریؓ کے سلسلے میں بھی روایت ہے کہ
 آپؓ بھی موجود تھے۔

فسطاط کے نام کی وجہ تسمیہ وہی ناخستہ والا فیر سے جس کا ذکر ہو چکا ہے خیمہ کو عربی میں فسط اور فسطاط کہتے ہیں یہ چھاؤنی اتنی پھیلی کہ باب الیون کا سارا علاقہ اور مصر شہر تک اس کا حصہ بن گئے آج کل اس جگہ کو لوگ قدیم مصر کہتے ہیں اور قہرہ بھی نزدیک ہے۔ مکتم (مقدم) کی پہاڑی جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، وہ بھی نزدیک ہے۔ اور اس جگہ پر جناب عمرو بن عاص سمیت کئی صحابہ کرام دفن ہیں۔ یہ ایک جہت بڑا قبرستان ہے۔ بلا بد میں تکبوس کی جنگ کا عظیم مسلمان پہلوان جمال جنتوں نے اہل روم کے چونی کے پہلوان کو پھینچا اور بعد میں زخموں کی تاب نہ لاکر وفات پا گئے ان کو بھی اسی جگہ دفن کیا گیا۔

جناب فاروق اعظم نے نہر طراجن کو صحیح کھلیا اس سے مٹی نکلنے کے جراثیم ایسے تھے اس وجہ سے اب فسطاط کا مدینہ شریف سے دو سہارا بط قائم ہو گیا تھا اور نہر کا نام بھی نہر امیر المؤمنین پر گیا بعد میں جب مکہ شریف اور مدینہ نذرہ میں قحط پڑ گیا تو جناب عمرو بن عاص نے غلہ بھینے کے لئے اس نہر کو بھی استعمال کیا۔ گو خشکی پر انشوں والے راستہ کو بھی استعمال کیا گیا۔ اور بعض مورخین کچھ جگہ بھی لگے کہ انشوں کا قانا انا لبا تھا کہ پہلا اونٹ جب مدینہ شریف پہنچا تو آخری اونٹ فسطاط میں تھکا۔ یہ شاید بہت زیادہ غلہ بھینے کے لئے مبالغہ کا طرز بیان ہو۔ ورنہ خشکی کے راستے مدینہ شریف فسطاط سے سات سو میل دور ہے تو اس طرح اگر فی گز ایک اونٹ کا حساب کریں تو بارہ لاکھ اونٹ بنتے ہیں۔

جناب عمرو بن عاص سمیت کئی صحابہ کرام نے فسطاط کی چھاؤنی میں اپنے لئے مکانات بھی بنوائے۔ بلکہ زمین کا ایک قطعہ جناب امیر المؤمنین حضرت عمرؓ کے لئے بھی رکھ چھوڑا۔ آپ نے فرمایا: "کہ بے شک اگر وہ لشکر کے ساتھ ہوتے تو ضرور وہاں پر مکان بناتے۔ کہ تمام دنیا مسلمانوں کی اپنی ہے۔ اور جہاں وہ ہوتا ہے۔ وہی اس کو ماضی وطن ہوتا ہے اور حضرت یوسفؑ کی طرح ہر مہر کو وہ اپنا کھانا ہی سمجھتا ہے۔"

پاک بن گردان سے سردانا تیرا - تو وہ یوسف ہے کہ ہر مہر ہے کتنا تیرا
تانا ہر نہ کے گا کبھی دیرا تیرا - غیر یک بانگ ذرا کچھ نہیں ساماں تیرا (انبان)

جناب عمرو بن عاص کی مزید فتوحات

سکندریہ کی فتح اکیس ہجری میں ہوئی اور حضرت عمرؓ کی وفات چوبیس ہجری محرم میں ہوئی۔

یعنی بائیس اور تیس بجری میں بھی مصر اور افریقہ کے علاقے میں کچھ فتوحات ہوئیں جن کو مورخین نے سرسری طور پر بیان کیا ہے جس کا ذکر آگے آنا ہے ایک نوبہ کی مہم کا ذکر ہے جس کو ہم نے نقشہ ششم میں دکھایا ہے۔ یہ مہم جناب عمرو بن عاص نے جناب فاروق کے زمانے میں مصر سے جنوب کی طرف موجودہ سوڈان کے علاقوں میں بھیجی اور خرطوم تک گئی۔ اس مہم کے مالدار جناب عقبہ بن نافع تھے جناب عقبہ کے والد نافع یا تو جناب عمرو کے یا ان کے والد عاص کے اخیانی بھائی تھے۔ آپ کا اب اکثر ذکر ہوگا، خاص کر چوتھی کتاب میں آپ نے جو بحیرہ اتیانوس میں اپنے گھوڑے کو ڈال دیا۔ اس کی تفصیل ہوگی۔ اخیانی بھائی، اس کو کہتے ہیں جو صرف ماں کی طرف سے بھائی ہو۔

بہر حال آپ نے کی نوبہ کی مہم زیادہ تر حربی مظاہرہ تھا اور نوبہ کے لوگ بڑے اچھے تیر انداز تھے۔ اس میں مسلمانوں کا کافی زیادہ جانی نقصان بھی ہوا۔ اس مہم کے مقاصد اور نتائج مورخین نے زیادہ تفصیل سے بیان نہیں کئے۔ البتہ جنوب کی طرف سے کوئی خطرہ نہ تھا اور اگر خطرہ تھا تو وہ ختم ہو گیا کہ آپ نے کے حربی مظاہرہ کی وجہ سے نوبہ کے لوگوں نے مسلمانوں کے خلاف کوئی جنگی کارروائی نہ کی۔ ویسے وہ لوگ بھی اچھے تھے اور حضور پاک کا فرمان ہے کہ بہترین دوست نوبہ کے علاقے کے لوگوں میں سے ہوتا ہے۔

جناب عقبہ بن نافع ایک مہم لے کر افریقہ کے وسط میں بھی گئے اور زویلہ کے مقامات تک حربی مظاہرہ کیا۔ جس کو نقشہ ششم میں دکھایا گیا ہے۔

جناب عمرو بن عاص خود بحیرہ روم کے ساحل پر برقہ کے مقام تک گئے جو موجودہ بن غازی کے نزدیک ہے۔ برقہ، سکندریہ سے تقریباً چھ سات سو میل دور ہے اور وہاں پہنچنے تک ایک ماہ ضرور لگ گیا ہوگا۔ لیکن ان علاقوں کے نہ تو ساحل کے پھٹے تھے کہ کافی بندرگاہیں ہوتیں اور نہ ان دنوں علاقے آباد تھے۔ اس لئے لڑائی چند مقامات پر ہوئی۔ بلکہ بعض روایات کے مطابق جناب عمرو بن عاص

۱۔ بن غازی۔ سڈی براتی، مرما مطروح وغیرہ کے نام دوسری جنگ عظیم میں ہرزبان پر تھے کہ یہاں پر انگریزوں کے متعدد جرنیلوں، دیول، آگنیک، منگلری وغیرہ اور مشہور جرمن جرنیل ردیل کے درمیان لڑائیوں نے کبڈی کی کھیل والی شکل اختیار کر لی تھی۔

ظاہر بس در موجودہ ٹرپولی (تک) بھی گئے۔ بلکہ اس سے آگے باہر کے مقام تک عربی مظاہر سے کئے
 ہو رہاں سے چالیس میل دور تھا۔ ظاہر بس، برتہ سے کم از کم آٹھ سو میل دور ہو گا کہ راستہ سیدھا نہیں
 اس لئے اگر جناب عمرو بن عاص وہاں تک گئے تو کافی طرہ تک گیا ہو گا۔ ہم آگے چل کر چوتھے
 باب میں ازریقہ کی مزید فتوحات کے تحت ان علاقوں میں پھر واپس آئیں گے کہ جناب عمرو نے فتوحات
 ضرور حاصل کیں، لیکن مضمودہ علاقوں میں زیادہ فوج نہ چھوڑی اور نہ کوئی چھاؤنی بنائی۔

فتوحات کی وسعت

اسکی زلنے میں یعنی اکیس ہجری میں تہاوند کے مقام پر مسلمانوں کو ایک عظیم فتح حاصل ہوئی جس
 کا ذکر پہلی کتاب میں ہو چکا ہے۔ اور اس فتح کے عطیہ اور ثمرات پر بھی تبصرہ ہو چکا ہے۔ اور اب اس
 کتاب کے چھٹے اور ساتویں باب میں ایران و عراق کی مہمات اور مزید فتوحات پر سیر حاصل تمہو کریں گے۔
 نقشہ پنجم میں ہم یہ سب ہجری تک کے حالات کا خاکہ بھی پیش کر چکے ہیں کہ مسلمانوں کی فتوحات کتنی وسعت
 اختیار کر چکی تھیں۔ لیکن ذہن نشین کرنے والی بات یہ ہے کہ اتنی فتوحات کو قائم رکھنے کے لئے کوئی صحیح
 کارروائی کرنا پڑتی ہے۔ ورنہ سکندر یونانی مقدونیہ سے چل کر مہر ہوتا ہوا دریائے بیاس کے کنارے
 تک پہنچ گیا تھا لیکن فتوحات کا کوئی مقصد نہ تھا، بلکہ روم بھی مہر تک آچکے تھے ان کے جانشین رومی جن
 کو اہل یورپ بازنطینی کہتے ہیں اور ان جنگوں میں ہمدان کے ساتھ واسطہ ہے، وہ بھی شام و فلسطین فتح
 کر چکے تھے، لیکن اب سکڑ رہے تھے اور اپنی تہذیب و تمدن کو بڑی ساتھ لے جا رہے تھے، کہ فتوحات صرف
 حکومت کے لئے تھیں۔“

مسلمان صراط مستقیم کی نشاندہی کے لئے تک فتح کرتے ہیں۔ اگر صرف دنیا کو رونڈوانے والی بات ہوتی۔
 تو حضور پاک کے زلنے میں ہی مسلمان دنیا کے کناروں سے نکل جاتے۔ لیکن یہاں پر بات فلسفہ حیات کی
 ہوتی ہے کہ عملی طور پر اللہ اور رسول کے احکام نافذ کئے جاتے ہیں۔

بہ نکتہ وضاحت طلب ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عمر کی وفات کے بعد فتوحات میں کمی
 آگئی۔ ہمارا خیال ہے کہ اگر حضرت عمر کچھ اور سال بھی زندہ رہتے، تو فتوحات کو آگے نہ بڑھانے۔ انگلی
 فتوحات میں اب وہ خاص کہ حضرت عثمان کے زمانے کے حالات سے یہ بات واضح کی جائے گی کہ کوشش

بھر پور طور پر جاری رہی، لیکن فتوحات اتنی ہی بڑھائی جاسکیں جو سنبھالی جاسکتی تھیں۔ اسلام میں طلب نجات کر کے اسلامی فلسفہ حیات کو جاری کیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ طالب چند لوگ ہوتے ہیں۔ باطل والے ہمارے اندر بھی آجاتے ہیں اور سامنے سے بھی مقابلہ کرتے ہیں۔ اور یہ کوشش جاری ہے۔ رجحان مسطحے میں ہیں مولانا سید ابوالحسن ندوی کی جس کتاب کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا نام بھی یہ ہے کہ ”مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش“۔ اس کتاب کو پڑھنے سے یہ عیاں ہوگا کہ باطل اسلام کو زنگ آلود کرنے کی کوشش میں مصروف ہے۔ ہمارے اندر ایسے لوگ پیدا ہو جاتے ہیں۔ جو یا تو باطل کے فلسفوں سے مغرب ہو جاتے ہیں یا اہل مغرب کی مادی ترقی ان کے ذہنوں پر سوار ہو جاتی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اس کا ذکر یوں کیا ہے۔

ہو ایسے ان کی فنا میں ان کی سمذران کے جہاز ان کے

گروہ بھنور کی کھلے تو کیونکر؟ بھنور ہے تقدیر کا بہانہ —

دریائے نیل استغوش اسلام میں

یہ عنوان مغربی فلسفہ والوں کو کچھ عجیب سا نظر آئے گا۔ لیکن ہمارا ایمان ہے، کہ اللہ کی تمام مخلوق کا وجود بھی ہے اور ان کو شعور بھی ہے۔ اور وہ مخلوق جس کو ہم بے جان سمجھتے ہیں ان میں بھی شعور ہے۔ قرآن پاک کی سورۃ حشر میں یہ ذکر ہے ”کہ اگر ہم یہ قرآن پہاڑوں پر نازل کرتے تو وہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے ریزہ ریزہ ہو جاتے۔“ اس کے علاوہ تمام محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ کئی پتھروں نے بھی حضور پاکؐ کو عرض کی۔

”اسلام علیک یا رسول اللہ“ پھر ہرنی کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے خاص کردار خواست کی کہ اس کو حضور پاکؐ کے قدم مبارک پر سزا کھنے کی مساوت حاصل ہو جائے۔

چنانچہ روایت ہے کہ اسلام سے پہلے دریائے نیل میں ہر سال طینیانی تباہی فتنی کر ایک مقررہ موسم میں ایک خوب صورت ڈونڈیہ کو دریا کی بھینٹ چڑھایا جاتا تھا۔ یہ رسم کب شروع ہوئی۔ مورخین اس سلسلہ

میں خاموش ہیں۔

بہر حال مصر کے آنسو اسلام میں آجانے کے بعد بائیس بجری میں دریائے نیل میں طغیانی کا پانی بہت کم آیا۔ اور رو وقت بھی نزدیک آگیا جس روز ایک دو تیزہ کو قربانی کے لئے دریا میں پھینکا جانا تھا تا کہ سیلاب آجانے کو اس طغیانی ہی میں مصر کی زر خیزی کا راز تھا۔ اور انہی دنوں قبطی عیسائی ایک عید منانے تھے یعنی یہ مصر کی زر خیزی کا جشن ہوتا تھا۔

چنانچہ مصر کے لوگ جناب عمر بن عاص کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کو پورے واقعات سے آگاہ کیا۔ جناب عمر نے ایک نیرنسا زقاصد کو مدینہ شریف بھیجا کہ امیر المؤمنین سے ہدایات لی جائیں جناب فاروق اعظم نے دو خط دیئے۔ ایک جناب عمر کے نام اور دوسرا دریائے نیل کے نام جناب عمر کو خط میں حکم دیا گیا کہ تمام لوگوں کو اکٹھا کرنا اور یہ خط جو دریائے نیل کے نام ہے اس کو اونچی آواز میں پڑھنا اور پھر دریائے نیل میں ڈال دینا جناب عمر بن عاص نے تمام تر کارروائی خلیفہ دوم کی ہدایات کے مطابق کی۔ اور خط کے الفاظ یہ تھے۔

”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللہ کے بندے اور مسلمانوں کے امیر عمر بن خطاب سے۔“

اگر تم اپنی مرضی سے چلتے، تو ترک جاؤ۔ لیکن اگر تم اللہ تعالیٰ کے حکم سے چلتے ہو، جو زبردست طاقت والا ہے۔ تو ہم اس کی خدمت میں عرض کرنے ہیں کہ وہ تمہیں چلا دے۔“

جناب عمر بن عاص نے یہ خط ایک جم غفیر کے سامنے۔

اونچی آواز میں پڑھا اور پھر دریائے نیل تک دیا۔ اس رات کو دریا میں طغیانی آگئی۔ اور دریا کی سطح کوئی تیس فٹ کے قریب اونچی ہو گئی۔

یہ ایک ایسی مثال ہے جس میں ہمارے لئے ہزاروں سبق ہیں کہ سب کچھ ہمارے اندر موجود ہے اگر ہم یقین پیدا کریں اور پوری امت میں وہی وحدت ہو جو اس زمانے میں فقی قرآنہ تعالیٰ ہر چیز کو ہمارے لئے مسخر کر دے گا قرآن پاک کی سورۃ براہیم میں اللہ تعالیٰ نے بہزوں، سورج، چاند اور دن و رات کے بارے میں بھی فرمایا ہے کہ ہم نے تمہارے لئے ان کو مسخر کر دیا ہے۔ اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس بارے میں پہلے دریا جس کو ہم بے جان کہیں گے یا یہ کہیں گے کہ ہم اس کے شعور کے بارے میں علم

نہیں رکھتے۔ تو وہ بھی باطل فلسفے سے متاثر ہو کر باطل قسم کی بدعت میں شریک ہو چکا تھا کہ ہر سال ایک دو شیزہ کی قربانی مانگتا تھا۔ لیکن جب حضور پاک کے ایک غلام نے اس کی توجہ حق کی طرف دلائی تو دریا بھی چل پڑا۔ بے شک اس کو اللہ تعالیٰ نے چلایا اور ہمارے لئے اس میں سبق ہے کہ ہم مراہم مستقیم پر آجائیں تو اللہ تعالیٰ سب دنیا کی چیزوں کو ہمارے لئے مسخر کر دے گا اور تمام علوم ہمارے آگے لائق ہاندھ کر رکھے ہو جائیں گے۔

اے مسلمان ہر گھڑی پیش نظر - آئیہ کایٰ یُخْلِیٰ التَّوْبَةَ رُكْحًا
یَرْتَانَ الْعَصْرَ کَاطِیْعًا - اِنَّ دَعْوَةَ اللّٰهِ حَقٌّ یَّادُ رُكْحًا (اقبال)
جناب فاروق اعظم کی خلافت کا زمانہ اب اختتام پذیر ہونے والا ہے۔ اور اگلے باب میں ہم آپ کی شہادت اور اس فتنہ سازش کا مختصر ذکر کریں گے جو مسلمانوں کے اندر پیدا ہو رہی تھی

فتوحات مصر کے نتائج و اسباق

۱۔ فتوحات مصر کے نتائج روز روشن کی طرح عیاں ہیں کہ ہم پر اعظم افریقہ میں داخل ہو گئے۔ اور مصر کی فتح کے بعد افریقہ میں پیش قدمی کا راستہ کھل گیا۔ اس سلسلہ میں ہم جو قلعے باب میں کچھ مزید تعارف کے ساتھ افریقہ کی فتوحات کا ذکر کریں گے۔

۲۔ یہ پہلو بھی واضح کیا جا چکا ہے کہ مدینہ شریف کے وناح، بحیرہ قلزم پر مکمل قبضہ اور شام فلسطین کے ساحل علاقوں کی حفاظت کے لئے مصر کو فتح کرنا ضروری تھا۔ اور اب اس فتح سے وہ تمام تر ضروریات پوری ہو گئیں۔

۳۔ اہل روم اب یورپ میں سکڑنے لگے اور مسلمانوں کے لئے بحیرہ روم کے دروازے کھل گئے۔

۴۔ تاریخ کے طالب علم اور خاص کر عسکری تاریخ کے ماہرین یہاں یہ سوال کر سکتے ہیں کہ مصر کے راستے افریقہ کا رخ کرنے کی بجائے مسلمان اگر زیادہ زور شمال کی طرف لگاتے اور مدائن کی طرح قسطنطنیہ کو فتح کر لیتے تو سلطنت روم ان کے سامنے اسی وقت گھنے ٹھیک رہتی۔ اور تاریخ کا دھارا ہی تبدیل ہو جاتا۔

۵۔ یہ بات سطحی طور پر تو ٹھیک نظر آتی ہے۔ لیکن فوجی حکمت عملی کے لحاظ سے اس زمانے میں سیدھا

قسطنطنیہ جانا مشکل تھا۔ بعد میں امیر معاویہؓ کے زلنے میں لنگار ایسی کوششیں کی گئیں تو وہ بھی کامیاب نہ ہو سکیں۔ اس کی کئی وجوہات تھیں۔ اول خشکی کا راستہ پہاڑی تھا اور آرمینیا کے علاقے پر بھی قبضہ مشکل سے رکھا جا رہا تھا۔ اسی سے آگے پیش قدمی نہ کی گئی بلکہ آذربائیجان میں بھی بڑی بغاوتیں ہوئیں۔ اس لئے اس زمانے میں اناطولیہ کے علاقے میں آگے بڑھنا مشکل تھا۔ دوم بحری راستہ بہت لمبا تھا۔ لیکن اس سلسلہ میں کوشش جاری کی گئی اور پانچویں باب میں اس کا مختصر ذکر آئے گا اور پھر باقی ذکر چوتھی کتاب میں ہوگا۔ تیسری بات یہ تھی کہ شمالی علاقے نسبتاً زیادہ سرد تھے اور سرد علاقوں میں کوئی کارروائی کرنے سے پہلے سردی کا عادی بننا پڑتا تھا۔ یا تجارتی ایسی جرنی چاہئیں کہ موسم سرما میں کسی نزدیک والی جگہوں پر آرام کیا جاسکے اور گرمیوں میں لڑائی لڑی جائے۔

۶۔ یہاں پر اہل یورپ کی چند مثالیں ضروری ہیں کہ ان کے ہاں جو جنگ ہفت سالہ یا جنگ صد سالہ ہم عصری تاریخوں میں پڑھتے ہیں۔ ان جنگوں میں صرف گرمیوں کے چند ماہ لڑائی ہوتی تھی، اور وہ بھی بعض دنوں سیاہی یا کسی اور وجہ سے نہیں ہوتی تھیں۔ ہاں وہ لوگ کچھ "حالتِ جناب" میں رہتے تھے۔ اور انیسویں صدی میں کھلا موسم بھی اپنی کتابوں میں بار بار موسم اور سردی کے موسم کی بارگاہوں کا ذکر کرتا ہے۔ کہ سردیوں میں جنگیں بند ہو جاتی تھیں۔

۷۔ چنانچہ مسلمانوں کی حکمت عملی یہ تھی کہ پہلے افریقہ پر قبضہ کر کے بحیرہ روم کے جنوب ساحل پر قابض ہوں تاکہ اول وہ ایک بحری طاقت بن جائیں اور پھر افریقہ کے کسی مقام سے یورپ میں جا سکتے تھے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں جو کارروائیاں ہوئیں اور جن کا ذکر چوتھے اور پانچویں باب میں موجود ہے، وہ اسی حکمت عملی کی ہمیشہ رشت تھی۔ پھر اندرونِ خانہ جنگی کی وجہ سے چار سال بیرونی وسعت رک گئی لیکن امیر معاویہؓ کے زمانے میں پھر وسعت شروع ہو گئی۔ جس کو ہم چوتھی کتاب میں بیان کریں گے۔ یاد رہے کہ اسلامی فتوحات اور حکمت عملی گہری سوچ، بچار اور طریق کار پر مبنی تھی اور فتوحات برائے فتوحات کا کوئی چکر نہ تھا۔

۸۔ اس کے بعد سانحہ کربلا کی وجہ سے اندرونِ خلفشار کئی سال جاری رہا۔ اور جب کچھ حالات ٹھیک ہوئے اور اس کے بعد جو فتوحات میں پیش رفت اور اسلامی سلطنت میں وسعت ہوئی تو وہاں پر فتوحات کو قائم نہ رکھا جاسکا۔ کہ اپنے فلسفہ حیات کے عمل میں تبدیلی آچکی تھی اور اس کی وجہ سے

سرمری طور پر چوتھی کتاب میں ہوگی۔ ہمارا علم بھی زندگی اور ہو گیا تھا۔۔
گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے تیرا

کہاں سے آئے ہدا لا اللہ الا اللہ (اقبال)
اور اب اس سلسلہ میں حرث دعا ہی کر سکتے ہیں۔

حدیث دل کسی ذر ویش بے کلیم سے پوچھ
خدا کرے تجھے تیرے منام سے آگاہ (اقبال)

اسباق

۱۔ جہاں تک اسباق کا تعلق ہے ان کو حسب معمول ساتھ ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ یہاں صرف دو ہراتی
ہے کہ مسلمانوں کی مصہر کی فتح کی حکمت عملی اور تدبیرات کے ہر مرحلے میں سبق ہے۔ محرک طریقہ اختیار کر
کے دشمن کو رد عمل سے روکا۔ اپنا ارادہ دشمن پر ظاہر نہ ہونے دیا۔ گمگ بردقت پہنچی۔ دشمن کو عبس نے
شمس پر حملہ کے لئے مجبور کر دیا۔ اور پھر سارے وسط مصہر کے شہروں سے دشمن کا قلع قمع کیا گیا۔ اور
باب الیون کا محاصرہ اس وقت کیا۔ جب باقی تمام کارروائیاں مکمل ہو چکی تھیں۔
جب ریگستان کا استعمال اور موسم کے لحاظ سے پیش قدمی اور سکذریہ کا بردقت محاصرہ۔ پھر حضور
پاک کی غلامی اور حضور پاک کے مقرر کردہ وقت پر حملہ کی سنت۔ یعنی مسلمانوں کے ہر مرحلے میں متعدد
اسباق ہیں۔

حج: لیکن سب سے بڑا سبق یہ ہے کہ وہ اپنے فلسفہ جنگ اور تدبیرات کا نانا بانا ایسی تجویز پر
بناتے تھے جس کے لئے ان کے پاس ذرائع موجود ہوتے تھے۔ اول اسلام کا فلسفہ حیات جس کو
جناب عبیدہ بن الصامت نے ردیوں پر واضح کیا اور دوم اپنی اندرونی طاقت پر ہی بھروسہ کیا۔
لیکن ہمیں فائز بندی کا انتظار ہوتا ہے کہ غیروں سے حاصل شدہ سامان زیادہ دیر نہیں چلتا۔ ہمارے
آرٹیل اور ڈپو جلدی خالی ہو جاتے ہیں۔

۳۔ جناب فاروق کے فوجی چھاؤنی کے لئے احکام۔ سکذریہ کی سہل زندگی سے دوری۔ مصہر کے
دار الخلافہ کی مرکز اسلام سے نزدیکی ہر پہلو کو تفصیل کے ساتھ واضح کر دیا گیا ہے کہ ان سے سبق لیں

د - جناب عمرو بن عاص کی طرف سے اہل مصر کی دعوت۔ فاتحہ کی حفاظت، لوگوں کے ساتھ سلوک اور زندگی کے ہر پہلو کے لئے حضور پاکؐ ہمارے لئے سنت چھوڑ گئے، آپس میں چیزوں کو اپنا کر ہم آج بھی کھویا ہوا مقام حاصل کر سکتے ہیں۔
 ہ - برہنہ سر سے تو عزم بلند پیدا کر

یہاں فقط سر شاہیں کے واسطے ہے کھانا (اقبال)
 س - اہل یورپ کا یہ طریقہ ہے کہ مسلمانوں کی کوئی بات ان کو اچھی نظر آجائے تو اس کو وہ عرب روایات یا ان معنوں کی روایت سے وابستہ کر دیتے ہیں جو مسلمانوں نے فتح کے تمام مورخ خواہ ہی ہو یا گن یا ٹوان بی ہی ہو اور خواہ کلب ہو سب ایسا کرتے ہیں۔ ہم یہ اصل یاد رکھیں "عرب" مسلمانوں کے ہاتھ سے بدر کے مقام پر شکست کھا گئے۔ مصری و ایرانی اور تورانی بعد میں شکست کھا گئے ہم ایک ملت ہیں۔
 تان رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا

تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی

مٹا یا تیسرا سرئی کے استبداد کو جس نے

وہ کیا تھا؟ زور حیدر، فقر بوز، صدقِ سلمانی رضی
 (اقبال)

تیسرا باب

جناب فاروق اعظمؓ کی شہادت اور جناب عثمانؓ ذوالنورین کی خلافت

جناب فاروقؓ کی شہادت اسلام کی تاریخ کا ایک سانچہ عظیم ہے حضرت عمرؓ وغیروں کی سازش کے تحت شہید کیا گیا۔ شہید کرنے والا فیروز جو ابو لؤلؤ کے نام سے مشہور ہے، صرف ایک مہرے کے طور پر استعمال کیا گیا۔ اور شہادت کا اصلی سازشی ہرمزان ایک ایرانی جرنیل تھا اور اس کا ساتھی حیرہ کا ایک میاں تھا جس کا نام جفینہ تھا۔ باطل ہمیشہ مہروں کی تلاش میں ہوتا ہے اور ایرانی جرنیل ہرمزان جو مدینہ میں مقیم تھا۔ مجبوری کے تحت اوپر سے اسلام لایا تھا۔ دل سے مسلمان نہ ہوا تھا۔ جفینہ کی بھی کچھ ایسی حالت تھی کہ دونوں کی دوستی ہو گی۔

ہرمزان اور جفینہ

پہلی کتاب میں ہرمزان کا ذکر بھی آتا ہے۔ بے شک وہ رستم، نخیر جان، یا شاہ مردان کے پایہ کا جرنیل تو نہ تھا۔ لیکن فیروزان، ہرمزان اور جالینوس قسم کے جرنیلوں کی صف میں آتا تھا۔ اور لاکھ درہم کی ٹوپی ضرور پہنتا تھا اس کا ذکر تادیب کی جنگ میں بھی آیا تھا کہ وہ پتہ چلا گیا تھا اور جب مسلمانوں نے مدائن کی طرف پیش قدمی کی تو وہ بھی کچھ دستوں کی کمانڈ کر رہا تھا۔ بعد میں وہ جنوبی ایران یعنی خوزستان وغیرہ کی طرف چلا گیا اس علاقے میں اس کی جاگیر تھی۔ وہاں ایک دودھو شکست کھانے کے بعد مسلمانوں کے ساتھ سمجھوتہ کیا۔ لیکن اس پر قائم نہ رہا۔ وہ ابن الوقت اور بدعہد شخص تھا۔ جب بھی موقع ملا مسلمانوں کے خلاف کام کیا اور آخری دفعہ جب گرفتار ہوا تو پھر مسلمانوں کے سالار لشکر کے پاؤں پھر مار کسی طرح مدینہ پہنچ گیا کہ خلیفہ وقت سے معافی مانگنا چاہتا تھا۔ وہاں پر ہرمزان کو جب جناب عمر فاروقؓ کے سامنے پیش کیا گیا تو جناب عمرؓ نے فرمایا: "اے دشمنِ خدا! کیا تیرا کوئی اصول بھی ہے؟" تو ہرمزان نے اپنے اوپر کچھ پٹ طاری کر لی اور پانی پانی پکا زنا شروع کر دیا۔ تو اس کے لئے پانی ایک پیالہ میں لایا گیا۔ پھر کچھ ہوش و حواس کی شکل بنا

کر بکنے لگا۔ کہ وہ اپنی کہانی بیان کرنا چاہتا ہے لیکن اس کو ڈر ہے کہ جب وہ کہانی کے درمیان میں ہوگا تو اس کا سر نہ کاٹ دیا جائے۔ اس لئے اس کے ساتھ کم از کم یہ وعدہ تو کیا جائے کہ اس پیالہ میں جو پانی ہے اس کے پینے تک اس کو قتل نہ کیا جائے۔

جناب عمرؓ نے فرمایا کہ سنو! مسلمان اتنے ظالم نہیں وہ بڑے سے بڑے دشمن کو صفائی کا موقع دیتے ہیں۔ تو بڑی خوشی سے پانی پی اور پھر کہانی شروع کر۔ ہرمزان سننے پر سننے کے بعد پیلے کپانی زمین پر ڈال دیا اور بکنے لگا کہ وہ پانی ختم ہو گیا۔ وہ پانی اب وہ کبھی نہ پی سکے گا اور مسلمان اس کو قتل نہیں کر سکتے۔ وعدہ دیا گیا ہے کہ پانی پینے سے پہلے وہ قتل نہیں ہو سکتا۔

جناب عمرؓ نے فرمایا اے مکار! تیرا مکروقتی طور پر تیرے کام آیا۔ لیکن تو ایران نہ جاسکے گا کہ وہاں لوگ تیرے شر سے محفوظ رہیں۔ تو مدینہ ہی میں رہے گا اور اگر یہاں سے نکلنے کی کوشش کی تو قتل کر دیا جائے گا۔

جہاں تک حیرہ کے عیسائی جفیئہ کا تعلق ہے اس سلسلہ میں روایت ہے کہ وہ جناب سعدؓ بن ابی وقاص کا رضاعی بھائی تھا۔ اس سے زیادہ وضاحت نہیں ہے کہ جناب سعدؓ اپنے والدین کے ساتھ بچپن میں حیرہ سے گزے یا حیرہ سے کوئی قافلہ نکد شریف آیا جس میں جفیئہ اور اس کی والدہ تھی کہ کس طرح جناب سعدؓ کے خاندان کے ساتھ جفیئہ کے خاندان کا تعلق ہو گیا۔ جناب سعدؓ جب کوزہ میں گور نہ تھے تو اس زمانے میں تعلقات بڑھے ہونگے۔ کہ جفیئہ کو بھی مدینہ شریف میں رہنے کی اجازت مل گئی۔

فیروز ابولولو

فیروز جو ابولولو کے نام سے موسوم تھا۔ وہ بھی ایرانی تھا۔ اور عظیم صحابی جناب میزہ بن شعبہ کا غلام تھا۔ وہ بڑا ہنرمند تھا۔ آہن گری اور تقاشی وغیرہ کا کام کرتا تھا اور جناب میزہ بن شعبہ نے اس کو اجازت دے رکھی تھی کہ وہ جتنا چاہے کام کرے ہر روز کی کمائی سے دو دینار ان کو دے اور باقی اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔ لیکن فیروز کو بہ بات پسند نہ تھی۔ وہ جناب میزہؓ کو بہت تھوڑی رقم دینا چاہتا تھا۔ ایک دن فیروز کو بادر میں جناب عمر فاروقؓ نظر آئے تو

اس نے آگے بڑھ کر جناب عمرؓ سے شکایت کی کہ ان کے مالک جناب مغیرہؓ ان کی کمائی سے روزانہ دو دینار لے لیتے ہیں۔ جناب عمرؓ کو معلوم تھا کہ فیروز بہت کچھ کماتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ یہ رقم کچھ زیادہ تو نہ تھی، فیروز بہت کچھ کماتا ہے۔ یہ سن کر فیروز کے تیور بدل گئے جناب فاروقؓ کو سمجھ آگئی کہ وہ جذباتی آدمی ہے۔ اور ان کی بات کو اس نے پسند نہیں کیا۔ لیکن فیروز کے ساتھ سلسلہ کلام جاری رکھنے کی غرض سے اور اس کو کچھ تسلی دینے کے لئے جناب عمرؓ نے اس سے پوچھا: سنا ہے تو؟ چکن بڑی اچھی بنا ہے اگر ایک ایسی اچھی پن چکی میرے لئے بنا دو تو تمہیں خاطر خواہ مزدوری دے دیا جائے گی۔ فیروز سخت غصہ میں تھا کہنے لگا ایسی چکی بنا کروں گا کہ سب لوگ دکھیں گے۔ جناب عمرؓ سمجھ تو گئے لیکن انہوں نے بات کو ٹال دیا۔

جناب عمرؓ کی شہادت

ہرمزان اور جفینہ کسی ایسے ہی آدمی کی تلاش میں تھے، جس کے جذبات کو بھڑکایا جا سکے۔ فیروز ویسے بھی ہرمزان کو ملتا رہتا تھا۔ چنانچہ ہرمزان اور جفینہ نے فیروز کو بھڑکانا شروع کر دیا۔ اور فیروز جناب عمرؓ کو شہید کرنے پر تیار ہو گیا۔ ہم واقعات کی زیادہ تفصیل میں نہ جائیں گے۔ ایک روز صبح کے وقت جب جناب عمرؓ نماز پڑھا رہے تھے تو فیروز نے چھپ کر آپ پر سخت وار کیا۔ آپ سخت زخمی ہوئے اور ذوالحجہ تیسس ہجری کے آخری ایام میں یا مکرم حرم چوبیس ہجری کو زخموں کی تاب نہ لا کر وفات پا گئے۔ ویسے فیروز کے سامنے جو مسلمان بھی آیا۔ اس نے اس پر وار کیا۔ روایت ہے کہ نیرہ مسلمان زخمی ہوئے اور ایک صحابی جناب بکیر بن ابی بکرؓ سی شہید بھی ہو گئے۔ اور آخر میں فیروز نے خود کشتی کر لی۔ جو چھرا، اس نے استعمال کیا تھا وہ جناب عبدالرحمن بن ابوبکرؓ کا دیکھا ہوا تھا اور وہ ہرمزان کا تھا۔ اور کئی صحابہ کرامؓ نے گواہی دی کہ ہرمزان اور جفینہ، فیروز کے اس حملہ سے ایک دن پہلے ملے تھے اور فیروز کے ساتھ اس روز بھی سرگوشیاں ہوتی رہیں۔

سازشیوں کے ہدف

مسلمانوں کے مرکز پر وار ہمیشہ وہ لوگ کرتے ہیں جو اسلام کے ازلی دشمن ہوتے ہیں۔ ان میں

کچھ لوگ ظاہری طور پر اسلام کا لبادہ بھی اوڑھ لیتے ہیں۔ اور اپنی تاریخ کے بامقصد مطالعہ میں ہم اسی پہلو کو اجاگر کرنا چاہتے ہیں۔ کہ یہ سازش جاری و ساری ہے۔ اور اب بھی ہمارے اندر پنپ رہی ہے۔ بلکہ اب یہ سازش اتنی گہری ہے کہ سازش کرنے والے کھلم کھلا کسی باطل فلسفہ کا پرچار کر کے پوری قوم کو گمراہی کی طرف دھکیل دیتے ہیں۔ اور ان سازشیوں کے پاس اتنے ذرائع موجود ہیں اور ان کو باہر سے باطل والوں کی طرف سے اتنی امداد ملتی ہے کہ یہ لوگ ذہانت سے پھرتے ہیں۔ ان سازشیوں کا قلع قمع کس طرح کیا جائے یہ بڑا وسیع مضمون ہے۔

لیکن ایک بات یاد رکھیں کہ ان کتابوں کا سلسلہ شروع کرتے وقت ہم نے پہلی کتاب کے پہلے باب میں تمام تر توجہ وحدانیت اور مرکزیت پر دی تھی اور یہی اس باب کا عنوان تھا۔ پس یہ اصول یاد رکھیں کہ جو لوگ یا طاقت، ہمارے مرکز یا مرکزی قوت کے خلاف زبانی یا عملی وار کرے وہی اہل سازش ہیں۔ اور غیروں کے فلسفوں سے متاثر ہو کر اگر کوئی ایسا فلسفہ اپنالیں جو ہماری صفوں میں تفرقہ ڈالے تو وہ فلسفہ بھی غیر اسلامی ہے۔ اگر طریق انتخاب سے ہمارے بیچ تفرقہ پڑتا ہے جیسے ۷۰ء اور ۷۱ء میں پڑا، تو وہ طریقہ انتخاب غیر اسلامی تھا۔ اگر ہمارے کالجوں اور سکولوں میں خاکبازی یا مادیت پرستی کے سبق دیئے جاتے ہیں یا اسلامی فلسفہ حیات پر پردے ڈالے جاتے ہیں تو یہ تعلیم غیر اسلامی ہے۔ اگر ہمارے سکولوں میں ایسی معاشرت اور ثقافت چھائی جاتی ہے جس کا تعلق خطوں یا علاقوں سے ہو تو وہ سب غیر اسلامی ہے۔ کہ اسلام جزائری خطوں کی ثقافت کی غلامی کی اجازت نہیں دیتا۔

شہادت کے دن منانا

اسی طرح ہم قیروں کی نقل کر کے جناب فاروق اعظم کی شہادت کا دن منایئے ہیں، لیکن تمناؤں کا رد وائی بے مقصد ہوتی ہے۔ اسلام دن منانے کی بجائے عمل پر زور دیتا ہے۔ بے شک جناب عمر فاروقؓ کا ذکر کرنے سے بھی ہمارا ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ اور جناب علی المرتضیٰؓ فرمایا کرتے تھے کہ جب صالح لوگوں کا ذکر کرو۔ تو جناب عمرؓ کا ذکر ضرور کیا کرو کہ اس سے اپنے ایمان کو تقویت پہنچتی ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں کچھ اور ضروریات بھی ہیں۔ اور وہ یہ ہیں کہ ایسے دن منانے وقت جناب عمرؓ کی زندگی کی عملی مثالیں دے کر ان پر عمل کرنے کے وعدے کئے جائیں کہ ہم آئندہ اپنی زندگی اس

طرح گزاریں گے جس طرح حضرت عمرؓ نے گزاری۔ اس کے علاوہ نظر دوڑائی جائے کہ جو کچھ آج ہمارے ملک میں ہوتا ہے۔ اگر حضرت عمرؓ اس کو ایسا ہوتے دیکھتے تو کیا احکام دیتے۔ تو حکومت کو بھی ایسے احکام دینا چاہیے۔ بلکہ ان لوگوں کو تلاش کیا جائے جو اسلام کا لبادہ اوڑھ کر ہمارے اندر نفرت پیدا کر رہے ہیں۔ اور ان لوگوں کا محاسبہ کے انہیں کیفر کر دینا چاہئے۔

اسلام کا مثالی دور

حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے کو یا پہلے دونوں خلفاء راشدین کے زمانے کو اسلام کا مثالی دور کہا جاتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اس زمانے میں بڑی وحدت تھی۔ لیکن فی الحال ہم اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے کہ بعد کے دو خلفائے راشدین کے زمانے میں اس وحدت کو اس طرح قائم کیوں نہ رکھا جاسکا۔ ہم ان حالات کا جائزہ واقعات کی پیش رفت سے پیش کریں گے۔ اور یہاں پر جناب علی المرتضیٰؓ کے بیان کو کافی سمجھیں گے۔ آپ سے کسی نے پوچھا کہ پہلے دو خلفائے راشدین کا زمانہ بڑا اچھا تھا بعد میں حالات میں کیوں تبدیلی آگئی۔ تو آپ مسکوا دیئے اور فرمایا۔ ان کے مشیر ہم تھے اور ہمارے مشیر آپ ہیں۔

ہمارے لئے سب صحابہ کرامؓ عظیم ہیں اور خالص کر عشاء مبشرہ اور چار یاروں کی عظمت کے سلسلہ میں دوسری کتاب میں سیر حاصل تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ کچھ مشینت ایزدی کی بات بھی ہوتی ہے۔ کہ اسلام عملی طور پر اسی طرح مثالی دور کا مظاہرہ کرتا رہتا اور باطل بالکل دب جاتا۔ تو شاید اس دنیا کا کھیل تماشہ، کب کا ختم ہو چکا ہوتا ہر طرف سے اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے نام کی صدا بلند ہو رہی ہوئی اور خیر ہی خیر ہوتی۔ تو پھر عالم خلق اور عالم امر میں کیا فرق رہ جاتا اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں خیر اور شر کو ساتھ ساتھ رکھ کر ہمیں امتحان کے لئے بھیج دیا ہے۔ لیکن اگر شر یا باطل ختم ہو جاتے اور مثالی دور ہوتے تو پھر امتحان کیسے ہوتا۔ بہر حال یہ بڑی گہری باتیں ہیں اور ہمارا یہ تجزیہ بھی شاید صحیح ہے یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو سب کچھ حق کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور خود فرماتا ہے۔ رَبَّنَا مَا خَلَقْنَا هَذَا بَاطِلًا اے ہمارے رب تو نے یہ باطل پیدا نہیں کیا۔ ہاں امتحان یہ ہے کہ ہم حق کو پہچان سکیں اور وہ بھی عاجزی کے ساتھ اس کے دربار میں عرض کرتے رہیں کہ اے رب العالمین۔ تیرا لاکھ لاکھ شکر کرتے رہیں اپنے حبیب کا امت میں

پیدا کیسے۔ اب حق کے راستے میں تو مہربانی سے ہماری مدد کر اور ہمیں ہر اطمینان پر چلا اور ہم
خاتمہ بانی کی دعا بھی مانگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا نظام عجیب و غریب ہے اور ہمارا سارا بیان و بات
کے لحاظ سے صحیح کرامت کے اعمال اور بیانات پر مبنی ہے۔ اس سلسلہ میں پہلی کتاب میں گزارش کر
دی گئی ہے کہ صحیح کرامت کے تمام اعمال اور بیانات قرآن پاک کے احکام اور حضور پاک کی سنت
کے مطابق ہیں۔ جو چیز ان اصولوں کے باہر ہو وہ حضور اکرم کے عظیم رفق
کامل یا بیان نہیں ہو سکتا۔ یہ اہل علم ہیں اور لوگوں کے اسکل پھوپھی بیانات ہیں۔ اور صحیح حالات کو
بجھنے کے لئے سب سے پہلے اپنے آپ کو قرآن پاک کے تابع کرنا پڑتا ہے۔

تیسرے ضمیر یہ جب تک نہ ہو زردی کتاب۔ گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشف
(اقبال)

حضرت عمر کے زمانے میں سلطنت کی وسعت

نقشہ پنجم کسی حد تک حضرت عمر کے زمانے میں اسلامی سلطنت کی وسعت کی نشاندہی کرتا ہے
مشرق میں اسلامی لشکر نہادند سے نکل کر ایک طرف دیرپے سندھ تک شمال میں دریائے چناب تک
اور مغرب میں بردہ اور طرابلس تک پھیل چکے تھے۔ بہر حال کچھ تجسس والے طالب علموں کو طول و عرض
یعنی لہائے بحر طرائفی میں بھی ڈیپٹی ہوتی ہے۔ تو وہ حساب اس طرح بنتا ہے کہ اگر مشرق کوئی ۸۰۰
میل تک مشرق کی طرف ۱۰۰۰ میل شمال کی طرف ۱۰۰۰ میل اور شمال مغرب میں مصر کی طرف اگر صرف بردہ
تک فاصلہ ناہیں تو ایک ہزار میل کے قریب بنتا ہے۔ گو طرابلس آگے اور ہزار میل دور تھا یہ نقل سلطنت کی وسعت
لیکن جناب عمر کو زیادہ نگرانی اس بات کی تھی کہ اس سلطنت کو قائم کیسے رکھا جائے اور اسلامی فلسفہ
حیات پر عمل کو کس طرح جاری و ساری کیا جائے تاکہ متفرق علاقے کے لوگ مسلمانوں کے کردار اور فلسفہ
حیات کو اپنانے کی صحیح مثال سے متاثر ہو کر اللہ کے دین میں شامل ہو جائیں۔ جب تک مسلمانوں میں
کے کچھ لوگ اس فلسفہ حیات کو جاری نہ کریں گے تو آگے ملک فتح کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ اسلام
کا مقصد حق کو لانا ہے اور اگر گھر میں حق نہ ہو تو آگے بڑھے کہا کیا فائدہ۔ لیکن جس چیز نے حضرت عمر
کو زیادہ فکر مند کیا وہ گرد و بندی تھی۔

گروہ بندی یا جماعت بندی

گروہ بندی یا جماعت بندی ایک ہی چیز ہے حضور پاکؐ نے اس سلسلہ میں سختی سے منع فرمایا اور آپؐ نے واضح کر دیا کہ مسلمانوں میں کوئی گروہ یا الگ الگ جماعت نہیں رہے اور اس زمانے میں تو جماعت بندی نظر نہیں آتی تھی اور کچھ لوگ شاید سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ مسلمانوں میں بھی گروہ ہو سکتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے بھی اس کو اپنی نگہوں سے دیکھا اور طبری کے مطابق حضرت عبداللہؓ بنے عباسؓ کی روایت کو ہم لفظ بہ لفظ نقل کر رہے ہیں:-

”مجھے یہ اطلاع پہنچی ہے کہ تم نے (مخصوص) مجلسیں قائم کر رکھی ہیں۔ یہاں تک کہ جب دو اشخاص بھی کہیں بیٹھتے ہیں، تو یہ کہا جاتا ہے کہ وہ فلاں کے ساتھیوں میں سے ہیں۔ اور وہ فلاں کا ہم نشین ہے۔ یہاں تک کہ ہر طرف مجالس و محافل کی کثرت ہو گئی ہے۔ خدا کی قسم! یہ چیز تمہارے دین و مذہب میں تیزی کے ساتھ پھیل رہی ہے۔ نیز تمہاری عزت و شرافت اور خود تمہاری ذات میں بھی ذخیل ہو رہی ہے۔ مجھے وہ زمانہ نظر آ رہا ہے کہ تمہارے بعد جو آئیں گے۔ وہ یہ کہیں گے۔ یہ فلاں کی رائے ہے۔ یہ لوگ اسلام کو کئی حصوں میں بانٹ دیں گے۔ تم اپنی مجالس کو وسیع کرو اور مل کر بیٹھا کرو۔ اس طرح تمہارا اتحاد و اتفاق ہمیشہ قائم رہے گا اور دوسرے لوگوں میں تمہارا رعب زیادہ قائم رہے گا۔“

ہم اس پر کوئی تبصرہ نہ کریں گے۔ صرف ایک سوال پوچھیں گے کہ کیا یہ پڑھنے کے بعد مسلمان کسی گروہی سیاست یا فرقہ بندی کے چکر میں پڑ سکتا ہے؟ اگر اس روایت پر یقین نہ آئے تو قرآن پاک کی سورۃ انفام کی آیت ۱۵۹ پڑھیں۔ ”تعمیق جن لوگوں نے لکڑے کیا دین اپنے کو اور ہو گئے گروہ۔ گروہ نہیں تو ان میں سے“

ببین الاقوامی تعلقات

جناب فاروقؓ کے زلزلے میں ایران کی سلطنت کا ترخاتمہ ہو گیا۔ لیکن روم کی سلطنت باقی تھی۔ ہرقل کا پوتا قسطنطین تخت کا وارث ہو گیا تھا اور اکیس ہجری کے بعد مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان

بھول کی شدت میں کچھ کمی آگئی تھی۔ کچھ باہمی قاصد اور سفیر بھی مدینہ شریف اور قسطنطنیہ کے مابین چکر لگاتے رہے۔ شروع میں روم کے ارباب حکومت یہ سمجھتے تھے کہ عرب ملکوں کے لوگ بڑے سے ننگ آکر اور متحد ہو کر ان پر حملہ بول رہے ہیں۔ اور یہی بات اس "تہذیب یافتہ" زمانے میں جناب آرنلڈ صاحب کو نظر آئی جو اہل مغرب کے ایک عظیم دانشور مانے جاتے ہیں۔ بہر حال ہم اس زمانے کا ذکر کر رہے ہیں تو روم کی سلطنت میں دوبارہ جب کچھ جان پیدا ہوئی تو انہوں نے اپنے علم کے ذریعے مسدول کومات کر دینے کی کوشش کی اور یہ کوشش گواہی کے زمانے میں کامیاب نہ ہوئی لیکن مہاسیہ خاندان کے زمانے میں پھر شروع کی گئی اور ہمارے اندر معتزلہ اور حبرہ و قدریہ فرستے پیدا ہو گئے اور آج کل بھی یہ سازش جاری ہے۔

بہر حال اس زمانے میں قیصر روم نے جناب عمرؓ کو خط لکھا کہ ایک ایسا جامع متوزن تحریر کریں جس میں میرے لئے بڑا علم ہو۔

جناب عمرؓ نے جواب دیا۔ "جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو، وہی دوسروں کے لئے پسند کر دو" اس کے بعد شاہ روم نے ایک بوتل بھیجی اور جناب عمرؓ کو لکھا کہ آپ کے ملک میں جو جو چیز موجود ہے اس کا ایک ایک نمونہ اس بوتل میں ڈال دیں جناب عمرؓ نے اس بوتل میں پانی ڈال دیا اور لکھا کہ اس میں دنیا کی ہر چیز کے سب اجزاء موجود ہیں۔

حق و باطل میں فرق

اس کے بعد شاہ روم کی طرف سے ایک خط آیا خط میں لکھا تھا کہ مسلمان اپنے آپ کو اہل حق کہتے ہیں تو ایک عام آدمی حق و باطل میں فرق کیسے سمجھیں کرے گا جناب عمرؓ نے فرمایا کہ حق، سچ کی طرح نظر آتا ہے اور باطل جھوٹ کی طرح پوشیدہ ہوتا ہے۔ اسی طرح شاہ روم نے کئی اور سوالات کئے کہ آسمان اور زمین میں کتنا فاصلہ ہے تو جناب عمرؓ نے ان دنوں نے کئی سو سالوں کی مسافت کا ذکر کیا کہ جناب عمرؓ نے زمانہ و مکاں کے حساب کو صرف "زمانہ" کے الفاظ میں بیان کیا جیسے دنیا آج اس بات پر پہنچی ہے کہ فلان مسافر یا سیارہ زمین سے اتنی "روشنی" کے سال دور ہے یا اتنے "توزنی سال" دور ہے یعنی طویل کی مسافت کو "زمانہ" سے بیان کیا جانا ہے اور ہم چوتھی کتاب میں اس کی مزید وضاحت کو چھوٹے

تحفے مخالف

طبری کے مطابق روایت ہے کہ روم کی شہزادی نے جناب ام کلثومؓ زوجہ عمر فاروقؓ کے لئے ایک قیمتی ہار تحفہ کے طور پر بھیجا جناب ام کلثومؓ نے شاہ روم کی پوری کے لئے کچھ خوشبوئیں اور باقی تحائف بھیجے۔ حضرت عمرؓ مقرر تھے کہ لار زیادہ قیمت کا ہے اور جو تحفہ جناب ام کلثومؓ نے بھیجا ہے ان سے بڑھ کر جتنی قیمت ہار کی زیادہ ہے اتنے پیسے جناب ام کلثومؓ بیت المال میں جمع کرائیں کہ ان کو یہ تحفہ اس لئے ملا کہ وہ مسلمانوں کے امیر کی زوجہ محترمہ ہیں اور حضرت عمرؓ نے اس سلسلہ میں مجلس مشاورت بھی طلب کی اور سب کی رائے تھی کہ یہ معمولی بات ہے لیکن جناب فاروقؓ نے حکم دیا کہ حساب کتاب اور محاسبہ ضروری ہے اور ان کے گھر بھی یہ حکم لاگو ہوگا اور آپ اپنے فیصلہ پر قائم رہے۔

تبصرہ

ہم حضرت عمرؓ کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں اور ان کی شہادت کے دن مناتہ ہیں تو اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ان کے فیصلوں پر عمل کرنا بھی سیکھیں اور اس پر اتنا تبصرہ ہی کافی ہے لیکن علمی بحث کے سلسلے میں بڑی ضرورت ہے کہ غیروں کی سازش کے تحت ہم مقبول بحثوں سے گریز کریں۔ جلال مصطفیٰؐ کے پیش لفظ میں ایسی ہی مقبول بحثوں اور تفرقوں کا ذکر کیا گیا ہے کہ جناب عمرؓ نے مختصر جواب دیئے اور اپنی طرف سے کوئی سوال نہ بھیجا۔ قرآن پاک میں حکم ہے کہ ایسے مشکل مسائل میں انہی لوگوں کو پڑنا چاہیے جو علم میں پختہ ہوں اور ہم جیسے انکل پچو والے لوگوں کے اجتہاد یا اپنی زنگ آرد فکر کو آگے نہیں بڑھانا چاہیے۔

اجتہاد یہ کرنے جس کو ضرورت ہو اور جو اس کے تباحیح کا نفاذ کر سکے۔ میں گنہگار ہوں لیکن خدا کی قسم! مجھے تو آج تک اسلام میں کوئی تفرقہ نظر نہ آیا۔ اور نہ کوئی اختلاف۔ مجھے تو اس باغ سے خوشبو ہی خوشبو آئی اور سر چہیز کا جواب قرآن پاک، حضور پاکؐ کی سنت اور بزرگوں کے اقوال میں مل گیا اور

میرے لئے اسلام کے بڑے بڑے سر کے تاج میں میں تو سب کا مقلد ہوتے ہوئے بھی
ایک راستے پر چلا اور ان کتابوں کے سلسلہ میں اگر فارغین کے سامنے میں نے کوئی ایک عملانی
مسئلہ پیش کیا یا تصاویر سیانی سے کام لیا تو وہ اس کی نشاندہی کریں نہ ظاہر ہے کہ قوم خواہ مخواہ غیروں کی سازش
کی وجہ سے تفرقہ میں گرفتار ہے۔

حکمت مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی۔ ^{ٹھوڑے ٹھوڑے جس طرح سونے کو کوڑتیل سے گماز}
(اقبال)

جناب فاروق کی جانشینی

حضور پاکؐ کی وفات کے بعد خلیفہ اول کی جانشینی کو پہلی کتاب میں زیر بحث لایا جا چکا ہے
اور جناب صدیق اکبرؓ نے وفات سے پہلے جناب فاروقؓ کو نامزد کیا جس کا ذکر دوسری کتاب میں ہو چکا
ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ان کے سامنے دو مثالیں موجود ہیں یہ پہلی حضور پاکؐ کی اور وہ اس طرح
کر سکتے ہیں لیکن پیغمبر کا مقام بہت بلند ہے ان رازوں کو ہم نہیں سمجھتے کہ حضور پاکؐ نے سیدھی طرح جانشین
کا نام کیوں نہ لیا پھر جناب صدیق اکبرؓ کی مثال موجود ہے اور میں بھی کسی کو نامزد کر سکتا ہوں لیکن میرا وہ
مقام نہیں جو صدیق اکبرؓ کا تھا میں نامزدگی کے سلسلے میں غلطی کر سکتا ہوں اس لئے میں یہ کام حضور پاکؐ
سے عظیم رفقہ کے سپرد کئے جاتا ہوں جو میرے اور صدیق اکبرؓ کے مشیر ہے۔ اس کے لئے طریق کار یہ ہوگا
کہ میرا بیٹا عبداللہؓ اس مجلس مشاورت کا ردیف ہوگا کہ وہ مجلس مشاورت کو اکٹھا کرے گا لیکن نہ وہ
خلافت کے لئے دئے دئے کے گانہ خود اس کا امیدوار ہوگا۔

مجلس مشاورت

میں اس کام کے لئے حضور پاکؐ کے عظیم رفقہ میں سے چھ اشخاص کو مقرر کرتا ہوں۔ اور وہ جناب
عبدالرحمن بن عوفؓ، جناب عثمان بن عفانؓ، جناب علی بن ابی طالبؓ، جناب سعد بن ابی وقاصؓ،
جناب طلحہ بن عبید اللہؓ اور جناب زبیر بن عوامؓ ہوں گے اور ان میں سے آپس میں صلاح و مشورہ کے
بعد ایک صاحب کو مسلمانوں کا امیر چنا جائے گا جناب طلحہؓ مدینہ میں موجود نہیں ان کا دو تین دن

انتقاد کیا جائے گا۔ اور اگر نہیں آتے تو پھر باقی پانچ صاحبان مل کر فیصلہ کریں گے۔ اور جب فیصلہ ہو جاتا ہے کہ فلاں امیر ہیں تو اس کے بعد جو اس فیصلہ کو تسلیم نہیں کرتا اس کا سروہ میں قلم سر دینا کہ ایسا آدمی مزید فتنہ و فساد کو نہ بڑھائے۔ ان دنوں نماز کی امامت جناب صہیب بن سنان رومی کریں گے کہ ان کا کسی کے ساتھ خون کا رشتہ نہیں اور امامت کے سلسلہ میں ان دو تین دنوں میں اختلاف نہ ہو۔ آپ نے ان دو تین دنوں کے لئے فوجی امارت جناب ابو طلحہؓ انصاری کے سپرد کی کہ مدینہ میں امن و امان قائم رکھنے کی ذمہ داری ان کی ہوگی۔ وہ اپنے ساتھ دو سو مجاہدین کو رکھیں گے وہ خود یا ان کا نمائندہ اور چند مجاہد اس جگہ پر متعین کئے جائیں گے جہاں عظیم صحابہؓ صلاح و نزرے میں لگے ہوں گے تاکہ کوئی اور آدمی اگر ذرا غل نہ ہو۔ یا کوئی اثر ڈالنے کی کوشش نہ کرے۔ جناب ابو طلحہؓ کے مجاہد مدینہ میں امن و امان قائم رکھیں گے کہ لوگ چہرے گریوں سے پرہیز کریں اور کسی جگہ گزہ بندی کا مظاہرہ نہ ہو۔ جناب ابو طلحہؓ بیعت عقبہ ثانی میں شریک ہو چکے تھے۔ آپ بلند آواز شاعر اور بڑے بہادر تھے۔ حضور پاکؐ کے زمانے میں اور بعد میں بھی جہاد میں شریک ہو چکے تھے۔ اور آپ اس کام کے لئے موزوں تریں تھے کہ انصار تھے اور مجلس مشاورت میں صرف مہاجرین تھے جناب عمرؓ نے مجلس مشاورت کو حکم دیا کہ تین دن کے اندر اندر امامت کا فیصلہ کریں گے اور اگر ایسا نہ کریں گے تو خدا اور رسولؐ کے سامنے سب برابر کے جوابدہ ہوں گے کہ قوم کو تفرقہ میں ڈال دیا۔

تبصرہ

اب ان ہدایات کو بار بار پڑھیں کہ کتنی مکمل ہیں اور ان میں کتنا فلسفہ ہے۔ کتنی فیصلہ کن ہیں۔ کتنی وحدت فکر ہے اور عملی باتیں کتنی اصولی ہیں۔ ان ہدایات کی وضاحت کے لئے کئی مضامین لکھے جاسکتے ہیں۔ اور ایک لفظ بھی اختلافی نہیں۔ ان ہدایات کی مطابقت میں جو روایت کہیں تاریخ میں نظر آجائے اس کو تو ہم تسلیم کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن جو روایت یا کہانی ان ہدایات کی مطابقت نہیں کرتی ہم اس کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں اس لئے اس سلسلے میں ہمارے سامنے جو روایات آئی ہیں ان کا تجزیہ ضروری ہے تاکہ ہم روایات کے با مقصد مطالعہ یا تحقیق کے امور کو بہتر طور پر سمجھ سکیں۔

علا آپ جناب انس بن مالکؓ اسلام کے عظیم نقیہ کے تریبی رشتہ دار تھے۔

شکبہ روایتوں کا تجزیہ

حضرت عبدالقدیر عباسی حضرت عمرؓ کے بڑے قریب تھے اور حضرت عمرؓ ان کے علم سے بھی متاثر تھے۔ کچھ مورخین نے جناب عبداللہؓ کا نام استعمال کر کے کچھ صحابہ کے بارے میں فرمایا کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو آپؐ ان میں سے کسی ایک کو خلیفہ نامزد کرتے۔ ان صحابہ میں جناب سالمؓ مولانا جناب ابو خذیفہؓ، جناب معاذ بن جبل اور جناب ابو عبیدہ بن جراح کے اسماء گرامی کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اول تو اس روایت پر اس وجہ سے شک پڑ جاتا ہے کہ یہ روایت جناب عمرؓ کی خلافت کے سلسلہ میں آخری وصیت سے مطابقت نہیں رکھتی کہ آپؐ نے فرمایا حضور پاکؐ نے جانشین نامزد فرمایا۔ صدیق اکبرؓ نے نامزد فرمایا لیکن میں اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں سمجھتا اور حضور پاکؐ کے رفقاء میں سے جو بہترین صحابہ اس سلسلہ میں مجھے نظر آئے ان کو یہ فرض سوچے جاتا ہوں۔ تو نامزدگی دلی روایت یہاں ہی ختم ہو جاتی ہیں لیکن آگے بڑھیں اور جو اسمائے گرامی ذریعہ بحث آتے ہیں ان کے بارے میں کچھ اور معلومات کا جائزہ لیں۔

جناب سالمؓ مولانا ابو خذیفہؓ

آپؓ مکی بھی ہیں مدنی بھی ہیں۔ شجرہ نسب کی تفصیل موجود نہیں سوائے اس کے کہ والد کا نام معقل تھا اور آپؓ اصطفیٰ یعنی جنوزی فارس کے رہنے والے تھے اور مدینہ میں تبیثہ بنت یعار انصاریہ کے منام تھے۔ انہوں نے بچپن میں ہی آزاد کر دیا۔ آپؓ کو چلے گئے۔ وہاں جناب ابو خذیفہؓ کو اپنا ولی بنا لیا۔ اور ان کی بیوی سہلہ بنت سہیل کوماں۔ اسی دوران جناب ابو خذیفہؓ نے اسلام لے آئے تو سالمؓ بھی اسلام لے آئے اور بلوغت کو بھی پہنچ گئے۔ حضور پاکؐ کی خاص اجازت سے جناب سہلہؓ نے ان کو اپنا بیٹا بنا لیا اور ابو خذیفہؓ نے متینا۔ پھر آپؓ نے ہاجرین کے ساتھ مدینہ ہجرت کی۔ آپؓ حافظ قرآن تھے اور قرآن پاکؐ کی آیات کو جلد ہی یاد کر لیتے تھے۔ آپؓ نے مکہ و مدینہ دونوں گھروں پر کئی دفعہ ایسے عظیم صحابہؓ کی امامت کی جن میں حضرت عمرؓ بھی شامل تھے۔ آپؓ حضور پاکؐ اور جناب سہلہؓ کے زمانے میں ہرجنگ میں شریک ہوئے اور جنگ ینامہ میں اپنے ولی ابو خذیفہؓ کے

ساتھ ہی شہید ہوئے جناب ابو خدیفہؓ کی شان کو جلال مصطفیٰؐ میں بیان کیا جا چکا ہے کہ باپ
 عقیبہؓ چچا شیبہ اور بھائی ولیدؓ میزوں جنگ بدر میں مارے گئے کہ کفار کے علمبردار تھے اور جناب ابو خدیفہؓ مسلمانوں میں شامل تھے
 حضرت عمرؓ ابو خدیفہؓ اور سالمؓ دونوں سے بہت متاثر تھے کہ جناب ابو خدیفہؓ نے بعد میں اپنی بھتیجی اور
 ولیدؓ کی بیٹی کے ساتھ جناب سالمؓ کی شادی کرادی اور اپنے خاندان کا آدمی بنا دیا جب آپؐ شہید
 ہوئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جناب سالمؓ بڑے اچھے حافظ اور مسلمانوں کے امام تھے۔ تو اس
 وجہ سے بعد میں اس کہانی میں اضافہ کر دیا گیا کہ خلافت کے لئے بھی موزوں تھے۔

جناب معاذ بن جبل

آپ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ آپ انصاری تھے۔ اسلام کے عظیم عالم۔ دوسری کتاب میں ہم اکثر
 آپ کا ذکر کر چکے ہیں۔ اور جلال مصطفیٰؐ میں بھی آپ کا ذکر موجود ہے۔ حضور پاکؐ بھی جناب معاذ بن جبل
 کی فراست کی تعریف فرما چکے تھے۔ جب طاعون میں حضرت معاذؓ نے وفات پائی تو جناب عمرؓ نے فرمایا کہ آپؓ
 مسلمانوں کے عظیم عالم اور امام تھے۔ چنانچہ اس کہانی میں بھی بعد میں اضافہ کر دیا کہ آپؓ خلافت کے لئے
 بھی موزوں تھے۔

تبصرہ

کسی سے متاثر ہونا الگ بات ہے۔ لیکن امارت کے لئے مقرر کرنا الگ بات ہے۔ جناب عمرؓ
 نے معاذ بن جبل کو اپنی خلافت کے زمانے میں کوئی الگ امارت بھی نہ دی ماس لئے ہمیں اس
 روایت میں شک ہے۔ معاذ بن جبل کی عظمت اپنی جگہ ہے اور وفات کے بعد ویسے بھی عرفِ عظمت
 کی باتیں کرنا چاہیے۔ حضرت عمرؓ جناب ابوذر غفاریؓ اور جناب بلالؓ سے بھی بہت متاثر تھے اور
 جناب بلالؓ کو بھیج کر جناب خالدؓ کو امارت سے سبکدوش کیا۔ جناب بلالؓ اس وقت وفات پا چکے
 تھے لیکن جناب ابوذر غفاریؓ زندہ تھے۔ ان کو جناب عمرؓ میرے آقا بہرہ پرکارتے تھے۔ لیکن نہ آپؓ کو

خلافت کے لئے نامزد کیا نہ مشاورت میں آپ کی ثنویت کا ذکر کیا۔ ہم نے اس تجزیہ کی ضرورت اس لئے سمجھی کہ ہمارے ملک کے ایک بہت بڑے عالم نے صاف طور پر لکھ دیا کہ اگر جناب سالم زندہ ہوتے تو حضرت عمرؓ اپنی کو خلیفہ مقرر کرتے اور تجزیہ اتنا بھی نہیں کیا کہ جناب سالم کون تھے۔ ان کو حضرت عثمانؓ کا آزاد کردہ غلام لکھ دیا۔ ہر حال ہم یہ چیز سوچ بھی نہیں سکتے کہ حضرت عمرؓ عشرہ مبشرہ سے باہر جاتے۔ وہ تو سب سالاری کے لئے بھی عشرہ مبشرہ کو ترجیح دیتے تھے۔

جناب ابو عبیدہؓ بن جراح

حضرت عمرؓ نے جناب ابو عبیدہؓ بن جراح کے بارے میں اگر یہ کہہ دیا ہو کہ وہ ان کو نامزد کرتے تو یہ محکمانت میں سے ہے۔ آپ جناب ابو عبیدہؓ سے بہت متاثر تھے۔ آخری وقت ان کو ملک شام سے نکالنے کی بھی گشتش کی کہ طاعون سے بچ جائیں۔ جس کا ذکر دوسری کتاب میں ہو چکا ہے۔ آپ حضور پاکؐ کے زمانے میں جناب ابو عبیدہؓ کے ماتحت ایک ہم میں کام کر چکے تھے جنہوں نے حضور پاکؐ کی وفات کے بعد بھی آپ جناب ابو عبیدہؓ کے پاس گئے اور عرض کی کہ آپ امین الامت ہیں اور خلافت سنبھالیں۔ تو جناب ابو عبیدہؓ نے فرمایا کہ صدیقؐ کے ہوتے ہوئے کوئی اور اس کا اہل نہیں۔ یہ سب کچھ پہلی کتاب میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ اور ممکن ہے کہ آپ نے جناب ابو عبیدہؓ کے سلسلہ میں کچھ فرمایا ہو یا لوگوں نے پھیلے واقعات کے تانے بانے ملا کر یہ بات اپنی طرف سے کہہ دی ہو۔ ہمارا تجزیہ یہ ہے کہ جناب عمرؓ وہی کچھ کرتے جو انہوں نے کیا۔ آپ جناب عثمانؓ اور جناب علیؓ کی عظمت کو سمجھتے تھے۔ عشرہ مبشرہ کے باقی صحابہ کی عظمت کو بھی سمجھتے تھے اور جناب ابو عبیدہؓ اگر زندہ ہوتے تو ان کو بھی مشاورت میں ضرور شریک کرتے۔ لیکن یہ تسلیم کرنا مشکل ہے کہ آپ عشرہ مبشرہ کے ہوتے ہوئے جناب سالمؓ یا جناب معاذؓ کو عشرہ مبشرہ پر ترجیح دیتے۔ بلکہ آپ حضور پاکؐ کے چچا جناب عباسؓ کی بہت زیادہ عزت کرتے تھے۔ عمرؓ رسولؐ کی اپنی شان تھے اور جب بھی وہ آتے تھے تو حضرت عمرؓ کھڑے ہو جاتے تھے اور ان پر بچھے جاتے تھے کہ چچا آپ کے برابر تو ہے۔ جناب عباسؓ بھی

اس وقت زندہ تھے اور مدینہ میں موجود تھے۔ لیکن آپ نے ان کو مشاورت میں بھی شامل نہ کیا۔ یہی نہیں بلکہ اپنے بہنوئی سعید بن زید کو بھی مشاورت میں شامل نہ کیا اور نہ ہی ان کا ذکر کیا۔ وہ مدینہ سے باہر ہو سکے ہیں لیکن جناب طلحہؓ کی طرح ان کا ذکر تو ہو سکتا تھا۔ آپ بھی عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں اور آپ کی وجہ سے جناب عمرؓ اسلام میں داخل ہوئے اور آپ نے اس وقت تک زندہ تھے۔ اس سب بیان میں بڑا مقصد یہ ہے کہ ہم حضرت عمرؓ کی شان کو سمجھنے کی کوشش کریں کہ ان کے لحاظ سے وہی لوگ خلافت کے زیادہ مستحق تھے جن کو انہوں نے مشاورت کے لئے نامزد کیا اور ان کے لحاظ سے ان میں لا فخر فی بینہم اُحد۔ والی بات تھی تو ہمارا اصول بھی یہی ہونا چاہیے۔

مزید شکیسہ روایت

اب اگر راوی اپنی باتوں تک اکتفا کرتے تو شاید امت میں تفرقہ کچھ کم ہوتا۔ لیکن بعض مورخین نے حضرت عمرؓ کے منہ میں کچھ ایسے الفاظ ڈال دیے کہ وہ کسی کو بھی خلافت کے لئے موزوں نہ سمجھتے تھے۔ پرائے مورخین نے تو ایسی باتوں کا ذکر نہیں کیا۔ لیکن یہ باتیں اس زمانے کی تاریخوں میں موجود ہیں۔ اس لئے ان کا ذکر ضروری ہے۔ ورنہ جب یہ باتیں پرانی تاریخوں میں موجود نہیں تو دراصل ان کے بارے میں سوچنا بھی صحیح نہیں۔ بہر حال یہ روایات بھی جناب عبداللہ بن عباسؓ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں کہ انہوں نے بیماری میں جناب عمرؓ سے متوقع خلفاء کے بارے میں پوچھا کہ کسی ایک کو نامزد کیوں نہیں کر دیتے۔ تو جناب عمرؓ نے سوال کیا کہ کس کو نامزد کروں؟

جناب عبداللہ بن عباسؓ سے سعد بن ابی وقاص فاتح ایران کو۔

جناب عمرؓ وہ بڑے بہادر ہیں لیکن اس کے زمانے میں عراق کا انتظام نہ سمجھال سکے اور ان کو کوفہ کی گورنری سے سبکدوش کرنا پڑا۔ پورے عالم اسلام کے معاملات کو سمجھانا ان کے لئے مشکل ہے۔

حضرت عبداللہؓ تو پھر جناب طلحہؓ کے بارے میں کیا دانتے ہے؟

جناب عمرؓ۔ ”وہ صاحب احد ہیں۔ ان کی شان بہت بلند ہے۔ لیکن کسی کسی وقت ان میں حسد یا نجسیت آجاتی ہے۔ اس لئے یہ نظام نہ سمجھال سکیں گے۔“

جناب عبداللہؓ۔ ”جناب زبیر بن عوام کیسے رہیں گے؟“

جناب عمرؓ: "بہت بہادر شخص ہے لیکن امدارت کا تجربہ نہیں۔ ذاتی بہادری کی وجہ سے خود پسند ہو گئے ہیں۔ اس لئے کامیاب نہ ہو سکیں گے۔"

جناب عبداللہؓ: "حضرت عثمانؓ کیسے رہیں گے؟"

جناب عمرؓ: "بہت نیک، حیا دار اور تقویٰ والے ہیں لیکن ڈر رہے کہ ان کے خاندان کے لوگ یعنی بنو امیہ حکومت پر چھا جائیں گے۔"

جناب عبداللہؓ: "حضرت علیؓ کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

جناب عمرؓ: "موزوں ترین شخص ہیں۔ لیکن ان کے دل میں خلافت کی چاہت رہی ہے۔ اور جس چیز کے ملنے کی چاہت رہے جب وہ مل جائے تو اس کو نبھانا مشکل ہو جاتا ہے۔"

جناب عبداللہؓ: "اب صرف جناب عبدالرحمنؓ باقی رہ گئے ہیں ان کے بارے میں بھی بتائیں۔"

جناب عمرؓ: "ہاں وہ خلافت کے لئے موزوں ہیں۔ لیکن وہ بوڑھے ہیں ان کی عمر ان کے ساتھ اتنا وفانہ کرے گی۔"

تبصرہ اور تجزیہ

اوپر دئے جانے والے پڑھ سزا ایک وفد تو انسان ان باتوں کو صحیح تسلیم کر لے گا کہ جس کسی کی یہ ذہنی اختراع تھی اس کے لفظ بڑے سچے تسلیم میں حضرت عمرؓ نے سب کی تعریف میں کی اور ایک آدھ نقص نکال کر سب کو خلافت کیلئے موزوں نہ سمجھا۔ اور دراصل ایسی ہی باتوں سے تفریق پیدا کیا جاتا ہے اول تو ہم ساری کہانی کو تسلیم نہیں کرتے کہ جناب عمرؓ کسی کی غیر حاضری میں اس کے بارے میں ایسے الفاظ استعمال کریں جو ان کے منہ پر نہ کہہ سکیں۔ اور یہاں تقریباً سب عظیم ہستیوں کے بارے میں ایسے الفاظ موجود ہیں جو حضرت عمرؓ ان کے منہ پر نہ کہتے۔ اس کو اسلام میں نگلا کہتے ہیں اور اس کی اجازت نہیں۔

لیکن کچھ باتیں اصل میں بھی صحیح نہیں۔ جناب عثمانؓ، جناب عبدالرحمنؓ سے عمرؓ میں تین یا چار برس بڑے تھے اور جناب عبدالرحمنؓ حضرت عمرؓ کی وفات کے تقریباً ساڑھے آٹھ سال بعد تیس بھری میں فوت ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر پچھتر برس تھی اور حضرت عثمانؓ اس وقت زندہ تھے اور آپ کی عمر اٹھتر برس تھی کہ آپ چار سال بعد چھتیس بھری میں پانچ سال کی عمر میں شہید ہوئے۔ ظاہر ہے کہ جناب عمرؓ جناب

عبدالرحمنؓ کی ٹری عمر کا ذکر کرتے تو حضرت عثمانؓ کی عمر کا ذکر بھی کرتے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ حضرت علیؓ کو کبھی خلافت کی چاہت نہ تھی اور کئی سال بعد باربجوں میں یہ الفاظ شامل کر کے تفرقہ کی بنیاد رکھی گئی اور حضرت علیؓ ان باتوں سے بہت بلند تھے۔ لگے چوتھی کتاب میں اس کی مزید وضاحت آئے گی۔

حضرت عثمانؓ کے سلسلہ میں قرابت داری کا الزام ایک سازش کی پیداوار ہے۔ اسی کتاب کے آخری ابواب میں ہم واضح کریں گے کہ حضرات عثمانؓ کے دشمنہ دار امارت میں آئے ہیں تاکہ کے برابر تھے۔ یہ سازشیوں کی من گھڑت کہانیاں ہیں اور حضرت عمرؓ کو بھی خواہ مخواہ بیچ میں شامل کر کے وہ لوگ اپنی سازش کو تقویت دے رہے تھے جہاں تک حضرت زبیرؓ کا تعلق ہے۔ آپؓ تو کبھی کسی دستہ کی کمانڈ کی خواہش بھی نہ رکھتے تھے اور آپ کو امارت کی بالکل چاہت نہ تھی۔ اس کا ذکر پہلے باب میں ہو چکا ہے۔ یہی بات جناب طلحہؓ اور جناب سعدؓ کے لئے ہے کہ وہ صاحبان پہلے ہی دن خلیفہ بننے کی ذمہ داری سے دستبردار ہو گئے۔ اور ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ کو ان کی زندگی میں ہی بتا دیا ہو یا ایسا اعلان کر دیا ہو۔ ہم اس سلسلہ میں صرف اتنی گزارش کریں گے کہ ہمیں حضور پاکؐ کے رفتار کو اپنے پیانوں سے نہ پانا چاہیے اور غیروں کے الزام کو تسلیم کرنے سے پہلے ان کی شان کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ بے شک ہم مشکل دور میں داخل ہو رہے ہیں لیکن امید واثق ہے کہ ہم ہر لحاظ سے مستقیم پر ہی رہیں گے اور گمراہی سے بچ جائیں گے کہ پھر اللہ کے دربار میں عاجزی سے سر جھکا رہے ہیں۔

مری ناؤ گرداب سے پار کر یہ ثابت ہے تو اس کو سید کر

(اقبالؒ)

مجلس مشاورت کی کارروائی

اس شکل دور کے بیانات کے ایک ایک لفظ کو سوچ کر لکھنا ہو گا کہ قوم میں وحدت نگر پیدا کرنے کی بجائے ہم خود کوئی ایسی بات نہ لکھ جائیں جس سے تفرقہ پیدا ہو۔ ہم اپنے رب سے پھر عاجزی کرتے ہیں اور اللہ کا نام لے کر قلم چلانے ہیں۔ عظیم صحابہؓ مشاورت کے لئے اکٹھے ہوئے جناب طلحہؓ بھی واپس آچکے تھے جناب فاروقؓ کو وصیت کرنے کے بعد دو تین دن زندہ رہے۔ تو جناب طلحہؓ نے خلافت سے دستبرداری کا اعلان کر دیا کہ وہ جناب عثمانؓ کو خلیفہ بنانا چاہیں گے جناب زبیرؓ جن کو ساری

عمر کسی امارت کی خواہش نہ رہی وہ حضرت علیؑ کے حق میں دستبردار ہو گئے اور فاتح ایران جناب سعد بن کے بارے میں کچھ شک ہو سکتا تھا کہ شاید ان کو امارت پسند ہے، وہ جناب عبدالرحمنؑ کے حق میں دستبردار ہو گئے یہ پچاس فی صد معاملات باہمی مشاورت سے ایک لحظہ میں حل ہو گئے اب جناب عبدالرحمنؑ نے گزارش کی کہ مشاورت کی التوا کی جائے اور کچھ باہمی مشورہ کی اجازت دے جائے۔ یہ بات بھی منظور کر لی گئی۔

چنانچہ جناب عبدالرحمنؑ نے حضرت علیؑ کے ساتھ طویل ملاقات کی اور ان سے یہ پوچھا کہ اگر ان کو اپنی بجائے کسی اور کو خلیفہ بنانے کے لئے کہا جائے تو آپ کس کو خلیفہ بنانا پسند کریں گے تو حضرت علیؑ نے فرمایا "جناب عثمانؑ کو" اس کے بعد جناب عبدالرحمنؑ نے حضرت عثمانؑ کے ساتھ طویل ملاقات کی اور ان سے یہی سوال کیا تو ان کا جواب تھا کہ جناب علیؑ کو۔ اس کے بعد صحابہ کرامؓ پھر اس کے لئے ہوئے تو جناب عبدالرحمنؑ نے فرمایا کہ آپ لوگ اگر مجھے یہ حق دے دیں کہ جناب علیؑ اور جناب عثمانؑ سے جس کیس چاہوں کہ خلیفہ منتخب کروں تو میں بھی خلافت سے دستبرداری کا اعلان کرتا ہوں۔ یہ کرام نے اس کی بھی منظوری دے دی اور اب اختلاف یا جانب داری والے معاملات عملی طور پر بھی ختم ہو چکے تھے۔

بعد کے کچھ مہینوں نے انسانی روایات سے جناب عبدالرحمنؑ پر جانبداری کا الزام لگایا ہے۔ لیکن اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ وہ جانبدار تھے تو بات صرف اور صرف یہ سمجھنی ہے کہ وہ بھی جناب طلحہؓ کی طرح جناب عثمانؑ کے حق میں دستبردار ہو جاتے اور بات اور ہری ختم ہو جاتی کہ حضرت عثمانؑ کو خلیفہ بنانے کے حق میں زیادہ صحابہ تھے۔ لیکن جناب عبدالرحمنؑ اس سے بلند تھے۔ وہ اسلام میں مشاورت کے لئے ایک اصول بنا چاہتے تھے۔ اس لئے انہوں نے دن رات ایک کر کے کوئی داؤد نہ بنا چاہی۔ بات تو سیدھی تھی۔ اختلافات اسلامی طریقہ سے ختم ہو چکے تھے صرف فیصلہ کا اعلان کرنا تھا اب مجلس مشاورت میں جناب عبدالرحمنؑ اکیلے تھے اور جناب ابو طلحہؓ ان کی حفاظت کرتے پھرتے تھے۔ جناب مہیبؓ ہی نے جناب عمرؓ کا جنازہ پڑھایا اور آپ مسجد میں امامت کے لئے موجود رہتے تھے کہ فتواری دیر کے لئے بھی تفرقہ نہ ہو۔ لیکن جناب عبدالرحمنؑ کے پاس تین دن میں سے دو دن باقی تھے۔ انہوں نے یہ دن بھی مشورے میں گزار دیئے۔

جناب عبدالرحمنؓ کا عام مشورہ

اب جناب عبدالرحمنؓ نے عام لوگوں، دانشوروں، مدبروں اور خاص کر اول اسلام لانے والے صحابہ کرام سے جا کر مشورہ شروع کر دیا۔ لیکن جناب عبدالرحمنؓ کی حیرانگی کی کوئی حد نہ رہ گئی کہ زیادہ لوگ حضرت عثمانؓ کو خلیفہ بنانے کے حق میں تھے اور چند لوگوں نے حضرت علیؓ کا نام لیا۔ جناب عبدالرحمنؓ نے بات کی تہ میں جانا چاہا تو ان کو پتہ چلا کہ لوگ تو حضرت عمرؓ کی خلافت کے بارے میں بھی شروع میں خوش نہ تھے۔ اور انہوں نے جناب ابو بکرؓ سے شکایت کی تھی کہ اتنے سخت انسان کو خلیفہ کیوں بنایا جا رہا تھا۔ بلکہ حضرت عمرؓ کا یہ ڈر قائم رہا اور دولت کی ریل پیل جب ہوئی تو حضرت عمرؓ نے کسی سختیاں کیں۔ صحابہ کرامؓ کو باہر زمینیں نہ خریدنے دیں۔ محاسبہ بڑا سخت تھا۔ اب لوگ سوچتے تھے کہ حضرت علیؓ بھی اسی طرح سختی کریں گے۔ لیکن ان کو امید تھی کہ حضرت عثمانؓ اتنی سختی نہ کریں گے۔ گو حضرت علیؓ کو بھی غصہ تو بالکل نہ آتا تھا اور ان کے اندر حضرت عمرؓ والی سختی نہ تھی۔ لیکن پھر بھی ردِ عمل کے طور پر لوگوں کا خیال تھا کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت میں ان کو زیادہ آزادی ہوگی۔ تاہن اس لفظ "آزادی" کو یاد رکھیں کہ لوگوں کی خواہش تھی۔ اور لوگوں کی خواہش والی بات بھی یاد رکھنا کہ اس میں تبدیلیاں کتنی زیادہ آتی ہیں۔ اور جناب علیؓ کرم اللہ وجہہ کے بارے میں یاد رکھنا کہ وہ ان باتوں سے بلند تھے۔

جناب عبدالرحمنؓ کی سوچ

اب جناب عبدالرحمنؓ گہری سوچ میں پڑ گئے۔ وہ خلیفہ نامزد کرنے کی ذمہ داری اٹھا چکے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ اپنی ذمہ داری کے بعد ان کو خیال تھا کہ ان کے اس رویہ پر کوئی انگلی نہ اٹھائے گا۔ لیکن عوام کے ساتھ جب انہوں نے مشورہ کیا تو انہوں نے بھانت بھانت کی بولیاں سنیں کہ خبردار یہ نہ کرنا اور وہ نہ کرنا اور اگر ایسے کرو گے تو یہ ہوگا اور وہ ہوگا۔ یہی نہیں بلکہ عوام کے ان خیالات سے کچھ خواص بھی متاثر ہو چکے تھے اور اس سلسلہ میں کچھ عجیب روایات نظر سے گزرتی ہیں۔ اور لوگوں کے خیالات میں تبدیلی اتنی جلدی آجاتی تھی کہ کوئی ایک کسی ایک بات پر قائم نہ رہتا تھا اور ہر وقت تیزی سے ساتھ گزر رہا تھا اور اگر

زیادہ دیر ہوتی تو تفرقہ اور بڑھ جاتا اس لئے جناب عبدالرحمنؓ کو ایک اعلان کرنے کی سوجھی۔

جناب عبدالرحمنؓ کا اعلان

چنانچہ جناب عبدالرحمنؓ نے اعلان فرمایا کہ خلیفہ اس کو تسلیم کریں گے جو اللہ کے احکام، حضور پاکؐ کی سنت اور پہلے دو خلفاء راشدین کے طریق کار کا سختی سے نفاذ کرے گا۔ اور جناب علیؓ سے استفسار کیا کہ آیا وہ یہ وعدہ کرتے ہیں تو جناب علیؓ نے فرمایا کہ بے شک اللہ کے احکام اور حضور پاکؐ کی سنت پر سختی سے عمل کیا جائے گا۔ لیکن حکومت چلانے کا طریق کار ان کا اپنا ہو گا۔ پھر آپ نے جناب عثمانؓ سے استفسار کیا تو آپ نے فرمایا کہ بے شک وہ اللہ کے احکام حضور پاکؐ کی سنت اور پہلے دو خلفاء راشد کے طریق کار پر سختی سے عمل پیرا ہوں گے۔ یہ سننے کے بعد جناب عبدالرحمنؓ نے اعلان فرمایا کہ وہ جناب عثمانؓ بن عفان کو مسلمانوں کا امیر منتخب کرتے ہیں۔ اور ان کی بیعت کرتے ہیں۔ چنانچہ سب سے پہلے جناب عبدالرحمنؓ، اور حضرت علیؓ سمیت مجلس شوریٰ کے تمام ارکان نے حضرت عثمانؓ کی بیعت کی۔ اور پھر تمام مسلمانوں نے بیعت کی اور یہ متفقہ فیصلہ تھا اور حضرت عثمانؓ کی خلافت کے پہلے دس سال اسلامی عہد کے زریں ترین سال مانے جاتے ہیں۔ نہ کوئی تفرقہ تھا۔ نہ کوئی اختلاف۔ جہاد جاری رہا اور عظیم صحابہؓ اور ان کے عظیم فرزندوں نے جہاد میں شرکت کی جس کا ذکر آگے آئے گا۔ لیکن بعد میں تفرقہ پیدا کرنے کے لئے اس طریق کار کو، اور جو کچھ ہوا، اختلاف کا سبب بنا کر پیش کیا گیا۔ اس لئے ان اختلافی نکتوں کا جائزہ ضروری ہے۔

اختلافی نکتوں کا جائزہ

ایک نکتہ یہ سامنے لایا گیا کہ جناب عبدالرحمنؓ کو یہ تھا کہ جناب علیؓ کو پہلے خلفائے راشدین کے کچھ طریقوں سے اختلاف تھا۔ اس لئے انہوں نے اللہ کے احکام اور سنت کے ساتھ پہلے خلفائے راشدین کے طریق کار کو بھی شامل کر دیا۔ کہ وہ حضرت عثمانؓ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے۔ ہم اس سلسلہ میں صرف یہ گزارش کریں گے کہ جناب عبدالرحمنؓ ویسے بھی یہ اعلان کر سکتے تھے کہ وہ فلاں کو خلیفہ نامزد کرے۔ تو یہ نکتہ ساتھ شامل کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا واقعی جناب علیؓ کو پہلے دو خلفائے راشدین کے طریق کار سے اختلاف تھا تو زیادہ رکھنے والی بات یہ ہے کہ طریق کار اصول نہیں ہر نئے یہ وقت کی کارروائیاں ہوتی ہیں۔ ان

چیزوں یا طریقوں کو حضور پاکؐ کی سنت کے برابر نہیں سمجھا جاسکتا۔ کہ حضور پاکؐ کا مل تھے۔ جناب علیؓ جو علم کے شہر کے دروانے تھے وہ معاملات پر بہت گہری نظر رکھتے تھے ان کی دور رس نگاہیں بھانپ چکی تھیں کہ حضور پاکؐ کے بعد کے طریق کار کو اصول نہیں بنایا جاسکتا اس لئے وہ کوئی ایسا وعدہ کرنے کو تیار نہ تھے جس کا نیاہ نہ ہو سکتے یا جس کو آگے چلایا نہ جاسکے۔ اسلام اللہ کے احکام اور حضور پاکؐ کی سنت تک محدود ہے۔ آگے صرف ان احکام کے مطابق اعمال کی تقلید کی جاسکتی ہے۔

تو پھر کیا حضرت عبدالرحمنؓ کو ان طریق کار کو لازم شرط نہیں بنانا چاہیے تھا یا حضرت عثمانؓ کو ایسا وعدہ نہیں کرنا چاہیے تھا جس کا نیاہ مشکل یا عملی نہ ہو! نہیں یہ بات مزاح کی ہے۔ جناب عبدالرحمنؓ اور جناب عثمانؓ کے پہلے خلفائے راشدین کے طریق کار میں کوئی غلط بات نظر نہ آئی اور اس لئے جناب عبدالرحمنؓ کی مزاح میں بھی یہ لفظ آگئے اور جناب عثمانؓ نے ان پر عمل کرنے کا وعدہ بھی کر لیا۔ اور بات یہاں ختم ہو جانی چاہیے۔ ہمارے لحاظ سے چار یاروں میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ جناب صدیقؓ اور جناب فاروقؓ کی عظمت اس میں بھی ہے کہ آپ کی بیٹیوں کو بھی ام المومنین کے عظیم نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جناب عثمانؓ اور علیؓ کی عظمت اس میں ہے کہ آپ کو اللہ کے حبیب کے داماد ہونے کا فخر حاصل ہے۔ بے شک اسلام میں عظمت اور شان ذاتی سردار کی طفیل ہوتی ہے۔ اور یہاں قرابت داری کا اصول نہیں چلتا کہ حضرت عمرؓ کی وفات کے وقت بھی علم رسولؐ جناب عباسؓ بن عبدالمطلبؓ زندہ تھے۔ اور اگر اس وقت کے چناؤ کو امیہ کی سازش قرار دیا جائے تو اس وقت جناب ابوسبآنؓ بن حرب بھی زندہ تھے۔ وہ اپنے لئے کچھ کرتے۔ تو جناب صدیقؓ، جناب فاروقؓ، جناب عثمانؓ اور جناب علیؓ کی عظمت و کردار پر جب کوئی بات کی جائے تو یہ پہلو ضرور یاد رکھا جائے کہ سردار دو عالم اور ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی آپ کے ساتھ یہ رشتہ داری اور قرابت داری قائم کی۔

حضرت عمرؓ اور جہاد

جناب فاروق اعظمؓ کو ہم پھر سلام عرض کرتے ہیں کہ آپؓ کو بھی روزہ پاک میں بیٹھنے کی سعادت نصیب ہوئی اور یکم محرم ۲۲ ہجری کو آپؓ کو دنیا یا گیا۔ ۲۲ محرم ۲۲ ہجری کو جناب عثمانؓ دو انورین مسلمانوں کے امیر بن گئے۔ جناب فاروقؓ کی عظمت کو کوئی تلم بیان نہیں کر سکتا۔ لوگوں نے اپنی

آنکھوں سے دیکھا کہ بعض دفعہ دو زماں دمکال پر بھی حاوی ہو جاتے تھے کہ مسجد نبوی میں کھڑے خطبہ دیتے ہوئے ایک دفعہ اچانک فرمایا: "یا سادۃ یہ انی انجیل" لوگ یہ بات سن کر حیران رہ گئے۔ بعد میں پتہ چلا کہ شمالی ایران میں ایک چھوٹی سی جھڑپ ہو رہی تھی جہاں مسلمانوں کا امیر ساریہ تھا۔ آپ اس کو ہدایات دے رہے تھے کہ پہاڑی کی اوٹ کی طرف دیکھو۔ بعد میں اس جگہ کے اہل لشکر نے بتایا کہ انہوں نے نصایب میں یہ عجیب و غریب آواز سنی تو چوکے ہو گئے کہ پہاڑ کی اوٹ میں دشمن تھا۔

یہ روایت کہ حضرت عمرؓ نماز میں کئی دفعہ بھول جاتے تھے کہ نماز پڑھتے وقت بھی ان کے ذہن میں جہاد اور جنگ ہوتا تھا، اور ایسے ہی کسی خیال میں خطبہ دیتے وقت "زماں دمکال" پر حاوی ہونے ہونے، ایک لمحہ کے لئے شمالی ایران پہنچ گئے۔ یہ اللہ کی دین اور عطا ہے اور زماں دمکال پر حاوی ہونے والا معاملہ وقتی "سلاطین" ہوتی ہے جس کو اب موجودہ سائنس نے ہی تسلیم کر لیا ہے کہ ہر انسان ہر وقت ہر جگہ موجود ہے۔ اگر ٹیلی ویژن کے آلے یہ ثابت دکھا سکتے ہیں تو روحانی طور پر بھی ایسے کام ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہ بہت وسیع مضمون ہے ہم زور نہ دیں گے کہ ہر آدمی اس نکتہ کو تسلیم کرے رہا کہ ایک مسلمان تاریخ کے حساب علم اور مصنف اس روایت کو اس وجہ سے تسلیم نہیں کرتے کہ اگر ایسا ہوتا تو جناب فاروقؓ کو فیروز ابو لولو بہت پہلے نظر آ جاتا اور وہ آپ پر وار نہ کر سکتا۔

ہم اس بحث میں نہیں پڑیں گے کہ کیا حضرت عمرؓ دیکھ رہے ہوں؟ اور مشیت ایزدی کے آگے خاموش رہے ہوں۔ یا زماں دمکال پر انسان اگر ہر وقت حاوی رہے تو اس دنیا میں ٹھہرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ وقتی نظارے ہوتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کو دکھاتا ہے اور سائنس بھی ہے۔ البتہ اسلامی روحانیت شریعت کے تابع ہے۔

نتیجہ و اسباق

یہ باب ہمارے لحاظ سے بڑا اہم ہے لیکن صرف ایک واقعہ کا بیان ہے، اکثر تجربے ساتھ ہی پیش کر دیئے گئے ہیں لیکن ایک نکتہ کو یاد رکھیں جناب صدیقؓ کی خلافت میں ہی ظاہر ہو گیا تھا کہ آپؓ

کے جانشین جناب عمر فاروقؓ ہی ہوں گے کہ آپ مکمل طور پر نائب امیر یا نائب خلیفہ کا کام کرتے تھے۔ لیکن جناب فاروقؓ نے اپنی خلافت میں یہ بالکل ظاہر نہ ہونے دیا کہ ان کا نائب کون ہے یا ان کی ترجیح کیا ہے۔ آپ کے روئے یا بڑے منشی جناب عثمانؓ تھے جب مدینہ سے باہر جاتے تو حضرت علیؓ کو جانشین بنا کر چھوڑ جاتے۔ شام گئے تو جناب عبدالرحمنؓ بن عوف کو ساتھ لے گئے کہ مشورہ کی ضرورت پڑے تو وہ بھی ساتھ ہوں۔ شام کو فتح کرنے کے لئے عشرہ مبشرہ سے جناب ابو عبیدہؓ کو مقرر فرمایا تو ایران کی فتح کے لئے عشرہ مبشرہ سے جناب سعد بن ابی وقاص کو مقرر کیا۔ مصر کی فتح کے لئے عشرہ مبشرہ سے جناب زبیرؓ کو مقرر کرنے کی پیشکش کی۔ لیکن انہوں نے وہاں امارت کے بغیر جانے کو ترجیح دی۔ ظاہر ہے کہ جناب عمرؓ کسی اور کو عشرہ مبشرہ پر ترجیح نہ دیتے تھے۔ اور عشرہ مبشرہ کے بارے میں ان کا رویہ یہ تھا کہ لا یفترق بین احدہما۔ کہ ان میں کوئی فرق نہیں۔ اور طبقات ابن سعد میں جناب علیؓ خود اس روایت کے راوی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جو ذکر کیا ہے کہ وہ بھائی بھائی ہر تختوں پر آنے سامنے بیٹھیں گے یہ آیت ہمارے لئے ہے۔

۲۔ حضور پاکؐ کے رفقا کا ظاہر و باطن ایک تھا۔ وہ وقتی طور پر ایک دوسرے کو سخت بات کہہ دیتے تھے لیکن کوئی بات دل میں نہ رکھتے تھے۔ جناب فاروقؓ نے جناب سعد بن ابی وقاص کو کوفہ کی امارت سے سبکدوش کیا۔ لیکن خلافت کے لئے مشاورت میں جناب سعدؓ کو بھی اسی طرح شامل کیا جس طرح دوسرے عشرہ مبشرہ کے ارکان کو کیا۔

۳۔ جناب فاروقؓ کسی بات کا فیصلہ نہ کرتے تھے جب تک حضرت علیؓ سے مشورہ نہ کر لیتے۔ اور اکثر آپؓ کے یہ الفاظ ہوتے: "اے ابن ابی طالب اللہ کا شکر ہے آپ آگے اور میراٹے دی اور نہ میں کوئی غلطی کر جاتا۔"

۴۔ زخمی حالت میں جناب علیؓ اور جناب عبداللہ بن عباسؓ جب آپؓ کی عیادت کے لئے گئے تو فرمایا کہ دونوں مہربانی فرما کر ان کی چارپائی کے اوپر بیٹھیں۔ پھر فرمایا میری وفات قریب آگئی ہے۔ اور حساب کتاب کا ڈر ہے۔ تو جناب عبداللہؓ نے فرمایا: اے امیر المؤمنینؓ! آپ کیوں فکر مند ہیں۔ آپؓ کا اسلام تھا تو نصرت تھی۔ امامت تھی تو فتح تھی۔ واللہ آپؓ کی امدت نے روئے زمین کو عدل سے بھر دیا۔ کوئی روئے زمین جھگڑا کرتے تو آپؓ کے فیصلہ پر برضا و رغبت اپنا جھگڑا ختم کر دیتے۔ یہ سن

کو فرمایا: ”مجھے بٹھا دو۔“ جب بیٹھ گئے تو فرمایا: ”اے ابن عباسؓ اپنی اس گفتگو کا میرے سامنے پھر اعادہ کرو۔“ جناب عبداللہؓ نے اعادہ کیا تو فرمایا: ”اے ابن عباسؓ روز قیامت کو ایسی طرح اللہ کے سامنے شہادت دینا۔“

۵۔ لڑکے کھیل رہے تھے جناب امام حسینؓ کے منہ سے نکل گیا کہ سب لوگ میرے نانا کے غلام ہیں۔ لڑکوں میں جناب عمرؓ کے ایک بیٹے بھی تھے انہوں نے جا کر حضرت عمرؓ کے آگے ذکر کیا تو فرمانے لگے۔ بیٹا دوڑ کر جاؤ امام حسینؓ نے لکھ کر لادو کہ عمرؓ اور اس کی اولاد حسینؓ کے نانا کی غلام ہے۔ روز قیامت اس کی لکھائی کو اپنی اور اپنی اولاد کی بخشش کے سنے پیش کروں گا۔

۶۔ جناب فاروق اعظمؓ کی کہانی یہی اور دوسری کتاب میں بھی تھی اور جگہ جگہ تبصرے ہو چکے ہیں لیکن یہ چند الفاظ لکھنے میں ایک مقصد تھا کہ یہ تو رواج بن گیا ہے کہ ہر سال ہم حضرت عمرؓ کی شہادت کو ایک ساتھ عقیم بنا کر پیش کرتے ہیں۔ اور اپنی لکھی ہوئی قسم کی باتیں بھی اخباروں میں شائع کرتے ہیں اور تقریروں میں بھی ذکر کرتے ہیں لیکن اصل ضرورت یہ ہے کہ ان باتوں پر عمل پیرا ہونے کی کوئی راہ نکالیں اور جن چیزوں کی انہوں نے عمل طور پر نشاندہی کی ہے ان کو اجتماعی طور پر اپنائیں۔ کچھ وعدے کریں۔ کچھ وعدوں کا پاس کریں۔ مجاہدے کریں تاکہ کوئی نادمہ بھی ہو۔

۷۔ موت ایک دروازہ ہے اور حضور پاکؐ کے فرمان کے مطابق موت مومن کو تختہ کے طور پر پیش کی جاتی ہے اور غلام اقبال فرماتے ہیں: ”چوں مرگ آید بمستم رلب اوست“ بے شک وقتی طور پر کسی بھی موت کو ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ایک۔ خلا پیدا ہو جاتا ہے۔ قربت داروں کو رنج ہوتا ہے لیکن اسلام کا قافلہ اس دنیا میں دواں دواں ہے۔ مقصد یہ برنا چاہیے کہ جب یہ خلا پیدا ہو تو اس کو پر کرنے کی کوشش کی جائے۔ عمر فاروقؓ نے کچھ طریق کار مقرر کئے اور عملی طور پر حضور پاکؐ کے احکام کو اپنے اوپر نافذ کیا۔ ہمارے سامنے بہادری یا نفس کی مثال پیش کی۔ جس و باطل کی پہچان کی مثال پیش کی۔ بہتائی زندگی اور جہاد کی مثال پیش کی اور پھر امارت کا ایک نمونہ پیش کیا۔ بے شک روز قیامت آپ کو اس امت کی مثالی شخصیت کے طور پر پیش کیا جائے گا۔ لیکن ہمیں تو تاج اور اسباق کی ضرورت ہے کہ ہم بھی اسی قسم کی زندگی گزارنے کی کوشش کریں۔

۸۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں فتوحات بہت ہوئیں لیکن یہ سلسلہ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں

بھی جاری رہا اور اگلے ابواب میں ان کا ذکر ہوگا۔ اصلی چیز فلسفہ حیات ہے حضرت عمرؓ کا زہرا سی پر تھا کہ پہلے اسلامی فلسفہ حیات کو صحیح طور پر اپناؤ اور پھر آگے بڑھو۔ اس نے ہمارے لئے چند ایات ضروری ہیں جو ہم کو سیکھنے چاہئیں اور ان کا ذکر حسب ذیل ہے۔

و۔ اس آیت کی آیت ہے۔ اللہ کی امرین کو جاری و ساری کرنے کے لئے آیت "اولی الامر کی ضرورت ہوتی ہے، اس کی وضاحت چوتھی کتاب میں ہے۔

ب۔ یہ "اولی الامر" خود اطمینان اللہ و اطمینان رسول کا نمونہ ہو۔ اس لئے برآمدی مسلمانوں کا امیر نہیں ہو سکتا۔ ہر سطح پر امیر کے لئے اللہ اور رسول کی عملی اطاعت فرض ہے۔ زباناً تو ہم سب کہیں گے، لیکن اگر ہم اسلام کے فلسفہ حیات کو سمجھیں ہی نہیں تو عمل تو دور کی بات ہے۔ مگر یہاں پر فیروز کے فلسفے کا پرچار کرنے والے بھی ہمارے امیر بننا چاہتے ہیں۔ اس رجحان کو ختم کرنا ہوگا، اسلامی فلسفہ حیات کا مکمل بیان بھی چوتھی کتاب میں ہے۔

ج۔ اسلام میں اختلافات کو بازاروں میں لے جانے کا حکم نہیں، چھوٹی سطح کے اختلافات مسجدوں میں طے ہونے میں کہ امام ہر محلہ کا امیر ہوتا ہے۔ آگے جو اختلافات ہیں تو اس کو مجلس شوریٰ طے کرتی ہے۔ نہ کہ وہ میاں کی گردہ جو غیروں کے فلسفہ کی پیداوار ہیں۔

د۔ ضرورت اس چیز کی ہے کہ پورے قوم کے لئے ایک لائحہ عمل بنایا جائے جس میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی نشاندہی کی جائے۔ کہ کون سی چیز اسلامی ہے اور کون سی چیز غیر اسلامی۔ نشاں کے طور پر اگر ہم ایسے انتخابات کر لیں جو قوم میں تفرقہ ڈالیں تو وہ انتخابات غیر اسلامی ہیں۔ وغیرہ مکمل سفارشات چوتھی کتاب میں ہیں۔

ر۔ اب کئی لوگوں نے عوام کو اللہ کا شریک بنا دیا ہے۔ اور پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ محمد بن رسول اللہ کی بجائے یہ لیا جاتا ہے کہ پاکستان کی تقدیر سبے نفیر۔ "ایسے فیصلے اسلامی نعرے لگانے والے لوگوں کی پاکستان میں کوئی جگہ نہیں ہونی چاہیے۔

س۔ عملی طور پر حضرت عمرؓ کے زمانے کا نظام تب ہی نافذ کیا جاسکتا ہے کہ پوری قوم کو راہروں میں بانٹ دیا جائے اور اسلامی فلسفہ حیات کی نشاندہی کر کے اس پر ساری قوم اجتماعی شکل میں عمل پیرا ہو۔

ص - ایسا کام آج کل کے زمانے میں زیادہ آسان ہے رذرائع آمد و رفت تیز ہیں اور رذرائع ابلاغ
کئی مدد سے یا بجلی سے جلدی جاری کر کے پوری قوم کو زیادہ آسانی کے ساتھ رابطوں میں باندھا
جاسکتا ہے۔

ض - اسباق بے حساب ہیں۔ لیکن اب ہم جناب عثمان کے زمانے میں داخل ہو رہے ہیں
جناب عثمان اور آپ کے زمانے بھی رہی کچھ کیا جو حضرت عمر کے زمانے میں ہوتا ہے لیکن جناب عثمان
نے حضرت عمرؓ والا رد بدلہ استیصال نہ کیا۔ جب ہم اس کتاب کے آخر میں پہنچیں گے تو قارئین خود اندازہ
لگائیں کہ حالات میں کتنی تبدیلی آگئی۔

ط - معاملات اتنے آسان نہیں اور اس کتاب میں کسی مکمل نظام حیات یا نظام سلطنت کی نشاندہی
کرتا، نہ ممکن ہے۔ موجودہ آغا خان کے دادا مرحوم آغا خان نے ۱۹۵۰ میں ہمیں ہوشیار کیا تھا کہ
ہم لوگ پہلے سو سال کے اسلام کو تلاش کریں اور اس سے سبق سیکھ کر اپنی زندگی پاکستان میں
اس زمانے کی طرح ڈسالیں۔ چنانچہ ان کتابوں کے لکھنے میں ایک ہی مقصد ہے کہ پہلے سو
سالوں کے عمل اسلام یا خلافتِ راشدہ کے زمانے کے عمل پہلوؤں پر جو پردے پڑے ہوئے ہیں
ان کو ہٹا دیا جائے۔

ظ - ہمارے ہاں وضع بھی بہت برستے ہیں۔ تبلیغ بھی کافی ہے اور عمل کے بارے میں کافی باتیں
ہوتی ہیں۔ لیکن عمل نفاذ کس طرح کیا جائے، یہاں اگر بات رک جاتی ہے رہا اسے لحاظ سے عمل
نفاذ کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ پوری قوم کو اللہ کی نون بنا دیا جائے۔ یہ کام صرف قانون کے
نفاذ سے نہ ہوگا۔ قانون میں ضابطے ہوتے ہیں لیکن ان کو نافذ کرنے کے لئے کسی نظام کی ضرورت ہوتی
ہے اس کو نظام اسلام کہیں یا نظام مصطفیٰ یا نظام جبار بات ایک ہے۔ تو کم کر نظام میں باندھ کر
رداں دواں کرنا ہوگا۔

س - یہ کائنات ابھی ناتما ہے شاید

کہ آ رہی ہے دہم عدائے مکن نہ کیوں

چوتھا باب

افریقہ کی مزید فتوحات

ابتدائیہ

جب ہم افریقہ کی بات کرتے ہیں تو ہمارے سامنے موجودہ براعظم افریقہ نہیں ہے اس زمانے میں موجودہ شمالی افریقہ کو ہی سارا افریقہ سمجھا جاتا تھا۔ یعنی افریقہ کے جو ملک مشرق میں مصر سے لے کر مغرب میں مراکو، تک بحیرہ روم کے کنارے واقع ہیں، یہی افریقہ کے ملک تھے۔ پھر کسی نے مصر کو شامل کر کے مغرب تک تنجیر کے علاقے کو افریقہ کا نام دیا۔ اور کسی نے موجودہ لیبیا سے لے کر مراکو تک کے علاقے کو افریقہ کہا۔ اس زمانے میں موجودہ سوڈان، چڈ، مالی یا مغربی افریقہ کے ممالک گھانا، نائیجیر یا یارڈ گرد کے دوسرے چھوٹے ملک اتنے مشہور نہ تھے۔ طلوع اسلام کے وقت مصر کو چھوڑ کر سڈی برانی، یا برقہ سے آگے تمام شمالی افریقہ کو افریقہ کہتے تھے۔ روایت ہے کہ مصر بن بصرین ہام بن نوح کے دوسرے بھائی فریق نے افریقہ کے ان علاقوں کو آباد کیا۔ ویسے افریقہ کی پرانی تاریخ بھی بڑی دلچسپ ہے، کہتے ہیں کہ یہ سارے صحرائی علاقے کسی زمانے میں بہت آباد تھے اور یورپ یا ایشیا کے لوگ جن کو یوریشین کہا جاتا ہے وہ اکثر شمالی افریقہ کے ساحل پر جا کر آباد ہوتے رہے اور وہاں کے باشندوں کو جنوب کی طرف دھکیلتے رہے۔

اس سلسلے کی کچھ وضاحتیں آگے آئیں گی۔ لیکن معاملات کچھ اسی طرح چلتے رہے جس طرح آریہ قوم شمالی ہند میں آ کر آباد ہوتی رہی اور اصلی باشندوں کو جنوب کی طرف دھکیلتی رہی اور وہ پھر دراوڑ بن گئے جو آجکل مدراس میں آباد ہیں۔ اسی طرح شمالی افریقہ کے لوگوں کو جب جنوب کی طرف دھکیلا گیا تو وہ حبشی بن گئے۔ تاریخی ثبوت موجود ہیں کہ لیبیا یا طرابلس کے لوگ بھی شام اور اناطولیہ سے گئے اور اسی طرح جن لوگوں نے موجودہ

یونیس میں کارتیج کے شہر کو آباد کیا اور کسی زمانے میں دنیا کی حکومت کے لئے وہ اہل روم کے ساتھ
مکمل لیتے رہے وہ بھی فنا کسی تھے اور موجودہ ترکی کے ساحلی علاقوں یعنی اناطولیہ و غیرہ سے نکل
کر وہاں آباد ہو گئے تھے۔

سکندریہ کی دوسری جنگ

اس ابتدائی کے بعد ہم دوسرے باب میں واپس جاتے ہیں۔ جہاں ہم نے مصر اور سکندریہ کی فتح
کی کہانی ختم کی تھی۔

سکندریہ کی فتح کو قائم رکھنے کے لئے بھی بڑی تیاری اور کارروائیوں کی ضرورت تھی
چنانچہ سکندریہ کی فتح کے اڑھائی سال بعد جب حضرت عمرؓ نے وفات پائی تو
قسطنطنیہ کے حالات کچھ بہتر ہو چکے تھے۔ اہل روم کے لئے سکندریہ کی بڑی اہمیت تھی سکندریہ
کو کھودینے کے بعد ان کا ایشیا اور افریقہ سے رابطہ ختم ہو گیا تھا۔ چنانچہ نوجوان قیصر روم
اور ہرتل کے پوتے شاہ قسطنین نے سکندریہ پر دوبارہ قبضہ کرنے کی کوشش کی اور
بھاری تعداد میں فوج، بحری جہازوں پر سوار کر کے بھیجی تاکہ سکندریہ پر قبضہ کر کے مسلمانوں
کو مصر سے نکال دیا جائے۔

اس فوج کے روحی کمانڈر کو مسلمان مورخ منویل خصی کے نام سے موسوم کرتے ہیں

یعنی (MANUAL THE EUNUCH)۔ مصر کے گورنر جناب عمرو بن عاص تھے

اور ان کا قیام قسطنطین تھا۔ نیچے والے مصر، جس کو سعید بھی کہتے تھے اور سکندریہ کا

علاقہ اس میں شامل تھا، اس کے والی عبداللہ بن سعد بن ابی مرح تھے۔ عبداللہ اولین

مسلمانوں میں سے تھے اور حضرت عثمانؓ کے رضائی بھائی تھے، لیکن بعد میں مرتد ہو گئے۔

فتح مکہ کے وقت ان کا نام بھی ان لوگوں میں شامل تھا، جن کے لئے قتل کا حکم تھا، لیکن

جناب عثمانؓ کی سفارش پر ہمارے آقاؐ اور رحمتہ للعالمینؐ نے انہیں معاف کر دیا اور

جناب عبداللہؓ دوبارہ اسلام کی آغوش میں داخل ہو گئے۔ کچھ مورخین نے اختصار کیلئے

آپ کو صرف عبداللہ بن سعد لکھا ہے اور کچھ نے دادا کے نام سے صرف عبداللہ بن ابی مرح

لکھا کہ وہ بھی آپ کو اکثر ابن ابی سرح پکارتے تھے اس لئے ہم بھی عبداللہ بن ابی سرح ہی لکھیں گے۔

اہل روم نے ۲۳ ہجری کے موسم خزاں میں سکندریہ پر دوبارہ قبضہ کرنے کی کوشش کی اور ہم اس جنگ کو سکندریہ کی دوسری جنگ کا نام اس وجہ سے دے رہے ہیں کہ ہمارے کئی مورخین نے پہلی کارروائی کے کچھ واقعات دوسری کارروائی میں ملا دیئے ہیں، جس سے پوری کہانی گڈمڈ ہو جاتی ہے۔ حالانکہ معاملات بالکل صاف ہیں۔ یہ موک کی وادی کی جنگوں کی طرح یہاں پر بھی کچھ مورخین اور مبصرین نے معاملات میں گہرا غلط سہنیں لگایا یہی وجہ ہے کہ ہم نے اگر سکندریہ کی پہلی فتح یا جنگ کو دوسرے باب میں بیان کیا ہے تو یہاں واقعات کو ایک الگ اور چوتھے باب میں بیان کر رہے ہیں۔

غلط فہمیاں

ایک غلط فہمی مقوقس کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ کچھ مورخین کا خیال ہے کہ سائرس الگ آدمی تھا اور وہ یونانی گر جا کا پیرو عیسائی تھا، اور مقوقس الگ آدمی تھا۔ ہمارا تجزیہ یہ ہے کہ ایک ہی آدمی کو اہل روم سائرس کہتے تھے اور ہم مقوقس۔ ہمارے اپنے اور متعدد مغربی مورخین کی یہی رائے ہے کہ وہ یونانی گر جا کا پیرو تھا، اور آرمینیا کا رہنے والا تھا۔ بعد میں اس پر حقیقت پسندی وارد ہو گئی اور مسلمانوں کے ساتھ حالات کے مطابق پیش آیا۔ اس نے سکندریہ کی دونوں جنگوں میں مسلمانوں کے ساتھ میانہ روی برتی۔ لیکن کچھ مبصرین نے اس کو سکندریہ کی دوسری جنگ سے پہلے ہی مرنے والوں میں دکھا دیا۔ اس لئے سکندریہ کی دوسری جنگ میں مقوقس کے رویہ کو پہلی جنگ کا حصہ بنا دیا۔

دوسری غلط فہمی یہ ہے کہ اکثر مسلمان مورخین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ جناب عثمانؓ نے خلافت سنبھالتے ہی جناب عمرو بن عاص کو مصر کی گورنری سے سبکدوش کر دیا اور ان کی جگہ عبداللہ بن ابی سرح کو مصر کا عامل مقرر کر دیا۔ عبداللہ کی گورنری کے زمانے میں اہل روم نے سکندریہ پر قبضہ کر لیا تو جناب عثمانؓ نے حالات سے مجبور ہو کر جناب عمرو بن عاص

کو دوبارہ مصر کا گورنر بنایا۔ جناب عمرو بن عاص نے سکندریہ پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ لیکن اس فتح کے جلد بعد عمرو بن عاص کو ہٹا کر عبداللہؓ کو دوبارہ مصر کا گورنر بنا دیا۔ بہر حال کہانی کو جان بوجھ کر ایسی شکل دی گئی۔ کیونکہ سکندریہ کی دوسری جنگ کے بعد عمرو بن عاص کو ضرور تبدیل کر دیا گیا تھا۔ اور پوری کہانی آگے آئے گی۔ لیکن پہلے جب رومیوں نے سکندریہ پر حملہ کیا تو اس وقت جناب عمرو بن عاص ہی مصر کے گورنر تھے۔ فرق صرف یہ تھا کہ نچلے علاقوں کی ذمہ داری عبداللہ بن ابی سرح کی تھی اور سکندریہ ان کی عملداری میں آتا تھا اور عمرو بن عاص سارے مصر کے حاکم تھے اور وہ اس وقت فسطاط میں تھے۔

اس کہانی کو یہ شکل بعد کے فتنہ پردازوں نے دی اور وہ اس وجہ سے کہ وہ حضرت عثمانؓ پر الزام لگانا چاہتے تھے کہ وہ مشکل وقت میں تو قابل لوگوں کو استعمال کر لیتے تھے لیکن عام حالات اور امن کے زمانے میں حاکمیت اپنے رشتہ داروں کو دے دیتے تھے۔ اصل میں یہ ساری سازش حضرت عثمانؓ کے خلاف فتنہ کھڑا کرنے کے سلسلے میں تھی اور قادیان یہ اصول یاد رکھیں کہ، حضرت عثمانؓ کو ہدف بنانے کا مقصد اسلام کے مرکز پر وار کرنا تھا۔ طبری نے سیف کی روایت سے یہ بات بالکل واضح کر دی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے دو سال تک یا کم از کم ایک سال تک حضرت عمروؓ کے مقرر شدہ عاملوں میں سے کسی کو بھی تبدیل نہ کیا اور مغربی مورخین میں ٹیلر سمیت اکثر مورخین اس چیز کے قائل ہیں کہ جب رومیوں نے سکندریہ پر حملہ کیا تو عمرو بن عاص فسطاط میں موجود تھے۔ اور آگے واقعات کے ذریعے بھی ہم ثابت کرینگے کہ اگر حضرت عمرو بن عاص اس زمانے میں فسطاط کی جگہ مدینہ شریف یا کسی اور جگہ ہوتے، تو آپ اتنی جلدی منوبل خصی کے لشکر کو نکبوس یا نجبوس کے مقام پر نہ روک سکتے۔

جناب عبداللہ بن ابی سرح مصر یا شمال مغربی مصر کے گورنر تھے۔ دراصل آپ کی ذمہ داری بحری علاقوں سے ٹیکس وصول کرنا تھی۔ جناب فاروق اعظمؓ نے آپ کی ذہانت دیکھ کر آپ کو اس کام پر لگایا اور ساتھ ہی کچھ انتظامی ذمہ داریاں بھی سونپ دیں۔ جناب فاروق اعظمؓ نے فیصلہ کیا تھا، کہ سکندریہ کے علاقے میں صرف حفاظتی فوج رکھی جائے۔ کیونکہ آپ نے جب سکندریہ کی باقی سسٹیم تو آپ اس قسم کی بین الاقوامی تہذیب "وللہ شہر سے مجاہدین کو دور

رکھنا چاہتے تھے۔ جناب عمرو بن عاص ہی سارے مصر کے سپہ سالار اعظم اور فوجی گورنر تھے جناب عبداللہؓ کی وہ پوزیشن تھی جو ملک شام میں حمص یا انطاکیہ وغیرہ کے عاملوں کی تھی۔ اور جناب عمرو بن عاص کی مصر میں وہی پوزیشن تھی جو جناب معاویہؓ کی شام میں تھی۔

بے شک سکندریہ کے بحری دفاع کے سلسلے میں جناب عبداللہؓ یا جو فوجی وہاں پر موجود تھے، وہ اتنے چوکمے نہ تھے، شاید حضرت عمرؓ کی وفات کی وجہ سے ہر محاذ پر لوگ کچھ "ستائے" لگ گئے تھے۔ لیکن دراصل یہ "ستائے" والا چکر جناب عمرؓ کے زمانے میں شروع ہو چکا تھا۔ اور آپؓ کے وہ خط، جو دوسرے باب میں ہیں یا اور محاذوں کے امراء کو لکھے اور ان کا ذکر پہلی اور دوسری کتابوں میں ہے، یہ ظاہر کرتے ہیں کہ مجاہدین، فتوحات کے بعد کچھ آرام طلب ہو رہے تھے۔

سکندریہ کے سلسلے میں کچھ مجبوریاں بھی تھیں۔ مسلمان افریقہ میں برقہ اور اس کے مغرب تک جا چکے تھے۔ رومی بحری بیڑہ جنوب کی طرف کوئی ملک نہیں بھیجتا تھا۔ ہر جگہ مسلمان اللہ اور رسولؐ کا نام بلند کر چکے تھے۔ مسلمان یہ توقع بھی نہ کر سکتے تھے کہ اہل روم سمندر کے راستے مصر کو دوبارہ فتح کرنے کی کوشش کریں گے۔ جس قوم کو وہ خشکی سے دھکیل چکے تھے اور مصر کے لوگ رومیوں کے چلے جانے پر اللہ کا شکر ادا کر رہے تھے، تو ان کی مصر میں دوبارہ آنے کی توقع کم ہی تھی۔ پھر مسلمان اُس وقت تک کوئی بحری طاقت بھی نہ بنے تھے۔ وہ سمندر کے بارے میں بے خبر تھے، اس لئے رومیوں کی سکندریہ پر حملے کی کاروائی ان کے لئے ایک حیران کن کاروائی ضرور تھی۔

جناب عبداللہؓ کے خلاف الزامات

رومیوں کا سکندریہ پر قبضہ کرنا، اور وہاں سے آگے پیش قدمی کر کے نیکوس تک پہنچ جانا، ایسے واقعات تھے جو مسلمانوں کو سخت ناگوار گزرے۔ اس لئے سب مورخین نے اس پسپائی اور شکست کی ذمہ داری جناب عبداللہؓ کے سر مقبوظ دی۔ حالانکہ اس سے پہلے ایران و عراق کے محاذ پر ایک دفعہ اور شام کے محاذ پر دو دفعہ، پسپائی اختیار کی گئی، جس کی

تفصیل پہلی دو کتابوں میں موجود ہے۔ لیکن وہ حکمت عملی کی پسپائی تھی اور یہاں پر حیران کن کارروائی کے سامنے مسلمانوں نے سکندریہ کو بغیر کسی تجویز کے چھوڑ دیا، کہ وہ سمندر کے بارے بے خبر تھے۔

لیکن ہمارے مورخین جذبات میں بہہ گئے۔ طبری نے لکھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے امراء میں جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ آخری نمبر پر آتے ہیں۔ حالانکہ مغربی دنیا کے تمام نئے اور پرانے مبصرین اور مورخین جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ذہانت کی بہت تعریف کرتے ہیں، کہ وہ مالیات، بڑی جنگ اور بحری جنگ کے علاوہ ہر کام میں بڑے ماہر تھے۔ ہم آگے چل کر عملی طور پر جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ کو اپنے صحیح مقام پر ان کے سنہری کارناموں کے ذریعہ سے دکھائیں گے۔ لیکن انہوں کی زیادہ تنقید کی وجہ سے مغربی مبصرین بھی یہ کہہ گئے کہ جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ میں کردار کی کمی تھی اور غیروں نے ہماری غلط کہانیوں کی آرٹ لی۔

ایک کہانی

جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ کے خلاف ایک کہانی اس طرح پیش کی جاتی ہے کہ فتح مکہ کے بعد جناب عثمان رضی اللہ عنہ نے جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ کو حضور پاک کے سامنے پیش کیا کہ ان کو معافی دی جائے، تو حضور پاک نے معافی دینے میں دیر لگائی۔ اور بعد میں جب جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ اور جناب عثمان رضی اللہ عنہ چلے گئے تو حضور پاک نے فرمایا کہ انہوں نے دیر اس لئے لگائی تھی کہ شاید تم میں سے کوئی اٹھ کھڑا ہوتا اور عبداللہ رضی اللہ عنہ کا سر کاٹ دیتا۔ تو ایک انصار نے عرض کی: "اے اللہ کے رسول! آپ مجھے اشارہ ہی کر دیتے" تو حضور پاک نے فرمایا: "کہ پیغمبر قتل کرنے کے اشارے نہیں کرتے"۔ یہ کہانی ابن اسحاق نے اپنی تاریخ میں بیان کی ہے، اور ابن جشام نے اس پر کچھ اضافے کئے، کہ جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ بعد میں مسلمان ہو گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو بچلے مصر کا عامل مقرر کیا وغیرہ۔ ابن اسحاق نے اس کہانی کے راوی کا ذکر بھی نہیں کیا اور ان انصار کا نام بھی نہیں لکھا جو اشارہ چاہتے تھے

تبصرہ :- اب اس کہانی کو کسی بھی پہلو سے پرکھیں تو یہ صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ دنیا کے عام

بادشاہ کے سامنے بھی جب کوئی آدمی پیش کیا جائے، تو دوسرا آدمی کیسے محفل ہو سکتا ہے۔ اور جب شہنشاہوں کے شہنشاہ کے سامنے اور رحمتہ اللعالمین کے سامنے، جناب عثمان ذوالنورین بیعت رضوان کے سبب، اور شرم و حیا کے عظیم مظہر ایک آدمی کو پیش کرتے ہیں، تو حضور پاکؐ معافی کیوں نہ دیتے۔ اور کسی دوسرے کو ان کو قتل کرنے کی کیسے ہمت ہوتی

عکرمہ بن ابوجہل اور صفوان بن امیہ کو ان کی اپنی عورتوں کی سفارش پر معافی مل گئی۔ جناب علیؑ، بزم محزون کے کچھ آدمیوں کو قتل کرنا چاہتے تھے، جن کو ان کی اپنی بہن جناب ام ہانی نے معافی دے دی تھی۔ دونوں بہن و بھائی میں تکرار ہوا، اور معاملہ حضور پاکؐ کے پاس لے جایا گیا۔ آپؐ نے فرمایا: "اے علیؑ! جس کو میری سلحہ نے معافی دے دی، اس کو معافی ہے۔" اور پھر سرکارِ دو عالمؐ تو فرما چکے تھے کہ جو ابوسفیانؑ کے گھر داخل ہوا۔ اس کو بھی معافی ہے۔ حالانکہ جناب ابوسفیانؑ اس دن اسلام لے آئے۔ اور جناب حمزہؑ کا کلیجہ چیا جانے والی ہندہ کو بھی معافی مل گئی۔

کچھ لوگ کہہ سکتے ہیں کہ عبداللہؑ، مرتد ہو گیا تھا اور مرتد کی سزا قتل ہے۔ نہیں، مرتد بھی اگر اسلام میں واپس آجائے تو اس کو سزا نہیں دی جاتی۔ پہلی دو کتابوں میں ہم طلحہؑ، عیسیٰؑ اور عمر بن معدی کرب کا ذکر کر چکے ہیں کہ وہ مرتد ہو گئے لیکن پھر جب توبہ کی تو معافی مل گئی۔

روحانی پہلو

ہمارے لحاظ سے اس ساری کہانی میں روحانی پہلو زیادہ ہے، جس کو مورخ نظر انداز کر گئے۔ جناب عبداللہؑ، کبھی کاتب وحی تھے، بعد میں مرتد ہوئے۔ جب حضور پاکؐ کے سامنے پیش ہوئے ہوں گے، تو حضور پاکؐ کو وہ زمانہ ضرور یاد آیا ہوگا۔ اس لئے ذرا سوچ میں پڑ گئے ہوں گے۔ جس کو بعد میں غلط رنگ دے دیا گیا۔ کہ حضور پاکؐ معافی نہ دینا چاہتے

۱۔ جناب ام ہانی، جناب علیؑ کی سگی بہن تھیں اور حضور پاکؐ کی چچیری بہن۔ آپؐ نے ام ہانی کیلئے میری بہن کے الفاظ استعمال کر کے آپؐ کی شان اور بڑھادی اور معافی کو اور واضح کر دیا۔

تھے۔ دراصل ہمارے لحاظ سے تو کاتبِ وحی کے لئے روزِ خ کی آگ نہ تھی۔ اور گناہ کرنے کے بعد توبہ کی لذت زیادہ ہوتی ہے۔ اور حضور پاکؐ دل ہی دل میں خوش ہو رہے ہوں گے کہ جناب عبداللہؓ کا نفس آج نفسِ لوامہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور اس کا ذکر قرآن پاک میں بھی ہے۔

ہمارے جن مورخین نے حضرت عثمانؓ پر قرابت داری کا الزام لگایا۔ وہ یہاں بھی غلطی کر گئے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ اور جناب عبداللہؓ دونوں حضور پاکؐ کی نگاہِ ناز سے مراد پا گئے۔

رومیوں کا سکندریہ پر حملہ

چنانچہ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے پہلے سال ۲۴ ہجری ہی میں اہل روم نے ایک بہت بڑے بحری بیڑے کے ساتھ سکندریہ فتح کرنے کی کوشش کی۔ کچھ مورخین کے حساب سے ۲۴ ہجری کے آخری ایام میں رومی فوج سکندریہ پر قبضہ کر چکی تھی اور ۲۵ ہجری کے شروع میں سکندریہ سے باہر نکل کر مصر کو دوبارہ فتح کرنے کی کوشش شروع کی اور بعض کے مطابق سکندریہ کو بھی ۲۵ ہجری میں فتح کیا۔

روایت ہے کہ رومی بیڑے میں تین سو جہاز تھے اور ان جہازوں کو روکنے کے لئے مسلمانوں کے پاس کوئی بحری فوج موجود نہ تھی۔ اس لئے رومی فوج کا سکندریہ میں کسی نے مقابلہ نہ کیا۔ رومی فوج کی تعداد انگِ طور پر نہیں بتائی گئی، لیکن تین سو جہازوں میں ایک سو جوان فی جہاز کی اگر اوسط بھی لگائی جائے تو رومی فوج بیس ہزار سے کم نہ تھی مسلمانوں کی بری فوج کوئی ایک ہزار تھی اور اہل روم نے جہازوں سے اتر کر سکندریہ پر بھرپور حملہ کر دیا۔ دراصل سکندریہ میں ایک لاکھ بیس ہزار رومی یا یورپین آبادی تھی۔ ان لوگوں نے پوشیدگی میں مقیم روم اور اس کی حکومت کے ساتھ رابطہ قائم کیا ہوا تھا بلکہ خط و کتابت ہوتی رہی تھی اور اس میں سکندریہ کے لوگ اکیلے نہ تھے بلکہ ڈیلیا کے علاقوں کے کچھ اور لوگ بھی شامل تھے۔

مسلمان مورخین یا یورپین مورخین نے یہ نہیں واضح کیا کہ ایک ہزار مسلمان مجاہدین کس طرح لڑے اور ان کی کمانڈ کون کر رہا تھا۔ عبداللہ بن ابی سرح کہاں تھے اور رومیوں کے ساحل پر اترنے کے بعد وہ کہاں گئے۔ صرف اتنا کہا گیا ہے کہ فسطاط میں خیر پہنچی کہ سکندریہ پر رومیوں کا قبضہ ہو گیا ہے اور وہاں سے مسلمانوں کا ایک وفد یہ بتانے مدینہ شریف گیا کہ مصر کے حالات خراب ہو گئے ہیں اور عمرو بن عاص کو دوبارہ مصر بھیجا جائے۔ لیکن ہمارا تجزیہ ہے کہ جناب عمرو بن عاص ہی گورنر تھے اور پندرہ ہزار فوج فسطاط میں موجود تھی۔ کیونکہ کوئی مورخ یہ ذکر نہیں کرتا کہ مدینہ سے کوئی اور ملک آئی۔ بلکہ یہاں تک لکھا ہوا ہے کہ جناب عمرو نے فسطاط میں جان بوجھ کر دیر لگائی۔ جناب خریجہ نے عرض بھی کی کہ جلدی اہل روم کو مصر سے نکالا جائے تو جناب عمرو بن عاص نے کہا کہ نہیں، ان کو سکندریہ سے باہر نکلنے دو کہ ان کو سکندریہ کے باہر ہی برباد کرنا بہتر رہے گا۔ اگر جناب عمرو بن عاص مدینہ سے آتے تو کیا ان کے آنے سے پہلے پندرہ ہزار فوج فسطاط میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہتی اور رومیوں کے ساتھ لڑائی کے لئے کوئی تجویز نہ بنتی یا یہ نہ لکھا ہوتا کہ کون کمانڈر تھا جس نے پندرہ ہزار فوج کو اس طرح بٹھائے رکھا۔

زمان و مکان کا حساب

ہمارا تجزیہ ہے کہ جناب عمرو بن عاص فسطاط میں موجود تھے کہ زمان و مکان کے حساب سے سکندریہ پر رومیوں کے قبضہ کی خبر فسطاط پہنچنے تک کم از کم پندرہ دن لگتے اور آگے مدینہ تک ایک مہینہ۔ اور جناب عمرو بن عاص کے فسطاط پہنچنے میں ایک اور مہینہ لگ جاتا۔ تو ان دو اڑھائی ماہ میں رومی آسانی کے ساتھ پیش قدمی کر کے فسطاط کے سامنے دریائے نیل کے مغربی علاقوں پر قبضہ کر چکے ہوتے معلوم ہوتا ہے کہ حالات سے کچھ اس طرح پیش رفت کی کہ رومی سکندریہ میں اتر گئے۔ ایک ہزار مسلمان مجاہدین تتر بتر ہو گئے کہ تیس ہزار رومیوں کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے اور سکندریہ کی آبادی کا بڑا حصہ رومیوں کے ساتھ مل چکا تھا۔ لیکن مقوقس اور قبطی عیسائیوں میں سے اکثر نے اہل روم کے

ساتھ کوئی خاص تعاون نہ کیا۔

رومیوں کے مسائل

رومی اب عجیب و غریب مسائل سے دوچار تھے۔ تیس ہزار کے لشکر کے لئے خوراک کا بندوبست کرنا اب پہلے کی طرح آسان نہ تھا۔ پہلے وہ سارے علاقے کے حکمران تھے۔ سب کچھ ان کے پاس موجود تھا۔ اب انہوں نے خوراک اور سامان زبردستی اکٹھا کیا اور لوگوں نے اس چیز کو بہت ناپسند کیا۔ تیس ہزار کا تو ہمارا اندازہ ہے۔ پتہ نہیں کتنے ملاح اور بندوبستی قسم کے لوگ ہوں گے۔ ایک روایت کے مطابق جناب عمرؓ بن عاص کا یہ خیال تھا کہ لوگ اہل روم سے خود بخود نفرت کرنا شروع کر دیں گے۔ کیونکہ رومی ان کے پاس سے سب کچھ چھین لیں گے، کہ انہیں بہت زیادہ خوراک اور سامان کی ضرورت ہوگی۔

رومیوں کی پیش قدمی

رومی صرف سکندریہ پر قبضہ کر کے وہاں نہ بیٹھ سکتے تھے۔ ان کے لئے ضروری تھا کہ وہ پیش قدمی کر کے ڈیلٹا کے دوسرے علاقوں پر بھی قبضہ کریں، تاکہ رسد رسانی حاصل کرنے میں آسانی ہو۔ اس لئے انہوں نے کچھ دن تو انتظار کیا کہ شاید مسلمان کوئی لشکر بھیجیں۔ لیکن جب ایسا نہ ہوا تو وہ جنوب کی طرف چل پڑے۔ انہوں نے بھی وہی راستہ استعمال کیا جو مسلمانوں نے سکندریہ فتح کرتے وقت کیا تھا۔ ہم نقشہ چہارم میں اس راستہ کو دکھا چکے ہیں۔ لیکن تھوڑی تبدیلی یہ تھی کہ رومی دریائے نیل کے ڈیلٹا کے مغربی دریا کے مغربی کنارے کی بجائے مشرقی کنارے پر پیش قدمی کر رہے تھے۔

منوبیل خصی، جس کو مسلمان کسی نام سے پکارنے کی بجائے صرف پمبجڑہ یا خصی کے نام سے پکارتے تھے، فوجی تدبیرات کا ماہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے طرز جنگ کا مطالعہ کر چکا تھا کہ اگر وہ دریا کے مغربی کنارے پر پیش قدمی کرتا تو مسلمان ریگستان کو اپنے بائیں پر رکھ کر کسی ایک جگہ اس کو روک کر یا جگہ بچ کر ریگستان کے علاقے کی طرف سے ایسے حملے کرتے

کہ رومی فوج کی سمجھ میں کچھ نہ آتا کہ کیا ہو رہا ہے۔ رومی یہ سمجھ چکے تھے کہ جس جگہ کے نزدیک ریگستان ہو وہاں متحرک مسلمانوں کے ساتھ مقابلہ کر کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ چنانچہ ان کی خواہش یہ تھی کہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ محدود علاقے میں، ان کی مرضی کی جگہ پر ہو۔ ایک اور چیز، جو منوئل نے کی وہ یہ تھی، کہ جب وہ دریا کے کنارے پیدل پیش قدمی کرتے تھے تو دریا میں ساتھ ساتھ کشتیوں کا بھری بیڑہ بھی ان کے دائیں بازو پر حرکت میں رہتا تھا اور آبی راستوں کے استعمال کے لئے ایسا ضروری ہوتا ہے۔

نکیوسس کی لڑائی

جناب عمرو بن عاص کو جب منوئل حصنی کی اس طرز اور ارادوں کا پتہ چل گیا تو آپ نے بھی دریائے نیل کو جیزہ کے مقام پر عبور کیا اور دریا کے مغربی کنارے پر ترانہ تک پیش قدمی کی۔ یہ کوئی تیس چالیس میل کا فاصلہ تھا۔ یہاں پر آپ نے دشمن کے بارے میں پوری خبر حاصل کی اور آپ کو پتہ چلا کہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ نہیں۔ وہ مسلمانوں سے دو گنا یا اس سے کچھ کم ہیں۔ یعنی جناب عمرو بن عاص کی فوج کی تعداد پندرہ سے بیس ہزار بتائی جاتی ہے اور اندازہ ہے کہ رومی تیس ہزار یا اس سے کچھ زیادہ تھے۔ اگر رومی بہت زیادہ ہوتے تو جناب عمرو کبھی بھی دریا پار نہ کرتے۔ آپ مغربی کنارے پر رہ کر دشمن کے ساتھ "حرکتی چالوں" سے لڑائی لڑتے۔ لیکن اب دشمن بھنس چکا تھا۔ دشمن جناب عمرو بن عاص کے مرضی کے علاقے میں پہنچ چکا تھا اور وہ نکیوسس کے قریب تھا۔ نکیوسس نہ کوئی اہم مقام تھا اور نہ ادھر کوئی اہم زمین تھی۔ لیکن یہاں فوجی اصلاح صحیح ثابت ہوئی۔ اور فوجی لحاظ سے یہ سب کچھ اصول ضرورت کے تحت ہوا، کہ لشکر متفانیوں کی طرح ایک دوسرے کو کھینچ لیتے ہیں۔

چنانچہ جناب عمرو بن عاص نے دریا کو پار کیا، اور اگلے دن دشمن کے سامنے صف بندی کر لی۔ ہم اس جنگ کا کوئی خاکہ یا نقشہ نہیں بنا رہے کہ زمین نے تدبیرات میں کوئی موثر کام نہ کیا۔ یہ فوجوں کی حرکت کی جنگ تھی۔ اس کو حرکتی چال کہیں یا منور کہ کسی زمانے میں یہ بھی جنگ کا ایک اعلیٰ پایہ کا اصول مانا جاتا تھا اور یہ اصول اب بھی اہم ہے۔ لیکن ایسی باتوں کی طرف ہم دھیان نہیں دیتے۔ بہر حال

جناب عمرو بن عاص نے فسطاط سے اس لئے پیش قدمی نہ کی تھی کہ دشمن کو صرف روک دیں گے بلکہ وہ دشمن کو تباہ و برباد کرنے کے لئے آگے بڑھے تھے، تاکہ اسے اس طرح تباہ کیا جائے کہ اور کچھ نہ ہو تو وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ تو جائے، اس لئے انہوں نے دشمن پر حملہ کرنے کی تجویز بنائی لیکن جناب عمرو بن عاص یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ کچھ رومی کشتیوں میں سوار ہونے لگے۔

منوئیل خصمی کی تجویز

منوئیل کی تجویز بڑے اعلیٰ پایہ کی تھی اس نے دفاع میں رہ کر مقابلہ کرنے کی بجائے کچھ فوج کو کشتیوں میں سوار کیا اور باقی فوج کو خشکی کے راستے مسلمانوں پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ خشکی والے خشکی سے آگے بڑھے۔ اور ان کے دائیں بازو سے کشتیوں میں سوار رومی مسلمانوں کے بائیں بازو پر پہنچ گئے اور انہوں نے دریا کے بیچ کشتیوں میں سوار رہتے ہوئے مسلمانوں پر تیر برسائے شروع کر دیئے۔ اس طرح رومی فوج سامنے سے مسلمانوں کے کافی نزدیک پہنچ گئی۔ یہ لڑائی کا پہلا مرحلہ تھا اور اس میں رومیوں نے مسلمانوں کا کافی نقصان کیا۔

اس کے بعد رومی کشتیوں سے اتر کر اپنی بڑی فوج میں شامل ہو گئے اور انہوں نے مسلمانوں کے بائیں بازو پر ایک سخت حملہ کیا۔ روایت ہے کہ کچھ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے اور جناب شریفؒ جو بائیں بازو کے کمانڈر تھے، انہوں نے بڑی مشکل کے ساتھ رومی حملہ کو روکا اور اپنی صفوں کو بچال کیا۔ رومیوں نے الیتہ حالات کا صحیح اندازہ نہ لگایا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں کا کافی نقصان ہو چکا تھا اور ایک بھر پور حملہ کا وقت آ گیا تھا۔ اس لئے انہوں نے ایک بھر پور حملہ کر دیا۔ مسلمانوں کا زیادہ نقصان تیروں کی وجہ سے ہوا تھا۔ اب جو بائیں بازو ہاتھ لڑائی کا موقع مجاہدین کو ملا، تو انہوں نے رومیوں کو میدان جنگ میں ڈھیر کر دیا اور رومی پسپا ہونا شروع ہو گئے۔ لڑائی کا دوسرا مرحلہ بھی ختم ہو گیا۔

اب مسلمان سوچ رہے تھے کہ رومی شاید ایک آدھ حملہ اور کریں گے اور رومی یہ سوچ رہے تھے کہ مسلمان جلد جوابی حملہ کریں گے۔ اس وجہ سے لڑائی ختم گئی کہ اتنے میں ایک رومی افسر بڑی شان و شوکت والے لباس میں ملبوس آگے نکلا اور مبارزت طلب کی۔ مسلمانوں کی طرف سے جناب جمالؒ نکلے جو مبارزت میں نام پیدا کر چکے تھے۔ یہ مبارزت کافی دیر جاری رہی اور جناب جمالؒ

نے بڑی مشکل کے ساتھ رومی افسر کو ختم کیا۔ بلکہ خود اتنے شدید زخمی ہوئے کہ چند دن بعد وفات پا گئے۔ جناب عمرو کو پڑا رنج ہوا۔ کیونکہ آپ جمال کے بڑے مداح تھے۔ اس لئے آپ کو مقدم سپاہی کے قبرستان میں ایک نمایاں جگہ پر بڑی عزت کے ساتھ دفن کیا۔

مسلمانوں کا حملہ

بہر حال جناب جمال کی کامیابی نے لڑائی کا رخ پھر دیا اور اس کے بعد مسلمانوں نے رومیوں پر جوابی حملہ کر دیا، جس سے رومی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اب رومی بھاگتے جا رہے تھے اور مسلمان تعاقب کر رہے تھے۔ یہ تعاقب اپنی قسم کا آپ تھا۔ سکندریہ کا فاصلہ نیکوس سے تقریباً سو میل ہے اور اگلے چار پانچ دن مسلمانوں نے رومیوں کا لگاتار تعاقب کیا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ رومی سکندریہ میں پہنچ کر پھر قلعہ بند ہو جائیں لیکن رومی بھاگنے میں تیز نکلے اور مسلمانوں کے وہاں پہنچنے سے پہلے وہ ایک دفعہ پھر قلعہ بند ہو چکے تھے۔

سکندریہ کا محاصرہ اور دوسری فتح

جناب عمرو بن عاص جب سکندریہ پہنچے اور انہوں نے سکندریہ کے دروازے بوز دیکھے تو ان کو سخت افسوس ہوا کہ انہوں نے سکندریہ کا قلعہ اس طرح مسمار کیوں نہ کر دیا جس طرح فرما کے قلعہ کو کیا تھا لیکن ان کا یہ افسوس بڑا ذلتی تھا چند دنوں بعد کچھ لوگوں نے مسلمانوں کے ساتھ ملاپ قائم کیا کہ اگر ان کی جان بخشی ہو تو وہ قلعہ کے دروازے سے رات کو کھول دیں گے۔ مسلمانوں نے مان لیا اور قلعہ کے دروازے کھل گئے۔ مسلمان دوسری دفعہ سکندریہ میں فخر بگمیر کے عدا کے ساتھ داخل ہوئے اور سکندریہ کی فضا اشد اور رسول کے نام سے گونج اٹھی۔

مصرنی مبصرین کے تبصرے

سکندریہ کی دوسری فتح پر مصرنی مبصرین نے عجیب و غریب تبصرے کئے ہیں کوئی لکھتا ہے کہ رومیوں نے دیر کر دی سکندریہ پر قبضہ کرنے کے بعد اگر وہ فسطاط پہنچ جاتے تو سہ دوبارہ سلطنت روم میں شامل ہو گیا ہوتا کوئی کہتا ہے کہ قبلی غلبائیوں اور مقتوس نے مدد نہ کی اور پھر کچھ لوگوں نے سکندریہ کے لوگوں پر غدار ہی سہا التزام لگایا کہ انہوں نے

سکندریہ کے دروازے کھول دیئے اور رومیوں کو بھاگنا پڑ گیا۔ یہ سب باتیں اپنی جگہ پر کچھ ٹھیک ہیں، سوائے نسطاط تک پیش قدمی کے۔ اگر رومی یہ بات کر بیٹھتے تو ان میں سے ایک بھی بڑا کڑا پس سکندریہ نہ پہنچتا۔ وہ مصر میں جنگ اڑ چکے تھے۔ لوگ ان کے مخالف تھے اور مسلمانوں کی متحرک طاقت کے سامنے وہ سکندریہ کے باہر کسی جگہ نہیں ٹھہر سکتے تھے۔

لیکن رومیوں کے سکندریہ پر قبضہ رکھنے کا وقت بھی گزر چکا تھا پہلے بھی رومیوں نے سکندریہ کو اس لئے چھوڑا تھا کہ کوئی اکیلی اکیلی بندرگاہ قبضہ میں نہیں رکھی جاسکتی۔ دوسری جنگِ مشرق میں سنگاپور کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ انگریز اس کو ناقابلِ تسخیر سمجھتے تھے لیکن جب ملاپور جاپانیوں کا قبضہ ہو گیا تو انگریزوں اور امریکہ کی مل جل کر بحری طاقت اور سنگاپور کا لڑائی و فناء سنگاپور کو نہ بچا سکا بلکہ ۱۹۴۵ میں رنگون کی بندرگاہ پر قبضہ کے سلسلہ میں جب جاپانی رنگون سے تیس میل شمال میں پیگو کے مقام پر پہنچ گئے تو انگریزوں کو رنگون چھوڑنا پڑ گیا۔ ۱۹۴۵ میں رات کو جب برطانوی فوجوں کے ساتھ رنگون پر حملہ کرنے والی فوج کے ساتھ آتر تو دفاع کے لئے کوئی جاپانی رزمیہ موجود نہ تھا اور ہمارے اڈے پر ایک گولی بھی ناز نہ ہوئی۔ وجہ یہ تھی کہ چودھویں فوج، جس کے ساتھ راقم خود شہابی برٹھیا میں رہ چکا تھا، جس وقت پیگو پہنچی تو جاپانیوں نے رنگون خالی کر دیا۔

کسی بندرگاہ کا دفاع یا اس پر قبضہ رکھنے کا مضمون بڑا اہم ہے اور بندرگاہ تب تک بندرگاہ ہے کہ اس کے اوپر والے خشکی کے علاقوں کے ساتھ ہر طرح کا رابطہ موجود ہو جب اس میں خلل آجائے تو ایک دوسرے کو بھی لے ڈوبے گا۔ ہر بندرگاہ کا دفاع اپنی قسم کا آپ ہوتا ہے کہ ہر بندرگاہ کے جغرافیائی اور سیاسی حالات ایک جیسے نہیں ہوتے اس لئے خاص مطالعہ کی ضرورت ہوتی ہے خصوصاً ہماری بندرگاہ کراچی کے بارے میں اور زیادہ دقیق اور عمیق مطالعہ کی ضرورت ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ اکیلا بحری بیڑہ کسی بندرگاہ کی حفاظت نہیں کر سکتا، خواہ وہ کتنا مضبوط ہو یہاں مل جل کر کوشش کی ضرورت ہوتی ہے۔

صلہ راقم شمالی برہما میں زخمی ہو گیا تھا اور ٹھیک ہونے کے بعد چودھویں فوج کی بجائے رنگون پر حملہ کرنے والی فوج میں شامل ہو گیا تو دونوں طرف کی لڑائی دیکھنے کا موقع مل گیا۔

سکندریہ کی دوسری جنگ کے نتائج

۱۔ سکندریہ اور مصر پر اہل روم کا دوبارہ حملہ ضرور کسی بڑی تجویز کا حصہ تھا۔ رومیوں نے شام کے ساحل پر کسی بندرگاہ پر قبضہ کرنے کی کوشش نہ کی۔ شام کے محاذ پر کوئی اور بھرپور حملہ نہ کیا۔ آخر مصر اور سکندریہ کو کیوں چنا گیا جو اتنا دور تھا۔ اور بحری جنگ اس زمانے میں ایک مشکل عمل تھا کہ کشتیاں بادبازوں اور چوڑوں کی مدد سے چلتی تھیں۔ جنگ بھی اتنی گھسان کی تھی کہ منوبلی خھی اس جنگ میں مارا گیا۔ کچھ رومی کشتیوں میں سوار ہو کر یورپ واپس چلے گئے ان کی کافی بڑی بڑی کشتیاں بندرگاہ میں رہ گئیں ان کشتیوں نے مسلمانوں کو بڑا فائدہ دیا۔ کہ اس کے بعد مسلمانوں نے جو بحری فوج بنائی اُس میں یہ کشتیاں بڑے کام آئیں۔

۲۔ بہر حال اس جنگ کے نتائج بڑے واضح تھے کہ رومیوں کی طبیعت خوب صاف

ہوئی اور آئندہ انہوں نے بحری بیڑے کے ساتھ اتنی بڑی فوج کو کسی ساحل پر اتار کر قبضہ کرنے کی کوشش نہ کی۔ سمندر کے ذریعے بری فوج کے ساتھ حملہ کرنے کے لیے بہت تیاری کی ضرورت ہوتی ہے اور مشکل کام یہ ہوتا ہے کہ کسی طرح ایک دفعہ وہاں پر قدم ٹک جائیں۔ لیکن ایک یہ مرحلہ بھی مشکل ہوتا ہے کہ جہاں پر اتر جائے وہاں کے لوگ بھی حملہ آور کے ساتھ تعاون کریں۔ اتحادیوں نے دوسری جنگ عظیم میں سمندری حملہ کے لیے پہلے سسلی اور اطالیہ کو چنا۔ وہاں کامیابی کے بعد بحیرہ ادریاتیا نوس یا رودبار انگلستان سے بڑا حملہ جون ۱۹۴۲ میں فرانس کے جزیرہ نما سینٹر برگ پر کیا۔ وہاں کے لوگوں نے بھی اتحادیوں کو خوش آمدید کہا اور پیچھے بے پناہ طاقت بھی موجود تھی جس سے کامیابی ہوئی۔

۳۔ رومیوں کے اس حملے اور شکست میں مسلمانوں کے لئے بڑے سبق تھے۔ اور ان پر ظاہر ہو گیا کہ اہل روم کے لئے مصر اور افریقیہ کی شام سے بھی زیادہ اہمیت ہے اس لئے مسلمانوں کو آگے بڑھنا ہو گا اور رومیوں کو طرابلس وغیرہ سے مکمل طور پر خارج کرنا ہو گا۔ ورنہ رومی خشکی اور سمندر دونوں طرف سے حملہ کر سکتے ہیں۔ ساتھ ہی مسلمانوں پر ظاہر ہو گیا کہ ان کو کوئی بحری بیڑہ بنانا ہو گا کہ سمندر پر قبضہ کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

۴۔ اسلام کے لحاظ سے فتح کا اختتامی مقام، باطل فلسفوں سے مختلف ہوتا ہے۔ مسلمانوں کو ملک فتح کر کے اللہ کے احکام کا نفاذ کرنا ہوتا ہے۔ تاکہ حق کو لایا جائے اور باطل کو مٹایا جائے۔ اس عمل کو بدرجہ آگے بڑھایا جاتا ہے، نہ کہ اس طرح جیسے سکندر یونانی، یا منگول ملک فتح کرتے گئے۔ لیکن فتوحات قائم نہ رہ سکیں۔ نپولین بھی دنیا کو فتح کرنا چاہتا تھا اور کبھی مصر پہنچ گیا اور اور کبھی ماسکو۔ لیکن یہ سب فتوحات اُس کو ہنگامی پڑیں۔ اس صدی میں جرمنی اور جاپان نے بھی ایک ایسی کوشش کی۔ لیکن یہ عارضی اور ضرورت کی فتوحات ہوتی ہیں۔ مسلمانوں کی فتوحات کے لئے کچھ تیاری کی ضرورت ہوتی تھی۔

۵۔ اور یہ سبق آج کل بھی اتنا اہم اور ضروری ہے، اسلام کو جغرافیائی طور پر ملکوں کی فتوحات میں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ اسلام ایک فلسفہ حیات کا دعویدار ہے، اور اس فلسفہ حیات کو پہلے اپنے ملک میں جاری و ساری کرنا ہوتا ہے، تاکہ اوروں کے لئے یہ ایک مثال ہو۔ حضرت عمرؓ یہی فرماتے تھے، کہ جہاں تک وہ پہنچ چکے تھے، وہاں تک اسلامی فلسفہ حیات کو جاری و ساری کیا جائے۔ اور مسلمانوں کے کردار، عزم و معاشرت یعنی رہنے سہنے کے طریقے اور عمل کو دیکھ کر لوگ اسلام میں داخل ہوں۔

مسلمانوں کی عظمت

سکندر یہ کی دوسری جنگ میں مسلمانوں کی عظمت کی ایک درخشاں مثال موجود ہے کہ کئی مغربی مورخین نے بھی اس کو سراہا ہے۔ جنگ کے بعد کچھ لوگوں نے شکایت کی، کہ جب رومی آئے تو انہوں نے ان کا مال چھین کر اُس پر قبضہ کر لیا یا استعمال کیا۔ چونکہ مسلمان ان کو اس عرصہ میں حفاظت نہ دے سکے، تو یا تو ان کے نقصانات کو پورا کیا جائے یا ان کا ٹیکس واپس کیا جائے۔ یہ درخواست جناب عمرو بن عاص کے سامنے پیش ہوئی تو انہوں نے منظور فرمائی۔ لیکن فرمایا کہ لوگوں کے تمام نقصانات کو پورا کیا جائے۔ اس عمل سے کئی مسلمان ہو گئے۔ بلکہ پہلے جو حضرت عمرؓ نے حکم دیا تھا، کہ عربی زبان کو جاری کر دو تو اہل مصر نے عربی زبان کو اپنانا بھی شروع کر دیا تھا۔

لسانی وحدت

اہل مصر پہلے غیر عرب ہیں، جنہوں نے عربی زبان کو اپنا کر افریقہ کے مغرب تک اس کا رخیر کو پہنچا دیا۔ اور اہل مصر کا یہ رویہ اس جہان اور آخرت دونوں میں اُن کے لئے باعثِ رحمت ہے۔ کاش! مشرق میں بھی ایسا ہوتا۔ تو آج مسلمانوں میں اور زیادہ وحدت ہوتی۔ یا کم از کم وحدت کا ذریعہ تو موجود ہوتا۔ حضور پاکؐ نے فرمایا:-

”پسند کرو عربی کو کہ قرآن پاک کی زبان ہے۔ پسند کرو عربی کو کہ اہل جنت کی زبان ہے۔ اور پسند کرو عربی کو کہ یہ میری زبان ہے۔“ یہ آخری فقرہ، ہم عجمیوں کے لئے ہے اور جس نے اس فقرہ کے سامنے آمنا و صدقنا کے الفاظ کہے، وہ عجمی نہ رہ گیا۔ اور ہم آج بھی عجم کے چکر میں ہیں کہ عرب و عجم کا سوز و باز ایک نہ ہو سکا:-

وہ صوفی کہ تھا خدمتِ حق میں مرد
عجم کے خیالات میں کھو گیا
محبت میں یکتا حیت میں فرد
یہ سالک مقامات میں کھو گیا (اقبال)

جناب عبداللہ کی عملداری

سکندریہ کی دوسری جنگ کے بعد خلیفہ وقت نے مصر کے علاقہ کے لئے وہی نظام تجویز کیا جو بصرہ اور کوفہ میں رائج تھا کہ مالیات کے انسر کو مرکز مقرر کرتا تھا نظامتہا و سپہ سالاری کے لئے گورنر جناب عمرو بن عاص جو اب وہ ہوں گے، لیکن مالیات کو عبداللہ بن ابی سرح کے حوالے کیا جائے جو ضرورت کے مطابق مصر کے گورنر کو بھی رقم دے گا۔ اور وہ مرکز کا نمائندہ ہوگا۔ جناب عمرو بن عاص کو یہ بات پسند نہ آئی۔ وہ خلیفہ ازل کے زمانے سے خود مختار طور پر سپالاری کر رہے تھے۔ صرف ضرورت کے تحت شام میں انہوں نے جناب خالدؓ اور جناب ابو عبیدہ کے ماتحت کام کیا تھا۔ اور مصر کی نظامت ان کو بہت پسند تھی۔ اس لئے انہوں نے جناب عثمانؓ کو لکھا کہ اس تجویز کا یہ مطلب ہے کہ ”میں گاٹے کے سینگ پکڑنے والا بن جاؤں اور دودھ دوہنے والا کوئی اور ہو۔“

اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اس کہادت میں کتنی سچائی ہے پہلے جناب عمرؓ نے بھی حضرت

عمر بن عاص اور سب گورنروں کا محاسبہ کیا تھا۔ اور جو رقم ان کے پاس حساب سے فالتو نظر آئی وہ بیت المال میں ڈال دی گئی۔ اور جناب فاروقؓ نے ایک شام کو فہم کو فہم اور بصرہ میں مالیات کے نظام کو الگ کر دیا تھا لیکن مصر میں ایسا نہ ہو سکا تھا کہ اس وقت ملک نیا نیا فتح ہوا تھا۔ اور مہات آگے جا رہی تھیں۔ بہر حال یہ سب معاملات اتنے پیچیدہ نہیں جتنے تاریخ دانوں نے بنا دیئے ہیں ایسی باتیں اختلاف ضرور پیدا کرتی تھیں اور آگے یہ ذکر آئے گا کہ کوفہ میں ایسا اختلاف جناب سعد بن ابی وقاص اور جناب عبداللہ بن مسعود کے درمیان بھی پیدا ہوا تھا۔ مصر کے حالات کچھ مختلف تھے وہاں حضرت عثمانؓ اور جناب عمرو بن عاص میں اختلاف ضرور ہوا ہو گا۔ البتہ گائے کے سینگوں والی بات سے ہو یا کسی اور ایسے لفظ سے کہ جناب عثمانؓ نے عبداللہ بن ابی مرثد کو مصر کا گورنر بنا دیا۔ اور جناب عمرو بن عاص کو سبکدوش کر دیا گیا۔

سازشیوں کے حلوے مانندے

یہ واقعہ پچیس یا چھبیس ہجری کا ہے۔ اور حضرت عثمانؓ کے خلاف فتنہ ۳۲ اور ۳۳ ہجری میں شروع ہوا۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر بیان کریں گے کہ اگلے پانچ، چھ سالوں میں بڑی فتوحات ہوئیں۔ ایران اور شام کے علاوہ سب سے زیادہ فتوحات افریقہ میں ہوئیں اور ان کا سہرا عبداللہ بن ابی مرثد کے سر باندھا جانا چاہیے۔ لیکن تاریخوں میں جناب عمرو بن عاص کی سبکدوشی کو بھی بعد میں نزاع کا باعث بنا دیا گیا۔ اُس زمانے میں کسی نے کوئی بات نہ کی اور متعدد عظیم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فرزند افریقہ میں جناب عبداللہ بن ابی مرثد کی ماتحتی میں جہاد میں مصروف رہے۔ جناب عمرو بن عاص کا تقرر خلیفہ اول نے گیارہ ہجری میں ایک لشکر کے کمانڈر کے طور پر کیا تھا۔ اُن کے ماتحت والے اُس زمانے کے باقی کمانڈر یا تو سبکدوش کر دیئے گئے تھے یا وفات پا چکے تھے، کتاب دوم میں خلیفہ اول کے جن ستترہ لشکروں کے کمانڈروں کا ذکر ہے اُن میں جناب عمرو بن عاص سب سے آخر میں سبکدوش کئے گئے۔ اور ان کے اپنے بیٹے عبداللہ بن جن کا ذکر ہو چکا ہے، وہ عبداللہ بن ابی مرثد کی فوج میں ایک امیر کے طور پر مامور تھے۔

اب تاریخ میں جو یہ روایات موجود ہیں، کہ جناب عمرو بن عاص نے خود تسلیم کیا کہ مصر کی گورنری سے ہٹ جانے کے بعد وہ حضرت عثمانؓ اور ان کے امرا کی تنقید کو ہی اپنا شغل بنا لئے رکھتے تھے۔

تو یہ روایت تسلیم نہیں کی جاسکتی۔ ظاہر ہے کہ فتنہ و فساد کے بعد، کسی کہانیاں گھڑ لی گئیں اور صحابہ کرامؓ کے ماضی کو بھی خواہ مخواہ بیچ میں لایا گیا۔

افریقہ کی فتوحات

جناب عبداللہؓ نے علداری سنبھالنے کے بعد رہے سبے افریقہ کو فتح کرنے کی تیاری شروع کر دی۔ مصر کی حدود موجودہ سڈی برانی تک تھیں۔ باقی سب علاقے افریقہ کے صوبے یا ملک کی علداری میں تھے۔ یعنی برقہ سے لے کر تبخیر تک ایک ہی ملک تھا جس کا دارالمخلافہ کاہیرتھ تھا جو موجودہ ٹیونس شہر کے نزدیک تھا۔ یہاں بھی اہل روم کا ایک باجگذار بادشاہ رہتا تھا۔ جس کا نام جرجمیر تھا اور اہل یورپ اسی شخص کو گرگوری (GREGORY) کہتے ہیں۔ یہ وسیع علاقے پر حکومت کرتا تھا اور جگہ جگہ اُس کے عامل یا گورنر تھے۔ کچھ یہ روایت بھی ہے کہ ہرقل کے مرنے کے بعد جرجمیر نے اہل روم کی باجگذاری ختم کر دی اور خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ لیکن مسلمانوں کے حملوں اور سپیش قدمی کے دوران رومی جہاز بھی کئی دفعہ ملک کے افریقہ کے ساحل پر نگر انداز ہوتے رہے اور جہاں مسلمانوں کی زیادہ نفری دیکھی وہاں وہ جہازوں میں سوار ہو کر یورپ واپس چلے جاتے تھے۔ اس لئے رومیوں کا افریقہ کے ساتھ تعلق ضرور تھا۔ نقشہ ششم یہاں پر حالات کی کچھ سرسری نشاندہی کرتا ہے۔ اس میں پہلے جناب عمرو بن عاص کی برقہ تک کی مہم اور جناب عقبہ بن نافع کی زویلہ تک کی مہمات کی نشاندہی بھی کی گئی ہے اگر جناب عمرو بن عاص طرابلس تک بھی گئے تو مانا جاسکتا ہے۔ نقشہ ظاہر کرتا ہے کہ برقہ سے لے کر طرابلس کے ساحلی علاقے یورپ کے ساحل سے کافی دور ہیں اور یہاں پر اہل روم کا زور نہ تھا، لیکن طرابلس سے آگے بحیرہ روم کی وسعت تنگ ہو جاتی ہے اور سسلی و اطالیہ کے علاقوں کے ساتھ رابطہ نزدیک سے ہو جاتا ہے۔ ہم مختلف مقامات کے فاصلوں کا ذکر کر چکے ہیں کہ اب مسلمان وسیع علاقوں میں سرپٹ گھوڑے دوڑانے کے لئے پرتول رہے تھے۔

اسلامی لشکر

جناب عثمانؓ نے جناب عبداللہؓ کو افریقہ کی فتوحات کی اجازت دے دی اور مدینہ شریف سے بیس ہزار کا ایک لشکر تیار کر کے فسطاط بھیجا گیا۔ اس لشکر میں جناب امام حسنؓ بن علیؓ، امام حسینؓ بن علیؓ، عبداللہ بن جعفر طیارؓ، عبداللہ بن عمروؓ بن عاصؓ، عبداللہ بن عمر فاروقؓ اور حضرت عثمانؓ کے چچیرے بھائی مروان اور حارث بن حکم بھی تھے۔ یہ بھی روایت ہے کہ عبدالرحمن بن ابوبکرؓ بھی لشکر میں شامل تھے۔ لیکن کچھ مورخین نے ان کا نام نہیں لکھا عبداللہ بن زبیرؓ کے بارے میں بھی اسی طرح اختلاف ہے، کہ لشکر کے ساتھ تھے یا بعد میں ملک یا خبر حاصل کرنے کے لئے آئے۔ لیکن آگے چل کر جنگ میں شرکت ضرور کی جس کا ذکر بعد میں آئے گا۔ یہ تمام نام ہم نے مختلف تاریخوں سے لئے ہیں کسی تاریخ میں سب نام ہیں اور کسی میں تھوڑے بڑی نے جناب امام حسنؓ، امام حسینؓ کے علاوہ صرف چار اور نام لکھے ہیں اور آگے وغیرہ کے لفظ پر اکتفا کی ہے ہمارا تجزیہ ہے کہ سب صحابہ کرام کے عظیم فرزند و رالیسی جنگوں میں شامل ہوئے ہوں گے۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ جناب عقبہ بن نافعؓ بھی جنہوں نے پہلے زویلہ تک کے علاقے فتح کئے تھے۔ اس لشکر میں شامل تھے۔ چنانچہ ان سب روایات کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ اسلامی لشکر بہت بڑا تھا۔ بعض مورخین کے حساب سے بیس ہزار مجاہدین مدینہ شریف سے آئے اور بیس ہزار فسطاط سے اکٹھے ہوئے اور کل لشکر کی تعداد چالیس ہزار تھی لیکن کچھ مورخین نے کل لشکر کی تعداد بیس ہزار بتائی ہے اور ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ سب سوار تھے یعنی وہ گھوڑوں پر سوار تھے یا اونٹوں پر آگے سے جرجیر کے لشکر کی نفری ایک لاکھ بیس ہزار بتائی جاتی ہے اور کچھ مبصرین کا خیال ہے کہ یہ زیادتی ہے تعداد زیادہ سے زیادہ ساٹھ ہزار ہوگی گو کہ کبھی بھی ایک لاکھ بیس ہزار کی نفری تسلیم کرتا ہے اور اکثر مسلمان مورخین بھی جن کا تعلق شمالی افریقہ سے رہا ہے یہی کہتے ہیں ہمارا اندازہ ہے کہ مسلمانوں کی تعداد بھی تیس ہزار سے کم نہ تھی، کہ اتنا دور جانے کے لئے زیادہ نفری کی ضرورت تھی اور جرجیر کی فوج بھی ساٹھ یا ستر ہزار تک ہوگی۔

افریقہ کے سیاسی اور ملکی حالات

افریقہ کی پرانی تاریخ کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ کسی زمانے میں طرابلس بھی زیادہ اہم رہا ہے ایشیا یا یورپ سے جو لوگ افریقہ جاتے تھے وہ ادھر ہی آباد ہو جاتے تھے۔ پھر ٹیونس، جس کو اس زمانے میں کارتھج کہتے تھے زیادہ اہم ہو گیا۔ اور اناطولیہ سے فناکس لوگ باقی پوزیشین اور جرمنی سے ونڈال لوگ وغیرہ دفنوں کے ساتھ افریقہ میں جا کر آباد ہوتے رہے۔ مسلمان مورخین نے البتہ شمالی افریقہ کے تمام لوگوں کو بربر یا زاناتہ کے نام سے موسوم کیا ہے روایت ہے کہ جالوت انہی لوگوں کا بادشاہ تھا۔ حضرت طاوت کے ساتھ جب جالوت کی لڑائی ہوئی، تو حضرت داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا کہ آپ بھی حضرت طاوت کے لشکر میں تھے۔ یہ ذکر قرآن پاک میں بھی ہے کہا جاتا ہے کہ اس شکست کے بعد یہ لوگ موافق اور برقعہ میں سکونت پذیر ہو گئے ان مقامات کو زمانہ قدیم میں اطرابلس بھی کہتے تھے جس کی وجہ سے مسلمانوں نے ان علاقوں کو طرابلس کا نام دے دیا۔ یہ نام اس صدی میں دوسری جنگ عظیم تک عام رہا اور سارے ملک کو ہی طرابلس کہتے تھے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد اس ملک کو لیبیا کہا جانے لگا کہ سارنیکا۔ طرابلس اور لیبیا سب علاقے مل کر ایک ملک بن گیا۔

اس کے بعد موجودہ ٹیونس آتا ہے جس کو پرانے زمانے میں کارتھج کہتے تھے۔ وہاں کے لوگوں کو بھی مسلمان بربر ہی کہتے تھے۔ گو بنیادی طور پر وہ بھی فناکس اور پوزیشن ہیں۔ اور کسی زمانے میں اہل روم کے مقابلہ کی سلطنت تھی۔ حضرت علیؑ کے زمانے سے پہلے پرانی رومی سلطنت، جس کا دارالخلافہ موجودہ روم تھا۔ ان کے اور کارتھج والوں کے درمیان بڑی جنگیں ہوئی جن کو عسکری تاریخ کے طالب علم پیونک کی جنگیں کہتے ہیں۔ انہی جنگوں کے دوران ہنی بال نے تنجیر سے سمندر پار کر کے سپین کو فتح کیا اور کوہ رلیس کے راستے اہل روم پر حملہ کیا، جو عسکری تاریخ ایک عظیم مثال ہے۔ لیکن جواب میں سیکسیو نے یہی کچھ کارتھج میں کیا کہ ہنی بال کے ساتھ اطالیہ میں لڑائی لڑنے کی بجائے وہ ہنی بال

کے ملک میں پہنچ گیا۔ ہنری بال بے شک ایک عظیم جرنیل تھا لیکن اینوں نے اس کے ساتھ غداری کی اور اس نے زندگی کے آخری ایام گتاسی کی حالت میں دمشق میں گزارے۔ گویہ جنگیں بعد بھی جاری رہیں تو ظاہر ہوا کہ بربر اہل یورپ کے پرانے دشمن بھی تھے

تبصرہ

یہاں ایک تبصرہ بھی ضروری ہو گیا ہے۔ مسلمانوں نے چند سال بعد پورے شمالی افریقہ کو فتح کر لیا۔ اور بربر قوم کے اکثر لوگ مسلمان ہو گئے چنانچہ بنو امیہ کے زمانے میں موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد نے ہنری بال کے نقش قدم پر چلتے ہوئے تبخیر سے آگے بڑھ کر اندلس (سپین) پر حملہ کیا تو اسلامی لشکر میں بربر بھی شامل تھے، جو مسلمان ہو چکے تھے۔ اہل یورپ نے اپنی شکست کی ذمہ داری بربر قوم کی سختی پر ڈال دی جو پہلے بھی ان کے دشمن تھے۔ اور اہل یورپ نے اپنی زبان میں ایک نئے لفظ کو اپنایا، کہ جب کسی جگہ ظلم کا ذکر کیا جاتا تو کہتے تھے بڑا (BARBARIC) ہے یعنی بربر قوم کی طرح ظالم ہے۔ ہم نے انگریزوں کی نقل کرتے ہوئے اس لفظ کو اردو میں بھی جگہ دے دی اور آج بربریت کا لفظ ظلم کے معنی میں لیا جاتا ہے۔ کیا یہ بات افسوسناک نہیں؟

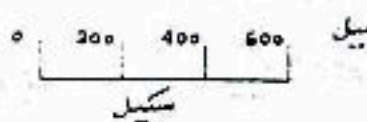
قسططنیہ کے رومی

بہر حال ہم جس زمانے کا ذکر کر رہے ہیں۔ اُس زمانے میں قسططنیہ کے رومی طرابلس، ٹیونس کے علاقوں پر قابض رہ چکے تھے کہ ہرتل کے باپ بھی کس زمانے میں کار بھتج کا گورنر تھا اور ہرتل چھوٹا بڑا بھی وہاں پر ہی ہو ا تھا۔ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ قسططنیہ والے اپنے آپ کو اطالیہ والی روم کی سلطنت کے جانشین کہتے ہیں۔ ان کے ہاتھ سے ایک دفعہ افریقہ نکل گیا تھا۔ پانچویں صدی عیسوی میں قسططنیہ کے رومیوں نے افریقہ پر دوبارہ قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن کامیاب نہ ہوئے۔ آخر ۵۳۳ عیسوی میں ہلارس نے افریقہ کو فتح کر لیا وہ جرنیل ہے جس کو لارڈ ویول اپنی کتاب "SOLDIERING"

نقشہ سہم : مسلمانوں کی شمالی افریقہ کی فتوحات

پہلا مرحلہ :- عمرو بن عاص کا برونک حریفی مظاہرہ

دوسرا مرحلہ :- عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کی طرابلس اور ٹیونس کی فتوحات



میں ماربرو کے ساتھ دنیا کا عظیم ترین جرنیل کہتا ہے اور یہ تو ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے بارے میں تو کوئی انگریز اچھے الفاظ کب کہتا ہے۔ لیکن چرچل کو خوش کرنے کے لئے اس کے دادا ماربرو اور بلارس کو دیول نے ہنی بال۔ نیولین۔ سکندر یونانی، چنگیز خان اور پتہ نہیں دنیا کے کن کن عظیم جرنیلوں سے اوپر رکھ دیا۔ کلاسوٹز جو جنگ کا ماہر سمجھا جاتا ہے اس نے بلارس اور ماربرو دونوں کی خوش قسمت اور معمولی تدبیر کا جرنیل کہا ہے اور راقم اس سلسلے میں کلاسوٹز کی کتابوں کے اردو تراجم اور ہفتہ وار ہلال کے جولائی۔ اگست ۱۹۸۱ کے پرچوں میں اس تعصب پر تفصیل سے تبصرہ کر چکا ہے کہ دیول کی کتاب ”سو بھری“ کو ہمارے کچھ لوگ خواہ مخواہ بڑی اہم کتاب سمجھتے ہیں۔ یہ ایک گھٹیا قسم کی کتاب ہے۔ جہاں سپاہی کو چور اور ڈاکو کہا گیا ہے۔ انگریز نامی ایسے ہو سکتے ہیں۔ مسلمان مجاہد ایسے نام پسند نہیں کرتے۔ اور جرنیل دیول ایک باہر لوقت جرنیل تھا۔

اسلامی لشکر کی پیش قدمی

اسلامی لشکر فسطاط سے روانہ ہوا اور دریا سے نبل کو جیزہ کے مقام پر عبور کیا۔ پھر دریا کے مغربی کنارے کے ساتھ ہی رہا اور سکندریہ کو اپنے دائیں ہاتھ پر چھوڑتے ہوئے مصر اور لیبیا کے ریگستان میں داخل ہو گیا۔ لیکن سفر ساحل سمندر کے نزدیک نزدیک تھلا یہ شروع ۲۷ ہجری کی بات ہے۔ اب نقشہ ششم سے مدد لیں۔ برتہ کوئی چار یا پانچ سو میل دور تھا اور وہاں پہنچنے تک ایک ماہ لگ گیا ہو گا۔ برتہ سے طرابلس راستہ سیدھا نہیں اس لئے فاصلہ کوئی آٹھ سو میل ضرور ہو گا۔ جس کو طے کرنے میں ڈیڑھ ماہ ضرور لگا ہو گا۔

افریقہ کے ساحلی علاقے زیادہ آباد نہیں ہیں۔ ساحلی علاقے تب آباد ہو سکتے ہیں کہ وہاں اگر کوئی دریا ڈیلٹا بنائے یا سمندر کی بہت زیادہ جھیلیں یا کھاڑیاں خشکی کے اندر گھسی ہوئی ہوں۔ افریقہ کے ساحل پر یہ دونوں باتیں نہ تھیں۔

بہر حال اسلامی لشکر کی یہ پیش قدمی اہل روم کے لئے بھی اتنی حیران کن تھی کہ انہوں نے مقابلے کے بارے میں کوئی کارروائی نہ کی اور مسلمان لشکر جب طرابلس پہنچے تو رومی فوجوں

نے کچھ مقابلہ کرنے کی کوشش کی لیکن وہ مسلمانوں کی تعداد کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے۔ چنانچہ جلد ہی انہوں نے طرابلس کے قلعہ میں پناہ لے لی اور اپنے بادشاہ جرجیر کو خبر دے دی۔ جرجیر یونانی نسل کا تھا۔ اس لئے ہم اس کو بھی رومی ہی کہہ رہے ہیں، گو ان دنوں وہ کافی خوشنما رہ چکا تھا اور قسطنطنیہ والوں کی ذرا بھر بھی پروا نہ کرتا تھا۔ لیکن اب یہ سن کر حیران رہ گیا کہ اس کا ایک اور دشمن کے ساتھ واسطہ ہے اس لئے اس نے جہازوں کے ذریعے طرابلس کو مدد بھیجی اس کو معلوم تھا کہ مسلمانوں کے پاس کوئی بحری طاقت نہیں ہے۔

طرابلس کی دوبارہ فتح

جناب عمرو بن عاص بھی طرابلس کے قلعہ کو فتح کر چکے تھے۔ اور پھر واپس چلے گئے تھے افریقہ کے ساحل کی بندرگاہیں رومیوں کے لئے اہم تھیں کہ ان کا بحیرہ روم پر قبضہ تھا اور جرجیر کے لئے بھی اہم تھیں۔ لیکن مسلمان ابھی ریگستان کو ہی استعمال کر رہے تھے انہوں نے خشکی کی طرف سے طرابلس کا محاصرہ کر لیا تھا۔ اور اسلامی لشکر میں کچھ مجاہدین ایسے بھی تھے جو عمرو بن عاص کے لشکر کے ساتھ آئے تھے، اور انہیں قلعہ کے کمزور مقامات کا پتہ تھا۔ چنانچہ مسلمانوں نے جرجیر کی بحری ملک وہاں پہنچنے سے پہلے ہی طرابلس پر قبضہ کر لیا اور جرجیر کے لوگ بھاگ گئے۔ چنانچہ جو ملک سمندر کے راستے آ رہی تھی۔ وہ بھی واپس چلی گئی اور جرجیر کو خبر دی کہ مسلمانوں نے نہ صرف طرابلس کو فتح کر لیا ہے۔ بلکہ اس دفعہ وہ اتنی زیادہ نفری رکھتے ہیں کہ آگے بھی ضرور پیش قدمی کریں گے۔

سبیطہ کی جنگ

جرجیر نے کاربھیج کو کب خیر باد کہا اس سلسلے میں مورخین خاموش ہیں۔ روایت ہے کہ رومیوں سے خود مختاری حاصل کرنے کے بعد اس نے بہتر سمجھا کہ دار الخلافہ سمندری سے کچھ دور فاصلے پر رکھے۔ اس لئے اسلامی لشکر کے پہنچنے سے پہلے جرجیر کا دار الخلافہ سبیطہ تھا۔ نقشہ ہفتم میں نقشہ ششم کی نسبت کاربھیج کے ملک کو زیادہ وسیع طور پر دکھایا

گیا ہے، تاکہ مسلمانوں کی حکمت عملی ابھی طرح سمجھ آجائے کیونکہ اب وہ افریقہ کے بہتر علاقے کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے۔ طرابلس سے آگے دو سو میل سفر کرنے کے بعد مسلمانوں نے پناہ مغرب کی بجائے شمال کی طرف پھیر دیا۔ جرجیر اپنا لاؤ لشکر لے کر مسلمانوں کو روکنے کے لئے جنوب کی طرف آگے بڑھا۔ مورخین اس کی فوج کی تعداد ایک لاکھ سے اوپر بتاتے ہیں۔ اور ہم ساٹھ یا ستر ہزار کا اندازہ کر چکے ہیں۔ جرجیر کے دستے فیض کے مقام پر پہنچے ہی تھے، کہ متحرک مسلمان دستوں نے ان پر حملہ کر دیا اور اس زور سے نعرہ تکبیر بلند کیا تو ٹیونس کی فضالہ اور رسول کے نام سے گونج اٹھی۔

۵۔ ناگاہ فضالہ بانگ اذان سے ہوئی لبریز وہ نعرہ کہہ بل مانتا ہے جس سے دل کسارہ (اقبال)

مسلمان مجاہدین کافی عرصہ سے کسی بھر پور جنگ میں حصہ نہ لے سکے تھے وہ جنگ کے لئے بے تاب تھے۔ پھر اسلام کا لشکر بھی بہت بڑا تھا۔ اور اس کے متحرک ہونے کی وجہ سے گرد و غبار اڑا جس نے جرجیر کے لشکر کو ڈرا دیا اس نے جلدی سے لشکر کو واپس کیا اور سبیطلہ کے سامنے شمال سے جنوب کی طرف اپنے لشکر کی تقریباً چار یا پانچ میل لمبے علاقے میں صف بندی کر دی۔ لشکر کے پیچھے ایک اونچی جگہ پر اپنا ہیڈ کوارٹر بنا لیا جس کے چاروں طرف حفاظتی افواج لگا دیں۔ موسم گرمیوں کا تھا اس لئے مسلمان سبیطلہ پہنچ کر رک گئے۔ اور ان کو بھی رومی صفوں کے سامنے صف بندی کرنا پڑا گئی۔

مسلمانوں کی تین شرائط

جنگ شروع کرنے سے پہلے جناب عبداللہ نے جرجیر کو اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی اور اگر یہ بھی منظور نہیں تو جزیہ ادا کیا جائے۔ اگر یہ دونوں شرطیں منظور نہیں ہیں تو پھر مسلمان بھر پور جنگ کر کے سبیطلہ کو فتح کریں گے۔ جرجیر نے پہلی دونوں شرطیں نامنظور کیں اور جنگ کے لئے تیار ہو گیا۔

جنگ کی کاروائی

جنگ کی کاروائی اور صف بندی کے سلسلے میں مورخین خاموش ہیں واقعات کے بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جناب عبداللہ بن زبیرؓ ایک بازو کے امیر تھے اور ہر روز سورج پڑھتے وقت جنگ شروع ہو جاتی اور دوپہر تک گھمان کی جنگ ہوتی۔ لیکن گرمی سخت تھی اس لئے دوپہر کے وقت دونوں شکرستانے لگتے۔ ظہر کی نماز کے بعد پھر جنگ شروع ہو جاتی اور سورج غروب ہونے تک جنگ جاری رہتی کسی مورخ نے زمین اور طرفین کی تجویز کو بیان نہیں کیا اس لئے ہم بھی کوئی تدبیراتی تجزیہ یا تبصرہ نہیں کر رہے۔ البتہ اس جنگ کے نفسیاتی اور رومانی پہلوؤں کی طرف کچھ ایسی پیش رفت ہوئی کہ تدبیراتی معاملات پر پردے پڑ گئے۔

نفسیاتی جنگ

جرجیر کی صبح میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ وہ مسلمانوں کو کیسے شکست دے۔ اُس کے دل میں خیال آیا کہ اگر کسی طرح وہ مسلمانوں کے سپہ سالار کو تہ تیغ کر دے، تو شاید لڑائی جیت جائے۔ اُس کی ایک خوبصورت لڑکی تھی جس کو ابن خلدون نے صبح کا نام دیا ہے۔ جرجیر نے اُس کو اُس کی تقریباً چالیس خوبصورت سہیلیوں کے ساتھ بلا کر اپنے ہیڈ کوارٹر میں کھڑا کر کے یہ اعلان کیا کہ جو آدمی مسلمانوں کے سپہ سالار کا سر کاٹ کر لائے گا اس کے ساتھ وہ اپنی لڑکی کی شادی کر دے گا۔

مسلمان سپہ سالاروں کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ اگلی صفوں میں رہ کر جنگ لڑتے تھے یاد ہاں حاضر ہوتے تھے۔ یہی کچھ جناب عبداللہؓ بھی کرتے تھے۔ لیکن جب رومی، اُن کو صفوں میں دیکھ لیتے تھے تو اُن کی طرف ٹوٹ پڑتے تھے۔ اس وجہ سے جناب عبداللہؓ نے فیصلہ کیا کہ وہ میدان جنگ میں پچھلی صفوں میں رہیں گے تاکہ رومی اُن پر جلدی سے حملہ نہ کر سکیں۔

مدینہ سے مکہ

اسی زمانے میں مدینہ شریف میں حضرت عثمانؓ فکر مند ہوئے کہ افریقہ کے علاقے سے کوئی خبر نہ مل رہی تھی۔ ابن خلدون کے مطابق جناب عثمانؓ نے عبدالرحمنؓ بن زبیرؓ کو فوج کے دستہ کے ساتھ مکہ کے طور پر بھیجا، کہ افریقہ کی خبر لائے۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ عبداللہؓ بن زبیرؓ تھے کہ جناب زبیرؓ کے کسی بیٹے کا نام عبدالرحمنؓ نہ تھا۔ آپ شہداء کے نام پر اپنے بیٹوں کے نام رکھتے تھے۔ اس لئے ہم ان کو عبداللہؓ ہی کہیں گے۔ بہر حال جب جناب عبداللہؓ میدان جنگ میں پہنچے تو انہوں نے حکم دیا کہ مجاہدین باری باری میدان جنگ میں داخل ہوں گے اور نعرہ تکبیر لگائیں گے۔ اس طرح گو مکہ تو تھوڑی تھی، لیکن یہاں بھی جنگ قادسیہ والا طریقہ دہرایا گیا اور مسلمانوں کے نعروں سے فضا گونج اٹھی۔ جو مجاہد میدان جنگ میں پہنچتے تھے وہ نعرہ تکبیر لگا کر پہلی صفوں میں پہنچ کر دشمن کو تلوار کے ہاتھ دکھاتے تھے۔ جناب عبداللہؓ خود سب سے آخر میں داخل ہوئے اور وہ بھی جنگ میں شریک ہو گئے، کافی دیر جنگ لڑنے کے بعد انہوں نے پوچھا کہ سپہ سالار کہاں ہیں تو ان کو بتایا گیا کہ وہ پیچھے ہیں۔

ہر دو عبداللہؓ کی ملاقات

جناب عبداللہؓ بن زبیرؓ جب عبداللہؓ بن ابی سرح سے ملے اور خلیفہ سوم کا سلام دیا تو حیرانگی سے پوچھا کہ وہ لشکر کی اگلی صفوں سے اتنا دور کیوں ہیں۔ جناب عبداللہؓ بن ابی سرح نے ساری کہانی سنائی۔ تو جناب ابن زبیرؓ نے کہا کہ یہ تو نفسیاتی جنگ ہے آپ اعلان کر دیں کہ مسلمان مجاہدین سے جو جریر کا سر کاٹ لائے گا اُس کو جریر ہی کی بیٹی عطا کر دی جائے گی۔ چاہے وہ اُس سے نکاح کرے چاہے لونڈی کے طور پر رکھے۔ بلکہ اُس کی سہیلیوں میں سے بھی اُس کو کچھ لڑکیاں عطا کی جائیں گی۔ چنانچہ اُسی وقت اسلامی لشکر میں یہ اعلان کر دیا گیا۔ اب صبح کے دعویداروں میں اضافہ ہو گیا تو ساتھ جریر کو

ما: حصہ دوم میں یہ پہلو واضح ہے۔

بھی اپنے سر کی فکر پڑ گئی۔

تبصرہ۔

یہ جنگ اب تمام تدبیراتی پہلوؤں سے باہر نکل آئی۔ تمام مغربی مورخین و مبصرین اور اپنوں نے بھی اس تمام واقعہ کو بڑا رومانی بنا دیا ہے اور جی بھر کر تبصرے کئے۔ اگر ہم سب باتوں کو یہاں لکھیں تو اپنے مقصد سے دور ہٹ جائیں گے۔ البتہ چند پہلو و ضاحت طلب ہیں۔ جر جیر نے نفسیاتی جنگ شروع کی۔ اور اس میں اُس کو اتنی کامیابی ہوئی کہ جناب عبداللہؓ اتنے موثر نہ رہے۔ یا اُن کو صحیح مشورہ نہ دیا گیا۔ جب اُن کو صحیح مشورہ دیا گیا جو رد عمل کے طور پر تھا تو وہ بھی موثر ہو گئے اور جر جیر کو اپنی فکر پڑ گئی۔ دوسری بات یہ ہے کہ مسلمان کمانڈر کو کہاں ہونا چاہیے۔ بے شک ہم مانتے ہیں کہ امیر کی حفاظت ضروری ہے۔ حضور پاکؐ بدر کے میدان میں ایک حفاظتی مقام پر تھے یہی حالت جنگِ احد میں تھی۔ لیکن ضرورت پڑی تو اگلی صفوں میں بھی شریک ہو گئے۔ تمام اسلامی جنگوں میں امرا کی ذاتی دلیری اور میدانِ جنگ کی اگلی صفوں میں لڑنے کی روایات موجود ہیں۔

امیر لشکر کے میدانِ جنگ پر اثرات

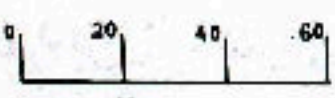
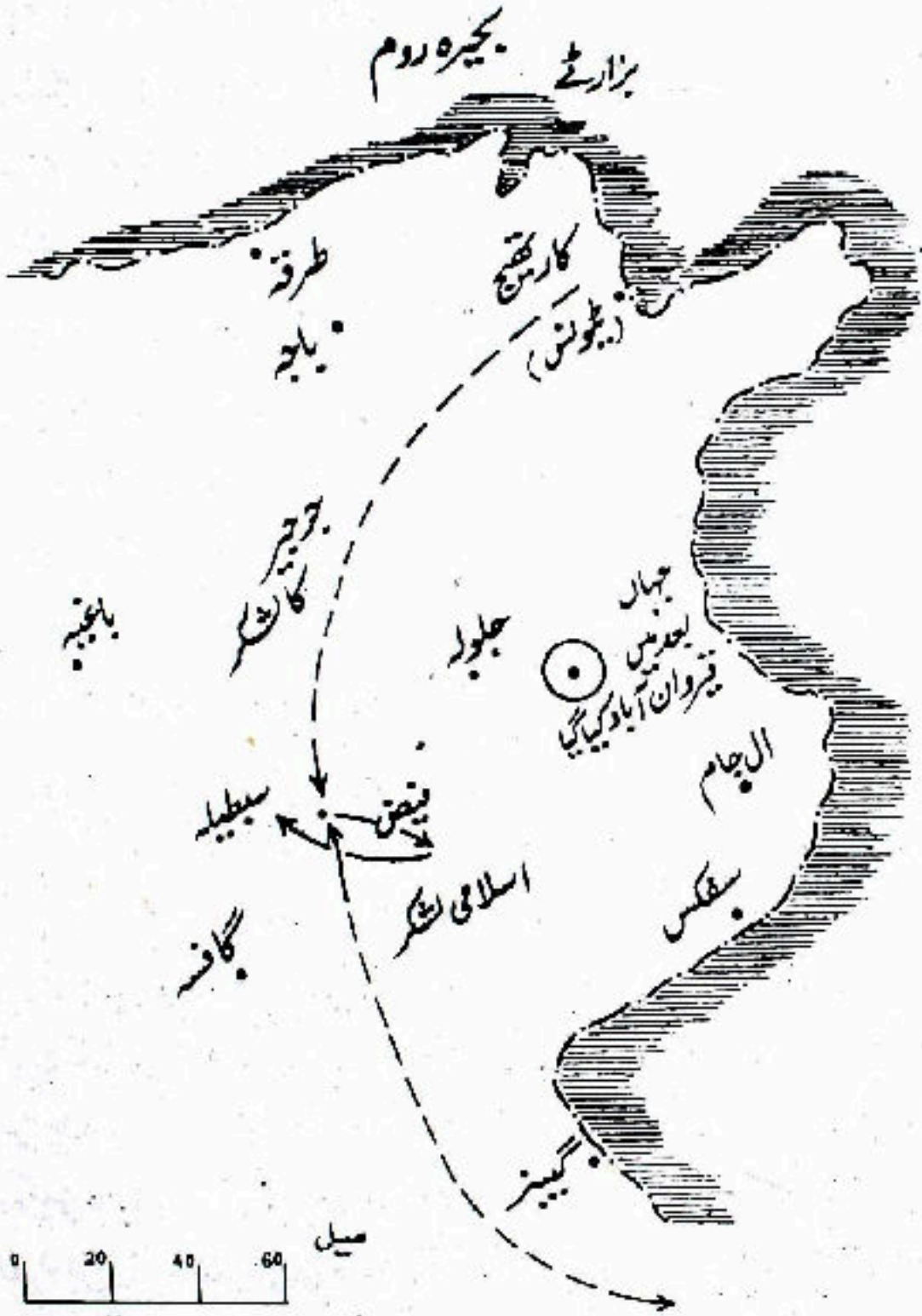
اسلام میں امیر کی بڑی اہمیت ہے اور اُس کی حفاظت بھی اسی طرح اہم ہے۔ لیکن جو امیر اپنی افواج کی اگلی صفوں میں جانے یا رہنے کی ہمت نہ رکھتا ہو وہ اسلامی افواج کے کسی دستہ کا امیر نہیں ہو سکتا۔ اسلامی فلسفہ جنگ کے لحاظ سے امیر کو باخبر ہونا چاہیے اور وہ اپنے ماتحتوں کو نظر آئے۔ جو کمپنی کمانڈر اپنے ماتحتوں کو نظر نہ آئے وہ کمپنی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اور جو بٹالین کمانڈر کم از کم اپنی پلٹن کی آدھی نفری کو نظر نہیں آتا وہ بٹالین بھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ جس برگئیڈ کمانڈر یا ڈویژن کمانڈر کے سامنے زمین کا چپہ چپہ بول نہ رہا ہو کہ وہاں کیا ہو رہا ہے تو وہ کمانڈر اپنے عہدے کے لئے موزوں نہیں۔ اُس کو باہر نکل کر اپنی آنکھوں کا استعمال ضرور کرنا چاہئے۔

صفحہ ۱۲۶-۱

نقشہ ہفتم :- ٹیونس یا کارتھج کا علاقہ اور

شمال

سبیطلہ کی جنگ - محل وقوع



سکیل

طرابلس ۲۰۰ میل

کچھ لوگ یہ کہیں گے کہ کمانڈر کی جان کی حفاظت ضروری ہے بے شک یہ صحیح ہے لیکن کسی حد تک جنگ موتہ میں کیا ہوا؟ جنگ جسر میں کیا ہوا؟ حصہ اول اور حصہ دوم میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ مسلمان فتح و شکست کے لئے نہیں لڑتا۔ وہ اللہ اور رسول کے لئے لڑتا ہے۔ فتح کے لئے دعائیں مانگتا ہے۔ اور ہر سطح پر امیر موجود ہوں تاکہ اوپر والے کی ذمہ داری سنبھال سکیں۔

رُومانی پہلو اور عورت

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا جو مسلمان جرجیر کا سر اس وجہ سے کاٹا کہ اس کو صبیحہ ملے گی تو اس کا ثواب کہاں گیا؟ اصلی بات یہ ہے کہ مسلمان مجاہدین اللہ اور رسول کے لئے لڑ رہے تھے۔ اور جرجیر کا سر کاٹنے کا کوئی فائدہ انعام اس دنیا میں مل جاتا تو کوئی ہرج نہیں تھا۔ یعنی مسلمان مجاہدین صبیحہ حاصل کرنے کے لئے نہیں لڑ رہے تھے اگر وہ مل جاتی تو یہ ایک ایسا انعام تھا جس طرح حیرہ کی فتح کے بعد جناب شویل رضی اللہ عنہ کو کرامتہ مل گئی اور جس کا ذکر پہلی کتاب میں موجود ہے اور حضور پاکؐ اس انعام کے لئے خود اپنی زندگی میں فرما گئے تھے اور مسلمانوں کو جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ سب حضور پاکؐ کی وجہ سے ہے۔

عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ

ذره ریگ کو تو نے دیا طلوع آفتاب۔ اقبالؒ

جرجیر کا قتل

اس جنگ کا فیصلہ جرجیر کے قتل کی وجہ سے جلدی ہوا۔ ورنہ بڑی دیر لگ جاتی۔ گو تدبیراتی طور پر واقعات کا زیادہ علم نہ ہونے کی وجہ سے ہم نے اس جنگ کا کوئی خاکہ نہ بنا تھا۔ لیکن جرجیر کے ہیڈ کوارٹر پر حملہ کی تجویز اور مسلمانوں کے بھرپور حملہ کو سمجھنے کے لئے نقشہ ہشتم میں ہم بغیر سکیل کے اس جنگ کے دو مرحلوں کو دکھا رہے ہیں۔ روایت ہے کہ جناب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما دائیں بازو پر متعین تھے۔ وہاں پر ایک بربر سردار جو اسلام کی طرف

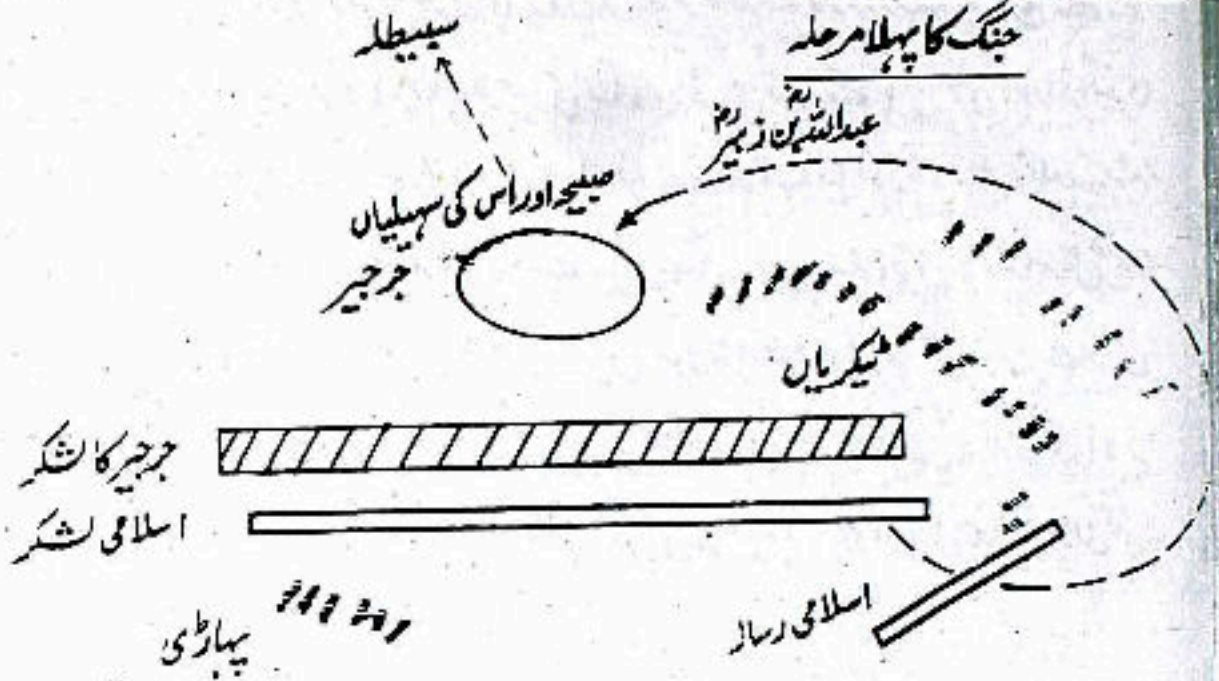
مائل ہو چکا تھا، اُس نے پوشیدگی میں ابن زبیرؓ کے ساتھ ملاقات کی اور اُن کو بتایا کہ جریر کے ہیڈ کوارٹر تک ایک راستہ موجود ہے۔ اور دوپہر کے وقت سب لوگ آرام کرتے ہیں۔ اگر اُس راستے سے اچانک چھاپہ مارا جائے تو جریر کو قتل کیا جاسکتا ہے۔

ابن زبیرؓ نے ابن سورجؓ سے اس چیز کا ذکر کیا اور خود تیس سواروں کے ساتھ ہی اس چھپے راستے جریر کے ہیڈ کوارٹر پر حملہ کرنے کی تجویز بنائی ساتھ ہی فیصلہ ہوا کہ اسلامی رسالہ دوپہر کے وقت مسلمانوں کے دائیں بازو کے پیچھے تیار رہے اور جیسے ابن زبیرؓ کی طرف سے اشارہ ملے وہ دشمن کے بائیں بازو پر حملہ آور ہو جائے۔ اگلے بعد سامنے سے تمام اہل لشکر دشمن پر یلغار کر دیں۔ نقشہ ہشتم کے پہلے مرحلہ میں تجویز کی بنیادی صف بندی اور طریقہ کار دکھایا گیا ہے۔ دوسرے مرحلہ میں تجویز کے عمل پہلو کی نشاندہی کی گئی ہے، تاکہ معاملات آسانی سے سمجھ میں آسکیں۔ چنانچہ ایک مقررہ دن حسب معمول مسلمانوں اور رومیوں نے سورج نکلنے ہی ایک دوسرے پر حملے شروع کر دیئے۔ مسلمانوں کے حملے بڑے بڑے پُر زور تھے۔ لیکن کچھ حملے ایسے بھی تھے کہ رومیوں کو زیادہ مشقت کا سامنا تھا۔ کہ مسلمان آگے بڑھ کر پیچھے ہٹتے تھے۔ مسلمانوں نے دوپہر تک سخت لڑائی لڑی پھر ظاہر کیا کہ وہ تھک ہار کر آرام کے لئے جا رہے ہیں۔ رومی بھی تھک کر آرام کرنے لگے۔ اس دوران جناب ابن زبیرؓ نے اپنے تیس سواروں کے ساتھ جیسا کہ نقشہ ہشتم کے پہلے مرحلہ میں دکھایا گیا ہے ایک لمبا پکر لگایا اور جریر کے ہیڈ کوارٹر کے نزدیک پہنچ گئے۔ جریر بھی گھوڑے پر سوار تھا اور لشکر کی دیکھ بھال کر کے آرام کی غرض سے قلعہ کے اندر جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ جناب عبداللہؓ نے پُر زور سے لٹکار کر اس پر وار کر دیا۔ جریر نے گھوڑے سے اتر کر کسی جگہ چھپنے کی کوشش کی تو جناب ابن زبیرؓ بھی گھوڑے سے اتر گئے اور جریر کو پکڑ کر لایا اور سر کاٹتے لگے تو صبیحہ کی دو تین سہیلیاں جناب ابن زبیرؓ پر چھینے لگیں جنہیں دوسرے مجاہدین نے ہٹا لیا۔ جریر کا سر کاٹ کر جناب ابن زبیرؓ نے نیزہ کی نوک پر اوپر اٹھایا اور اسی دوران مسلمانوں کے رسالے نے جریر کے لشکر کے بازو پر حملہ کر دیا۔

جریر کے لشکر میں کھلبلی مچی ہوئی تھی اور مسلمانوں نے سامنے سے بھی یلغار کر دی۔ لیکن

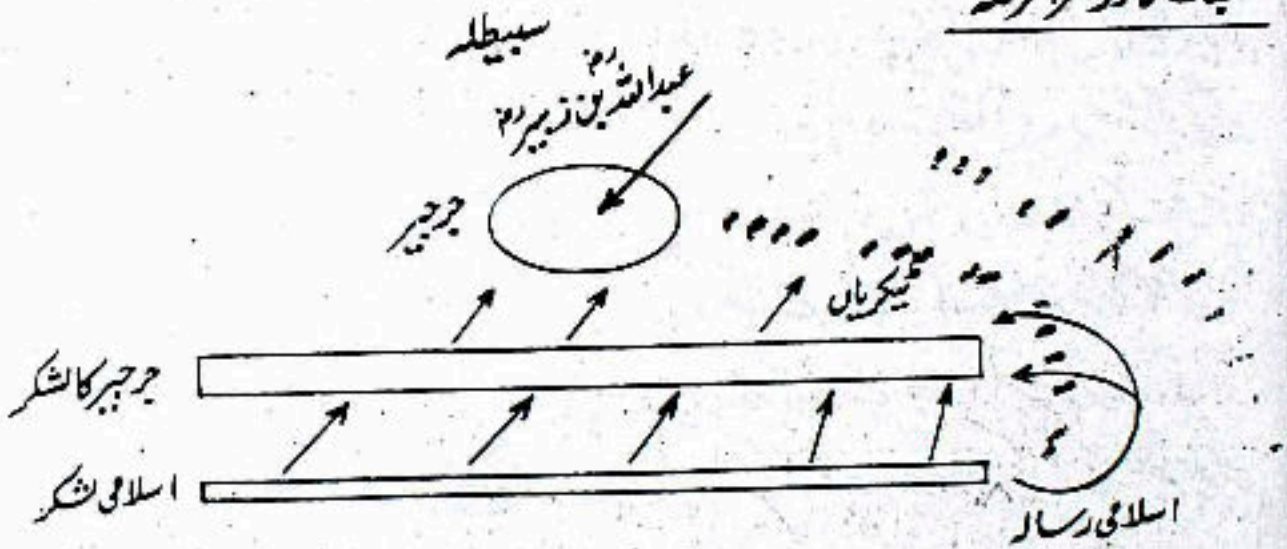
نقشہ ہشتم: سبیطلہ کی جنگ

جنگ کا پہلا مرحلہ



نقشہ سکیل کے مطابق نہیں

جنگ کا دوسرا مرحلہ



پہاڑی

(نقشہ سکیل کے مطابق نہیں)



اب ضرورت اس امر کی تھی کہ سیطلہ کے قلعہ کے دروازے سے یہ لوگ قلعہ میں داخل نہ ہو سکیں اس لئے جناب ابن زبیر نے چند مجاہدوں کو لے کر قلعہ کے دروازے پر پہنچ گئے۔ تو قلعہ والوں نے دروازہ بند کر دیا۔ چنانچہ جرجیر کی ساری فوج قلعہ کے باہر تھی اور افراتفری میں اس نے ادھر ادھر بھاگنا شروع کر دیا۔ مسلمانوں نے تعاقب کیا اور شام تک قلعہ کے اندر کی فوج نے بھی غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیئے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو اتنا مال قیمت حاصل ہوا کہ آج تک کسی جنگ میں حاصل نہیں ہوا تھا۔ جرجیر کے جانشینوں نے دس لاکھ دینار سالانہ جزیہ دینا منظور کیا۔ روایت ہے کہ مسلمانوں نے آگے پیش قدمی کی اور وہ کار قنیج تک گئے اور اُس جگہ پر بھی پڑاؤ کیا جہاں بعد میں قیروان کی چھاؤنی بنائی گئی۔

جرجیر کی لڑکی

موزخین اور مبصرین، جب کسی بیان کو پر لطف بنانا چاہیں تو کہانی بھی گھڑ لیتے ہیں۔ اکثر موزخین نے لکھا ہے کہ لڑائی کے بعد کوئی مجاہد بھی جرجیر کی لڑکی کا دعویٰ دار نہ بنا۔ تو سالار لشکر نے حیرانگی سے پوچھا کہ جرجیر کا قاتل کون تھا جس کو صبیحہ عطا کی جائے۔ تو پھر دعویٰ داروں کی تعداد بڑھ گئی۔ تو سالار لشکر نے لڑکی سے پوچھا کہ تمہارے باپ کو کس نے قتل کیا۔ لڑکی نے کہا کہ وہ جوان اُس کو دکھائے جائیں۔ یہ جناب ابن زبیر کا دستہ تھا اُس دستہ کو دیکھ کر لڑکی نے جناب ابن زبیر پر جا کر ماتھ رکھ دیا۔ اور اس غم میں اُس کے لئے ایک خوشی ضرور تھی کہ جناب ابن زبیر بڑے خوش شکل اور وجیبہ تھے۔ بے شک ابن زبیر کا کئی لحاظ سے مقام بہت اونچا ہے، کہ مدینہ میں مہاجرین کے آنے کے بعد وہ پہلے لڑکے تھے جو کسی مہاجر کے گھر پیدا ہوئے۔ پھر جناب صدیق اکبرؓ کے نواسے اور حضور پاکؐ کی عظیم پھوپھی صفیہؓ کے پوتے ہر لحاظ سے عظیم تھے۔

تبصرہ

ہمارا خیال ہے کہ اس میں شک والی کوئی بات نہ ہوگی جناب ابن زبیرؓ نے کوئی دعویٰ

نہ کیا ہوگا۔ اور سالار لشکر نے شاید اُن سے پوچھا ہو کہ جر جبر کو کس نے قتل کیا تھا تو آپ نے کہہ دیا ہوگا کہ جر جبر کی لڑکی سے پوچھ لیا جائے۔ بہر حال اس جنگ کے واقعات نامکمل ہیں چالیس ہزار کے قریب اسلامی لشکر جس میں عظیم صحابہ رضوان اللہ علیہم کے عظیم فرزند موجود تھے۔ کئی مہینوں کا سفر تھا اور کئی دن یا ہفتے جنگ جاری رہی۔ ہزاروں کے قریب دشمن کو تہ تیغ کیا گیا یہی وجہ تھی کہ ایک لاکھ کے قریب لشکر کو شکست دی جاسکی۔ کئی مسلمان شہید ہوئے۔ لیکن حضورؐ کے چچیرے بھائی حضرت معاذ بن عباسؓ کے علاوہ کسی اور شہید کا ذکر نہیں کیا گیا۔ البتہ یہ ذکر ہے کہ اسلامی لشکر شمال کی طرف حبرہ منظرہوں کے لئے روانہ ہو گیا اور جناب عبداللہؓ کو ہی مدینہ بھیجا گیا کہ اس فتح کی خبر دیں۔ وہی مالِ غنیمت بھی ساتھ لے گئے۔

اب آگے دو قسم کی روایتیں ہیں۔ کچھ مورخین نے لکھا ہے کہ جناب عبداللہؓ بن زبیرؓ نے اپنی کارروائی کے بارے میں کچھ نہ بتایا۔ تو اتنی بڑی فتح کا سہرا ابن سرحؓ کے سر بندھ گیا اور امیہ خاندان کے لوگ اس پر فخر کرتے تھے کہ اُن کے رشتہ دار خلیفہ کے زمانے میں اتنی زیادہ فتوحات اُن ہی کے خاندان کے ایک سپہ سالار کی وجہ سے ہوئیں۔

اور اب ایک طبقہ ایسا ہے جو کہتے ہیں کہ عبداللہؓ بن ابی سرحؓ نے جناب عبداللہؓ بن زبیرؓ کو قاصد بنا کر بھیجنے میں بڑی غلطی کی۔ انہوں نے تمام تر فتوحات کا سہرا اپنے سر بندھ دیا۔ اور عبداللہؓ کے اگلی صفوں میں نہ ہونے کی کہانی کو اتنا مشہور کیا کہ آئندہ کی فتوحات بھی عبداللہؓ بن ابی سرحؓ کا یہ داغ نہ دھوسکیں۔

ایک نام کے کئی مجاہدین

اول تو اس جنگ میں عبداللہؓ نام کے اتنے مجاہدین تھے کہ حساب نہیں۔ مثلاً عبداللہؓ بن ابی سرحؓ، عبداللہؓ بن زبیرؓ، عبداللہؓ بن عمرؓ، عبداللہؓ بن عباسؓ، عبداللہؓ بن جعفرؓ، عبداللہؓ بن عمرو بن عاصؓ۔ اس کے علاوہ دو اور عبداللہؓ تھے جن دونوں کے والد کا نام بھی نافع تھا۔ اس لئے دادا کے نام لکھ کر معاملات کچھ اگ ہو سکتے تھے۔ وہ عبداللہؓ بن نافع بن الحصین اور عبداللہؓ بن نافع بن عبدالقیس تھے۔ الحصین کے پوتے عبداللہؓ کو افریقہ میں ابن سرحؓ نے اپنا جانشین بھی چھوڑا کہ وہ وہاں سے جزیرہ اور خراج وصول کرتے

تھے۔ اس کے علاوہ کئی عظیم صحابہ کے فرزندوں کا ذکر ہم نے کیا ہے کہ اس لشکر میں شریک تھے۔ لیکن آگے کوئی ذکر نہیں ملتا کہ کس نے کیا کچھ کیا۔

دراصل اس وقت سازشی لوگ مسلمانوں کی صفوں میں داخل ہو چکے تھے اور انہوں نے اور باتوں کے علاوہ قبائلی حسد یا خاندانی رقابت کو بھی مسلمانوں کے اندر داخل کر دیا۔ تاریخوں میں جو کچھ لکھا ہوا تھا اس کو بھی بعد میں شاید خرد برد کر دیا گیا۔ امیہ خاندان کی کوشش تھی کہ کسی ہاشمی خاندان کے آدمی کی بہادری کا ذکر نہ ہو کہ حکومت ہاشمیوں کے پاس نہ چلی جائے۔ اور چال یہ چلی کہ یہ ظاہر کیا جائے کہ حضور پاک کے بعد ہاشمیوں میں سے کسی نے جہاد میں حصہ نہ لیا۔ کیوں کہ ان کو خلفاء کے ساتھ اختلاف تھا۔ حالانکہ امام حسین نے جنگ کربلا میں اپنی شہادت دے کر روز بھی اسلامی سلطنتوں کی سرحدوں پر جہاد پر جانے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔

لیکن بد قسمتی یہ ہوئی کہ اہل بیت کے ساتھ محبت رکھنے والوں نے بھی یہ بات تسلیم کر لی کہ ان کے ساتھ ناتعلبی ہوئی اور اُس کے بعد یہ بات بھی مان لی کہ اہل بیت یا ہاشمی خاندان کے لوگوں نے پہلے تین خلفاء کے ساتھ کوئی تعلق نہ رکھا اور جہاد میں حصہ نہ لیا۔ یہ افسوسناک رویہ ہے اور اس پہلو کا مزید تجزیہ چوتھی کتاب میں پیش کیا جائے گا۔ کہ ہم جہاد اللہ اور رسول کے لئے کرتے ہیں نہ کہ حاکم وقت کے لئے۔ اور اصولی طور پر ہمارا حاکم وہ ہو سکتا ہے جو اطیعوا اللہ واطیعوا الرسولی کے فرمان کا پابند ہو۔ اس لئے ہر کتاب میں ہم نے ہاشمی خاندان کے لوگوں کی کارروائی کا ذکر ضرور کیا ہے کہ وہ جہاد میں شریک ہوتے تھے۔

افریقہ کے اتنے دور دراز ممالک کو فتح کرنے کے باوجود مسلمانوں نے اس علاقہ کو باجگزار بنانے پر ہی اکتفا کیا اور صرف جزیہ لینے کی شرط پر اسلامی شکر واپس چلے گئے۔ اور مسلمانوں کے واپس چلے جانے کے بعد اہل روم کا قاصد بھی افریقہ پہنچ گیا کہ اپنا خراج لے جائے۔ جرجیر کے جانشینوں نے یہ خراج دینے سے انکار کر دیا۔ بہر حال مسلمان اور خاص کر مصر کے گورنر عبداللہ بن ابی سرحہ اسکے بعد اہل روم کے ساتھ بحری جنگوں میں معروف ہو گئے جن کا ذکر اگلے باب میں آئے گا۔ بعد میں اندرونِ خلفاء شروع ہو گیا۔ البتہ چوتھی کتاب کے آخری ابواب میں ہم پھر

افریقہ کے حالات کو آگے بڑھائیں گے۔

افریقہ کی جنگ کے نتائج و اسباق

۱۔ افریقہ کی یہ فتوحات دنیا کی تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔ بحیرہ روم کے ساحلی علاقوں سے یورپین لوگ جب چاہتے تھے، افریقہ کو تاخت و تاراج کر دیتے تھے۔ اہل یورپ اور اہل کاربھیج کی جنگیں بھی یورپ کے لوگوں اور افریقہ میں یورپ کے پرانے آباد کاروں میں تھیں۔ لیکن مسلمانوں نے افریقہ کو فتح کر کے تاریخ کا رخ موڑ دیا۔ اور اہل یورپ نے ایک ہزار سال تک بحیرہ روم والے راستے سے افریقہ کا رخ نہ کیا۔ وہ پہلے وسطی اور جنوبی افریقہ پر قابض ہوئے اور پھر انیسویں صدی میں شمالی افریقہ میں آنا شروع ہوئے۔ اور اب بیسویں صدی میں پھر اُن کو یہاں سے خارج کر دیا گیا ہے۔

۲۔ مسلمانوں کی افریقہ کی اس فتح کے بعد شمالی افریقہ کے لوگ جو ق درجوق اسلام میں داخل ہو گئے۔ پھر مسلمانوں نے سپین اور سسلی کی طرف یلغاریں شروع کر دیں۔ گو اس فتح تک مسلمانوں نے صرف طرابلس تک کے علاقوں پر قبضہ رکھا۔ اور ٹیونس کے لوگ صرف خراج دیتے تھے۔ لیکن چند سال بعد مسلمان مراکو پہنچ گئے۔

۳۔ مسلمانوں کا یہ طریقہ تھا کہ جب کسی علاقے کو فتح کرتے تو جہاں تک حربی مظاہرے کرتے تھے، وہاں سے تھوڑا پیچھے رہتے تھے اور دوسری یا تیسری کوشش میں آہستہ آہستہ آگے پیش رفت کرتے تھے۔ مسلمانوں کی اس حکمت عملی کے گہرے مطالعہ کی ضرورت ہے۔

۴۔ مسلمان اب بے فکر تھے۔ مصر کے علاقے پر اہل روم ملا جلا بھری اور خشکی کا حملہ نہ کر سکتے تھے۔ مسلمان بحیرہ روم کے جنوبی ساحل پر قابض ہو چکے تھے۔ اب اُن کا رخ جزائر قبرص، رودس اور بحیرہ روم کے اہم سمندر کی طرف تھا۔

۵۔ مسلمان اُس وقت دنیا کی ایک عظیم طاقت بن چکے تھے۔ اُن کے مقابلے کی کوئی طاقت دنیا میں موجود نہ تھی اور بڑے بڑے اندرونی خلفشار یا خانہ جنگیاں بھی مسلمانوں کو ختم نہ کر سکیں۔

۶۔ افریقہ کی فتوحات کی لڑائیوں کے تدبیراتی پہلوؤں پر پردے پڑے ہوئے تھے۔ دنیا کی عسکری

تاریخ میں اتنے بڑے لشکر کا اتنا لمبا سفر ان حالات میں آج سے پہلے نہ ہوا ہوگا۔ اور سلطان
یہ سب کچھ اپنے فلسفہ حیات پر عمل کرنے کی وجہ سے کر سکے۔ مدینہ یا فسطاط سے کاربھتیج کی مہم اور
دشمن کو اپنے سے تین گنا فوج کو سبیلہ کے مقام پر شکست دینا ایک عظیم عسکری کارنامہ ہے۔
لیکن افسوس کہ ہمارے پاس ذاتی بہادری اور تدبیرات کی تفصیل موجود نہیں ہے۔

۷۔ یہ فتوحات عظیم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عظیم فرزندوں کی جہاد میں شمولیت کی وجہ سے حاصل ہوئیں لیکن تواریخ
کے زمانے میں جب پرانی چھوٹی تاریخوں سے آنگ تاریخ کی کتابیں لکھی گئی۔ تو عظیم صحابہ کے عظیم فرزندوں
کی ذاتی بہادری والی باتوں کو تاریخ سے خارج کر دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ پورے واقعات میں امام حسن
امام حسین رضی اللہ عنہما اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ذاتی کارروائی کا کوئی ذکر نہیں۔ بہر حال ہمارے سامنے
ایک مقصد ہے، کہ ہم نے عظیم صحابہ رضی اللہ عنہم کے عظیم فرزندوں کی جنگ میں شرکت کا ذکر کر کے تفرقہ والی کہانیوں
کو تو ختم کر دیا۔ ہمارے بعض مورخین نے ناموں کا ذکر بھی تاریخ سے خارج کر دیا ہے۔

پانچواں باب

شام کے محاذ کی مزید فتوحات اور بحری جنگیں

دوسری کتاب

اس سلسلے کی دوسری کتاب میں شام و فلسطین کی فتوحات کو مفصل طور پر بیان کر دیا گیا ہے۔ ان فتوحات کا پھیلاؤ بھی کچھ رگ چکا تھا۔ شمال میں اناطولیہ کا پہاڑی علاقہ آچکا تھا مغرب میں سمندر تھا۔ کہ قساریہ کی بندرگاہ فتح کرنے میں کافی دیر لگ گئی۔ اس کے علاوہ طاعون کی وبا سے سرزمین شام میں بڑے نقصانات ہوئے۔ جناب ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی وفات ایک سانحہ عظیم تھا۔ ان کی عمر اُس وقت صرف اٹھاون برس تھی اور اسلام کے اس فرزند کی وفات سے جو خلا پیدا ہو گیا وہ پر نہ ہو سکا۔ جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی وفات سے پہلے ہی بھائی گئے تھے کہ جناب ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا آخری وقت آچکا ہے۔ جب جناب ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ نہ آنے کی درخواست کی تو جناب عمر رضی اللہ عنہ نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔ اور فرمایا کہ وہ اب اپنے اللہ سے ملنے والے ہیں۔

روایت ہے کہ جناب ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے تھوڑا پہلے جناب معاذ رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین منتخب کیا تو وہ بھی چند دن کے بعد وفات پا گئے۔ کچھ روایات میں یہ ہے کہ جناب عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ بھی چند دن ملک شام کے سپہ سالار رہے اور پھر وفات پا گئے۔ آپ جناب ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے پچھیرے بھائی بھی تھے اور خالد زاد بھی۔ آپ عراق سے جزیرہ کی فتح کے لئے آئے تو ادھر ہی رہ گئے۔ انہی دنوں جناب یزید رضی اللہ عنہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے چند دن سپہ سالار رہنے کے بعد طاعون سے وفات پائی۔ اس کے چند دن جناب عمرو بن غاص سپہ سالار رہے اور افواج کو پہاڑوں کی طرف منتقل کیا پھر جناب عمرو رضی اللہ عنہ مصر کی فتح کے لئے چلے گئے جس کا ذکر پہلے باب میں ہو چکا ہے۔ اسکے بعد شام و فلسطین کی سپہ سالاری جناب معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئی۔ آپ نے حابہ کی بجائے دمشق کو مرکز بنا

کی تجویز پیش کی جسے جناب عمر فاروق رضی نے منظور فرمایا۔

چھوٹے صوبوں کی امارتیں

مدینہ شریف سے مرکز صرف برص صوبوں کے عاملوں کو ذمہ داری دینا تھا اور آگے صوبے، چھوٹے صوبوں یا ضلعوں میں بٹے جوتے تھے۔ جناب صدیق اکبر رضی کے زمانے سے فلسطین کا امیر الگ مقرر کیا گیا تھا اور جناب فاروق رضی نے بھی فلسطین، اردن، حمص وغیرہ سب علاقوں کے الگ الگ امیر مقرر کئے تھے۔ اصول یہ تھا کہ جنگ کی صورت میں ایک سپہ سالار اعظم یا بڑا صوبیدار بن جاتا تھا چنانچہ جناب عمر فاروق رضی کے زمانے سے چار صوبے تھے۔ مصر کا دارالخلافہ قسطنطنیہ تھا۔ شام فلسطین کا دارالخلافہ جابیه اور بعد میں دمشق تھا۔ ایران و عراق کے دو حصے تھے ایک کی ذمہ داری کوفہ سے نبھائی جاتی تھی اور دوسرے علاقے کی بصرہ سے۔ ان دونوں صوبوں کا مزید ذکر چھٹے اور ساتویں باب میں موجود ہے۔

جناب معاویہ کی عملداری

ہمارے مورخین نے یہ معاملات کچھ گدگد کر دیئے اور جگہ جگہ صوبے اور امرا کا ذکر شروع کر دیا۔ کہ حمص کا صوبہ الگ تھا۔ پھر یہ بھی جناب معاویہ رضی کے ماتحت کر دیا گیا۔ فلسطین کا صوبہ بھی جناب معاویہ کو دے دیا گیا۔ اور اس طرح یہ کہانی گھڑ لی گئی، کہ جناب عثمان رضی نے جناب معاویہ کو زیادہ علاقوں کی ذمہ داری دے دی۔ بات یہ نہ تھی۔ اصلی حقیقت یہ تھی کہ بعض دفعہ بڑے صوبیدار کو اجازت دے دیتے تھے کہ وہ اپنے علاقے میں کوئی چھوٹا امیر مقرر کر دے۔

چنانچہ حمص کے امیر جناب عیاض بن غنم تھے۔ ان کے بعد حضرت عمر رضی نے وہاں پر جناب عمیر بن سعید انصاری کو مقرر کیا۔ ان کے بعد مورخین لکھتے ہیں کہ اس جگہ کی صوبہ داری جناب معاویہ رضی نے سنبھالی۔ حالانکہ واقعات یہ ثابت کرتے ہیں کہ وہاں پر پہلے حبیب بن مسلمہ رہے اور پھر عبدالرحمن بن خالد بن ولید۔ ظاہر ہے کہ جناب معاویہ رضی کے سپہ سالار اعظم تھے۔ اور حمص بھی ان کے ماتحت تھا۔ اسی طرح مورخین لکھتے ہیں کہ فلسطین کا صوبہ پہلے جناب عمرو بن عاص کے پاس تھا۔ وہ مصر گئے تو ان کی جگہ عبدالرحمن بن علقمہ مقرر ہوئے اور ان کی وفات کے بعد جناب معاویہ رضی نے

نے فلسطین کی عملداری بھی سنبھال لی۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے شہادت کے وقت جب عمال کا ذکر کرتے ہیں تو فلسطین میں علقمہ بن حکیم کو عامل بتاتے ہیں۔ اردن میں ابولاعور سلمیٰ کو اور قنسرين میں حبیب بن مسلمہ کو۔ یہ وضاحت اس لئے ضروری تھی کہ فارغین یہ پہلو سمجھ لیں کہ جنامعاویہ سرزمین شام کے سالار اعظم تھے اور چھوٹے صوبوں کے الگ حکمران تھے۔ اور یہ غلط ہے کہ حضرت عثمانؓ نے سب کچھ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا۔

جناب فاروقؓ اور امیر معاویہؓ

ہم یہاں پر یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ جناب عمرؓ نے اپنے زمانے میں جناب معاویہؓ کو سرزمین شام کا سپہ سالار اعظم مقرر کیا اور فاروقؓ اعظمؓ کا جناب ابو عبیدہؓ بن جراح کے جانشین کے طور پر امیر معاویہؓ کو چننا ہی اس سلسلہ میں جناب معاویہؓ کو ایک بہت بڑا خراج تحسین ہے۔ گو جناب عمرؓ کے زمانے میں امیر معاویہؓ نے ملک شام میں کوئی بڑی فتوحات حاصل نہ کیں لیکن سوچنے والی بات یہ ہے کہ ملک شام کو اسلامی سلطنت میں جو اہمیت حاصل تھی، اُس زمانے میں کسی اور علاقے کو نہ تھی باقی ہر جگہ سے دشمن فرار ہو چکا تھا لیکن یہاں قیصر روم سامنے قسطنطنیہ میں بیٹھا تھا اور اس کی سلطنت کو اس وقت تک بھی سمندروں اور خشکی دونوں جگہوں پر بڑی وسعت حاصل تھی۔

لیکن ہمارے ہاں ایک ضرب المثل چلتی ہے کہ جناب عمرؓ فاروقؓ فرمایا کرتے تھے کہ جناب معاویہؓ مسلمانوں کے سیزر (CEASER) ہیں۔ کسی پرانی تاریخ میں یہ بات نظر نہیں آتی۔ اور جیسے ہم مصلحتاً اور دوسری کتاب کے پانچویں باب میں بیان کر آئے ہیں، کہ تمام اہل یورپ کے لئے سیزر کا نام مقدس ہے۔ تو ہمارے "دانشور" بھی سیزر سے متاثر ہو گئے۔ اور خواہ مخواہ ایک ضرب المثل گھڑ لی اور جناب عمرؓ کا نام استعمال کر لیا۔ ہم یہ چیز تسلیم کرنے کو بھی تیار نہیں کہ جناب فاروقؓ کسی مسلمان کا موازنہ کسی باطل فلسفہ والے کے ساتھ کریں۔ سیزر، جناب معاویہؓ کے پاؤں کی خاک کے بھی برابر نہیں ہے۔ ایسے ہی دانشوروں کے لئے علامہ اقبالؒ نے یہ فرمایا:-

۱۔ فکر عرب کو دے کر فرنگی تخیلات
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو !
وہ فاتہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمدؐ اُس کے بدن سے نکال دو

امیر معاویہؓ کی سوچ

جناب فاروق اعظمؓ کی خلافت کے زمانے ہی میں جناب معاویہؓ نے خلیفہ دوم سے گزارش کی کہ وقت آگیا ہے کہ مسلمان سمندروں پر قبضہ کریں اور جنگ جزیرہ قبرص اور بحیرہ روم کے باقی جزیروں پر قبضہ نہیں کیا جاتا۔ فلسطین اور شام کے ساحلی علاقوں کے لئے رومی خطرہ پیدا کرتے رہیں گے۔ جناب عمر فاروقؓ کے سامنے جناب علاء بن الحضرمی کی مثال موجود تھی انہوں نے صوبہ فارس پر قبضہ کرنے کے لئے بحرین میں ایک بحری فوج تیار کی تھی۔ اور اس فوج نے صوبہ فارس پر حملہ بھی کیا لیکن کامیابی نہ ہوئی اور جناب فاروقؓ کو اس فوج کی امداد کے لئے بصرہ سے بڑے لشکر بھیجنا پڑے۔ یہ کہانی پہلی کتاب کے پچیسویں باب میں بیان کی جا چکی ہے۔

چنانچہ جناب فاروقؓ نے بحری جنگوں کے سلسلہ میں جناب عمرو بن عاص سے مشورہ کیا جو مصر کو فتح کر چکے تھے۔ جناب عمرو بن عاص کا جواب طبری اور ابن خلدون دونوں نے نقل کیا ہے۔ جناب ابن عاصؓ نے سمندر کی بڑی بیسیانگ تصویر پیش کی کہ دہاں پر پانی اور آسمان کے بغیر اور کچھ نظر نہیں آتا۔ اور لوگ کشتیوں پر اس طرح سوار ہوتے ہیں جس طرح لکڑی پر کیرا۔ اگر یہ کشتیاں الٹ پلٹ ہو جائیں تو لوگ ڈوب جاتے ہیں۔ اور اگر کشتیوں کو کچھ نہ ہو تو لوگ صحیح و سالم رہتے ہیں۔

جناب فاروقؓ کا فیصلہ

جناب عمر فاروقؓ نے جب یہ حالات سُننے، تو آپ نے بحری جنگ کی اجازت نہ دی اور فرمایا: "بخدا مجھے ایک مسلمان کی جان پوری سلطنتِ روم سے زیادہ عزیز ہے۔ اور ہم نے سنا ہے کہ بحیرہ شام (بحیرہ روم) خشکی کے طویل ترین حصہ کے قریب ہے اور روز و شب اللہ تعالیٰ

سے اجازت مانگتا ہوں کہ وہ سیلاب کی صورت میں آگے بڑھ کر زمین کو غرق کر دے تو میں ایسے کافر اور پچیدہ سمندر پر کیسے مسلمانوں کو سوار کر دوں؟

تبصرہ

ہمارے پاس کوئی واقعہ ثبوت نہیں کہ ہم اس خط یا حضرت عمرؓ کے بیان کی تردید کر سکیں۔ خط کا پہلا فقرہ ہمارے لئے نیا نہیں ہے۔ اس قسم کی ہدایات جناب فاروقؓ نے اکثر دیں۔ جن کا ذکر پہلی اور دوسری کتاب میں ہو چکا ہے، کہ اسلام خواہ مخواہ مسلمانوں کو کسی شکل میں ڈالنے کے حق میں نہیں۔ اور صرف سلطنت پر قبضہ کرنا مسلمانوں کے مقصد میں شامل نہ تھا۔ مسلمان یہ چاہتے تھے، کہ انہیں دنیا کو اللہ کے احکام سے آگاہ کرنے کی اجازت ہو۔ اور جہاں پر لوگ ان احکام کو تسلیم کر لیتے تھے، وہاں پر مسلمان ان احکام کو جاری و ساری کرتے تھے۔ قصراً ان احکام کے نفاذ میں رکاوٹ ڈال رہا تھا اور مسلمانوں کو ملیا میٹ کرنا چاہتا تھا، تو ضروری تھا کہ اُس کے مزاج کو درست کیا جاتا۔

جہاں تک خط کے دوسرے فقروں کا تعلق ہے تو اُس میں جناب عمرؓ نے پانی یا سمندر کے شعور کی بات کی ہے کہ اگر اُس کو اللہ تعالیٰ اجازت دے تو وہ زمین پر غالب آسکتا ہے۔ اُس زمانے میں بہت کم لوگوں کو معلوم تھا کہ پانی خشکی سے اتنا زیادہ ہے لیکن شک یہ پڑ سکتا ہے کہ کیا حضرت عمرؓ سمندر سے ڈرتے تھے اور کیا حضرت عمرؓ اسلام کو خشکی تک محدود رکھنا چاہتے تھے؟ ہمارا خیال ہے کہ حضرت عمرؓ کے خطوط یا ہدایات کے آدھے حصوں کو بیان کیا گیا ہے۔ بے شک انہوں نے اُس زمانے میں جنگ کی اجازت نہ دی ہوگی، بلکہ صرف تیاری کے احکام دیئے ہوں گے ورنہ آپ کی وقتاً کے چار سال کے عرصہ میں مسلمان سمندروں پر کیسے چھا سکتے تھے آگے تفصیل آتی ہے کہ جب قبرص پر حملہ کیا گیا تو اس میں مصر سے آکر بھی فوج شامل ہوئی تھی۔ اگر امیر معاویہؓ اس تجویز کے اکیلے بانی ہوتے تو مصر کی بحری فوج قبرص کی جنگ میں کیسے شامل ہو جاتی۔ پھر حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد جناب عمرؓ بن عباسؓ تو رومیوں کے ساتھ خشکی پر لڑتے رہے، کہ انہوں نے دوبارہ سکندریہ پر قبضہ کر لیا تھا اور دوسرے گورنر جناب عبداللہ بن افریقہ پہنچ گئے تو مصر میں بحری جنگ کی تیاری کس کے حکم کے تحت ہوتی رہی

اور اتنا جلدی تیاری کیسے ہو گئی؟ ظاہر ہے کہ مسلمان خلیفہ اول اور دوم دونوں کے زمانوں سے ایسی تیاریوں میں مصروف تھے۔
حقیقت پسندانہ جائزہ

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے سمندر کی جنگ کو معطل رکھا اور سمندر کو سمجھنے کی تیاری کے احکام دیئے۔ حضور پاکؐ نے تیاری کو جہاد اکبر کا نام دیا ہے اور ظاہر ہے کہ جناب عمرؓ نے بھی تیاری کے احکام دیئے۔ ایک روایت کے مطابق جن لوگوں نے آگے چل کر بھری جنگوں میں حصہ لیا ان میں مصری ملاحوں کے علاوہ یمن اور خلیج فارس کے مجاہد بھی شامل تھے۔ یہ لوگ کافی پہلے ملک شام میں آچکے ہوں گے اور قرآن پاک میں "سَيُرْوٰۤا۟ فِی الْاَرْضِ" کے احکام ہیں۔ حضور پاکؐ نے قیصر روم تک دور دور لوگوں کو اسلام کی آغوش میں داخل ہونے کی دعوت دی، تو حضرت عمرؓ مسلمانوں کو سمندری سفر یا سمندری جنگوں سے کیسے روک سکتے تھے۔ جنگ بدر کی مشاورت کے وقت جناب سعد بن معاذ اور المقدادؓ تو حضور پاکؐ کو یہ عرض کرتے ہیں کہ اگر ان کو برقی القند میں کودنا پڑے تو وہ اس سے بھی گریز نہ کریں گے۔ کہ جہاد میں رکاوٹوں کی پرواہ نہیں ہوتی۔ اس لئے اسلام کو خشکی پر محدود نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ظاہر کہ جناب معاویہؓ حضرت عمرؓ کے زمانے سے سمندری جہاد کی تیاری میں ضرور مصروف رہے اور جناب عثمانؓ کی خلافت کے زمانے میں تیاری مکمل ہو گئی۔

حضرت عثمانؓ کی ہدایات

حضرت عثمانؓ نے خلافت سنبھالنے کے بعد تمام سپہ سالاروں کو جو ہدایات دیں، وہ بڑی دلچسپ ہیں کہ ان ہدایات میں جناب عثمانؓ کی شخصیت کی ایک جھلک ملتی ہے۔ انہوں نے اپنی ہدایات میں جناب عمرؓ والے دبدبہ کو تو استعمال نہ کیا، البتہ یہ ضرور فرمایا کہ جناب عمرؓ کی تمام ہدایات ان کے مشوروں کے تحت ہوتی تھیں۔ یعنی جناب عمرؓ اپنے طریق کار کو

جلسہ مشاورت کے ساتھ صلاح و مشورہ کے بعد فیصلہ کرتے تھے اور وہ تمام ہدایات اب بھی قائم و دائم ہیں یعنی ان پر سختی کے ساتھ عمل جاری رکھا جائے اس سلسلہ میں جناب عثمان رضی اللہ عنہ کے خط کا متن حسب ذیل ہے :-

تم مسلمانوں کے حامی اور محافظ ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمہیں جو ہدایا بھیجی تھیں وہ ہم سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ بلکہ ہمارے مشورہ سے جاری کی گئی تھیں۔ لہذا تمہاری طرف سے اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہونا چاہیے۔ ورنہ اللہ تمہیں بھی تبدیل کر دے گا اور تمہاری بجائے کوئی دوسرا مقرر ہوگا۔ تم دھیان رکھو کہ تم کیسا کام کرتے ہو، اللہ تعالیٰ نے میرے ذمے جو کام مقرر کر دیئے ہیں۔ میں ان کی دیکھ بھال کر رہا ہوں۔“

آپ نے اسی قسم کے خط، محصلین اور عوام کے نام بھی لکھے، جن میں فوجی پہلو کم ہیں اس لئے ہم ان کو یہاں نقل نہیں کر رہے۔ ان خطوط اور اذکار والے خط سے جناب عثمان رضی اللہ عنہ کے طریق کار اور ان کی شخصیت کی ایک جھلک نظر آتی ہے۔ چند لفظوں میں وہ سب کچھ کہہ گئے۔ اور جناب عثمان رضی اللہ عنہ پھر پیدا نہیں ہو سکتے۔ لیکن افسوس کہ آپ آگے دیکھیں گے کہ ان کے ساتھ عوام نے کیا کیا۔ اس خط سے یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر صوبے میں محصلین الگ تھے، اس لئے جناب عثمان رضی اللہ عنہ نے نہ صرف مصر میں الگ محصل مقرر کیا۔ بلکہ ہر صوبہ میں ایسے ہی محصلین موجود تھے۔

جناب عثمان رضی اللہ عنہ نے مسلمان سپہ سالاروں، محصلین اور عوام کو چونکا کر دیا تھا کہ وہ ملک میں اندرونی انتظام کو صحیح چلانے اور سرحدوں کی حفاظت میں حکومت کا ہاتھ بٹائیں۔ جناب عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں پہلے دو خلفائے راشدین کے مقابلے میں سلطنت کو زیادہ وسعت حاصل ہو گئی تھی۔ مغرب میں مسلمان ٹیونس تک پہنچ چکے تھے۔ شمال میں عموریہ سے ہوتے ہوئے آرمینیا، جزیرہ، آذربائیجان، جیمیل کیپ، اذربائیجان اور دریائے جیحون تک سرحد جاتی تھی۔ مشرق میں کابل، زبلستان سے ہوتے ہوئے مکران اور دریائے سندھ کے علاقے اسلامی سلطنت میں شامل ہو گئے تھے۔ ان حالات میں رومیوں نے دیکھا کہ جزیرہ کے علاقوں میں اسلام کا فوج کم ہے تو انہوں نے کوشش کی کہ وہ علاقے مسلمانوں سے واپس لے لئے جائیں۔

عراق اور محاذ شام کی ملی جلی کارروائی

چنانچہ رومی جنرل بطریق جندران نے ایک بڑی فوج اکٹھی کی اور خبر ملی کہ تونیسہ ہوا اور قس کے علاقوں میں کوئی اسی ہزار فوج اکٹھی ہو چکی ہے۔ جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان سردوں کی ذمہ داری پر جناب حبیب بن مسلمہ مامور تھے۔ پہلے وہ حمص میں تھے۔ لیکن پھر آگے قنسرین کو مرکز بنا کر انہوں نے آگے پیش قدمی کی۔ جناب معاویہ رضی اللہ عنہ اس زمانے میں بحری جنگوں کی تیاری میں مصروف تھے، جن کا ذکر آگے آئے گا۔ چنانچہ انہوں نے خلیفہ سوم کو حالات سے باخبر کیا کہ عراق سے کسی فوج کو بھیج کر ان کے افسر جناب حبیب بن مسلمہ کی مدد کی جائے۔ عراق میں کوفہ کے عامل کی ذمہ داری کا علاقہ شام کے محاذ کے نزدیک تھا جس کا مکمل ذکر اگلے باب میں آئے گا۔ بہر حال اس زمانے میں جناب ابی بکر بن عقبہ کوفہ کے عامل بن چکے تھے اور وہ خود آذربائیجان سے نیچے کچھ علاقوں میں بغاوتیں فرو کرنے کے کام میں لگے ہوئے تھے۔

آرمینیا کی فتح

جناب ولید رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر سے سلمان بن ربیعہ کو الگ کیا اور حبیب بن مسلمہ کی امداد کے لئے بھیج دیا۔ اس ہم کو سمجھنے کے لئے نقشہ یا زدم سے استفادہ کریں جہاں دونوں مسلمان سپہ سالاروں کے رابطے کی نشاندہی کی گئی ہے۔ جناب حبیب رضی اللہ عنہ، البتہ عراق کی امداد کی فوج کے آنے سے پہلے ہی روانہ ہو چکے تھے۔ پھر ان کو خبر ملی کہ بطریق جندران کا ایک جنرل جس کا نام موریان ہے وہ عیش القدم کے ساتھ آگے بڑھنے کی تیاری کر رہا ہے۔ جناب حبیب نے اس کو ہمت نہ دی اور اس کی پیش قدمی سے پہلے ہی اس کو جالیا۔ علاقہ شکل تھا۔ اور دونوں لشکروں کے درمیان چھوٹے چھوٹے ٹیلے آجاتے تھے جو مسلمانوں کو متحرک طرز جنگ کے راستے میں رکاوٹ بن جاتے تھے۔ اس لئے جناب حبیب رضی اللہ عنہ نے چند مجاہدین کو اکٹھا کر کے فیصلہ کیا کہ شیخون مارکر رومی جنرل موریان کا خاتمہ کیا جائے۔ جناب حبیب رضی اللہ عنہ

کی زوجہ محترمہ ام عبداللہ بن یزید کہیں نزدیک تھیں۔ انہوں نے ساری بات سن لی۔ جناب حبیبؓ رات کے اندھیرے میں چھپ کر موریوں کے خیمے تک پہنچ گئے اور موریوں کے نگہبانوں کو تہ تیغ کر دیا۔ پھر مجاہدین موریوں پر چھپٹ پڑے اور جس مجاہد نے موریوں کا سر قلم کیا وہ مجاہد کی بجائے اسلام کی مجاہدہ اور جناب حبیبؓ کی اپنی زوجہ تھیں جنہوں نے بھیس تبدیل کر کے مردوں کے کپڑے پہن لئے تھے۔ جناب حبیبؓ امیر معاویہؓ کے زمانے میں ایک جنگ میں شہید ہو گئے تھے تو ان کی زوجہ محترمہ ام عبداللہؓ کی عزت افزائی کے لئے متعدد مجاہدین نے ان سے نکاح کی درخواست کی لیکن یہ عزت عظیم صحابی جناب ضحاک بن قیس فہری کو نصیب ہوئی۔

موریوں کے خاتمے کے بعد رومی لشکر وہاں سے بھاگ گیا اور اس دوران جناب سلمان بن ربیعہ بھی جناب حبیبؓ کے ساتھ آکر مل گئے سلمان رضی اللہ عنہ کے لشکر کی تعداد کوئی دس ہزار بتائی جاتی ہے۔ اس کے بعد دونوں سپہ سالاروں نے مل کر آرمینیا کے کافی علاقے پر قبضہ کر لیا بلکہ بطریق جندران بھی مسلمانوں کے خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ اُس کا نام استعمال کیا گیا تھا۔ ورنہ وہ مسلمانوں کا وفادار ہے۔ اُس نے وہ امن نامہ پیش کیا جو جناب عیاض بن غنم نے اُحس کو دیا تھا۔ دونوں صحابیوں نے جناب عیاضؓ جیسے عظیم صحابی کا امان نامہ دیکھا تو انہوں نے جندران کو معاف کر دیا اور یلیقاں اور بردعہ کے شہروں پر قبضہ کر لیا۔

جناب معاویہؓ کی پیش قدمی

اس دوران جناب معاویہؓ نے انطاکیہ کے مقامات سے آگے پیش قدمی کی اور رومیوں نے انطاکیہ اور طرطوس کے درمیان تمام تر قلعے خالی کر دیئے۔ مسلمانوں نے ان قلعوں کو سمار کر دیا۔ رومیوں کا طریقہ تھا کہ سردیوں سے پہلے کسی قلعہ پر آکر قبضہ کر لیتے تھے۔ مسلمان اہل لشکر سردیوں میں کسی قلعہ کا محاصرہ کرنا پسند نہ کرتے تھے۔ اس طرح رومی سردیوں میں ان علاقوں پر قابض ہو جاتے تھے۔ جناب معاویہؓ کی پیش قدمی کا نقشہ ہم پر مطالعہ کریں تو اس پیش قدمی اور حکمت عملی کو خود بخود سمجھ آ جائے گی۔ مسلمان اب بحری جنگوں کی تیاری کر رہے تھے اور ان کا پہلا حملہ قبرص پر تھا۔ اس لئے حکمت عملی کے طور پر اناطولیہ کے کچھ نزدیکی ممالک

علاقوں پر قبضہ کی ضرورت تھی۔

قبرص پر پہلا حملہ

جزیرہ قبرص جس کو (CYPRUS) کہتے ہیں اور آج بھی مسلمانوں اور غیروں کے درمیان وجہ نزاع ہے۔ یہ ملک کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ چنانچہ اسلام کی تاریخ کا پہلا بحری حملہ اسی جزیرہ پر ہوا۔ جس میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ ابنی سرح گورنر مصر دونوں شریک ہوئے تھے۔ بحری جنگوں میں ان دونوں صحابہ کا مقام اولین حیثیت رکھتا ہے۔ قارئین کو یاد ہو گا کہ پچھلے باب میں ذکر ہو چکا ہے کہ رومی جب سکندریہ سے ناکام بھاگے تو وہ کافی زیادہ کشتیاں سکندریہ کی بندرگاہ میں چھوڑ گئے تھے۔ جناب عبداللہ نے ان سب کشتیوں کا خوب استعمال کیا۔ گو ان کشتیوں کے ملاح زیادہ تر مصری ہی تھے، لیکن مجاہدین جنہوں نے حملہ میں حصہ لیا ان سب کا تعلق عرب سے تھا، اور سب مسلمان تھے۔ اور کچھ روایات ہیں کہ کشتیوں کے طور پر بھی صرف ان مصریوں کو استعمال کیا گیا جو اسلام کے دائرہ میں داخل ہو چکے تھے۔

جناب معاویہ نے بحری جنگ کی زیادہ تیاری قسریہ کے مقام پر کی تھی، کہ جناب فاروق اعظم کی خلافت کے زمانے میں جناب معاویہ نے اس شہر کے محاصرہ پر کافی وقت گزارا۔ اور اسی زلزلے میں جناب معاویہ سمندر پر قبضہ کی ضرورت کو بھانت پ چکے تھے۔ بہر حال پورے شام پر قبضہ اور عملداری کے بعد بیروت، صور (TYRE) اور طرابلس (TRIPOLI) کی بندرگاہوں پر بھی مسلمانوں کا قبضہ تھا اور یہ مقامات چونکہ قبرص کے نزدیک تھے، اس لئے شام کے علاقے سے مجاہدین حملہ کے لئے ان مقامات سے کشتیوں پر سوار ہوئے تھے۔

جناب عثمانؓ کے احکام

جناب عثمانؓ نے جناب معاویہؓ کو بحری جنگ کی اجازت دیتے ہوئے یہ ہدایات بھی دی

تفیں کہ وہ از خود اس مہم کی قیادت کریں گے۔ بلکہ اگر ہو سکے تو اپنی زوجہ محترمہ کو بھی ساتھ لے جائیں۔ ساتھ ہی جناب عثمانؓ نے لکنا کہ عظیم صحابہؓ جو شام اور مصر میں ہیں ان کو دعوت دیں کہ وہ دستوں کی کمانڈ کریں۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ میں سے جناب عبادہؓ بن صامت اور ان کی زوجہ محترمہ ام حرام، جناب ابوذر غفاریؓ، جناب المقدادؓ، جناب الدردارؓ، جناب شدادؓ بن اوس، جناب عبد اللہؓ بن جناب سفیانؓ ازہدیٰ ان جنگوں میں شریک ہوئے۔ حضرت عثمانؓ نے یہ حکم بھی دیا کہ صرف وہی لوگ جہاد میں شریک ہوں جو خوشی سے رضا کارانہ طور پر اس جنگ میں شرکت کرنا چاہیں۔ دونوں موخر الذکر صاحبان یمن کے علاقے کے ہونے کی وجہ سے سمندر کے حالات سے واقف تھے بجز ہی جنگ میں ایسے لوگوں کی ضرورت بھی تھی۔

تبصرہ

یہاں ایک نکتہ کی وضاحت ضروری ہے۔ جہاد سب مسلمانوں پر فرض ہے اور جب کسی طرف جہاد پر جانے کے احکام مل جائیں تو کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ فلاں کام میں، مصروف ہے۔ صرف امیر کی اجازت سے ہی کوئی آدمی کسی اور کام کے لئے پیچھے رہ سکتا ہے اور پھر جتنے آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے اتنے آدمیوں کو جہاد پر بھیجا جاتا ہے اور یہ حکومت کی مرضی ہوتی ہے کہ کس طرف بھیجا جائے۔ لیکن یہاں پر حکم سخت نہ تھا۔ کچھ لچک رکھی گئی کہ سمندر کی جنگ کا پہلا تجربہ تھا اور محدود ضرورت تھی۔ اس کا یہ مطلب نہ سمجھ لیا جائے کہ جہاد جو فرض کفایہ ہے، اس سے گریز بھی کیا جاسکتا ہے۔ اس پہلو کو ہم جلال مصطفیٰ ص کے آکٹوس باب میں اچھی طرح سے اللہ تعالیٰ کے احکام کے تحت عملی طور پر واضح کر چکے ہیں کہ جہاد سے گریز کی اجازت نہیں۔ بد قسمتی سے تفرقہ ڈالنے والوں نے یہ شوشہ بھی چھوڑ دیا کہ خلفائے راشدین کے زمانے میں کچھ صحابہ کرامؓ نے عملی طور پر جہاد میں حصہ نہ لیا۔ وہ خلیفہ وقت کے ساتھ اختلاف کی وجہ سے تھا اور جہاد میں شرکت اپنی مرضی سے ہوتی ہے۔ ایسی کوئی بات نہ تھی۔ بلکہ عظیم صحابہؓ اور کاموں پر لگے ہوئے تھے۔ اور اختلاف ہو بھی، تو جہاد فرض ہے کہ امام حسینؓ نے یزید کے ساتھ اختلافات ہوتے ہوئے بھی میدان کربلا میں ایک شرط یہ پیش کر دی تھی کہ ان کو جہاد پر جانے دیا جائے۔ ہم اس کی

مزید دضاخت چوتھی کتاب کے آخری ابواب میں کریں گے۔

حضرت عثمانؓ کی مزید ہدایات

چنانچہ حضرت عثمانؓ نے جناب معاویہؓ کو مزید یہ لکھا، کہ جناب عمرؓ نے جب سمندری جنگ کی اجازت نہ دی تھی تو انہوں نے ایسا ہمارے ساتھ مشورہ کے بعد کیا تھا۔ اور جناب عمرؓ کے اُس خط کی نقل بھی موجود ہے جو انہوں نے اس سلسلہ میں آپ کو لکھا تھا۔ اس کے باوجود اب حالات میں تبدیلی کے تحت میں آپؓ کو اس مہم کی اجازت دیتا ہوں۔ اور عبداللہ بن مسعودؓ کی امداد کے لئے مصر سے بحری فوج لے کر آ رہے ہیں۔

بتزل کلب اپنی کتاب میں اس خط پر یہ تبصرہ کرتا ہے کہ بڑی حیرانگی کی بات ہے کہ اُس زمانے میں مسلمان امرا اپنے خطوط کی کاپیاں یا نقلیں بھی دقت کے ریکارڈ میں رکھتے تھے۔ بے شک دین فطرت کے پیر و کارز بانی و عدو اور احکام پر دل و جان سے عمل کرتے تھے۔ لیکن ہمارے آقا کا فرمان ہے، کہ جب کوئی وصیت یا وعدہ کر دے تو بہتر ہوتا ہے کہ کسی کو اُس پر گواہ بنا لو۔ اور اگر ایسی بات لکھ دی جائے تو اور بہتر ہے۔ اس وجہ سے مسلمان خلفا اپنی اکثر ہدایات کی نقلیں سنبھال کر رکھتے تھے اُن نقلوں اور روایتوں کو صحیح رکھنے کی وجہ سے صحابہ کرام کے عظیم فرزندوں نے چالیس المغازی کی کتابیں لکھیں جن کا اکثر ذکر ہو چکا ہے اور ہماری موجودہ تاریخیں یعنی ابن اسحق، ابن سعد، اور واقدی کی تاریخ انہی کتابوں سے تیار کی گئیں بلکہ محدثین نے بھی ان کتابوں سے استفادہ کر کے فقہ کی کتابیں لکھیں۔

قبرص کی فتح

قبرص پر بحری حملہ کے سلسلہ میں مورخین کسی تفصیل میں نہیں جاتے کہ لشکر کی تعداد کتنی تھی۔ اور شام والی فوج اور مصر والی فوج میں رابطہ کہاں پر اور کیسے قائم ہوا۔ اور نہ

ع۔ المغازی فلسفہ جنگ کو کہتے ہیں۔

ہی یہ تفصیل موجود ہے کہ قبرص کو فتح کرنے والی افواج، قبرص کے کونسے علاقے میں جا کر اتریں۔ پس اتنا کہا جاتا ہے کہ جناب عبداللہ بن ابی سرح بھی بحری بیڑہ لے کر شام پہنچ گئے۔ اور امیر معاویہؓ کے لشکر میں اور کون تھا اس پہلو کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ بحری جنگوں کے لئے بڑی تیاریوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ جنگ کی حالت میں ایک کشتی میں بیٹھ کر دریا کو عبور کرنے کے لئے کتنے جتن کرنے پڑتے ہیں۔ موجودہ زمانے میں سائنس کی اتنی ترقی کے باوجود ایسی جنگوں کے لئے بڑی تیاری اور اعلیٰ پایہ کے رابطے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور ہم صرف یہ تبصرہ کریں گے کہ مسلمانوں نے بھرپور تیاری کی رابطہ اعلیٰ پایہ کا تھا۔ تجویز کافی سوچ بچار کے بعد بڑے اعلیٰ پایہ کی اور عملی بنائی گئی تو تب ہی مسلمانوں کے لئے یہ مشکل اور اپنی قسم کی پہلی مہم اس شاندار طریقہ سے سرانجام پاگئی۔

حیران کن کارروائی

شام کے ساحل پر سے کشتیوں میں بیٹھ کر مسلمان مجاہدین قبرص کی طرف روانہ ہو گئے اور جب مسلمان مجاہدین قبرص کے ساحل پر اترے تو وہاں کے لوگ اور حکومت حیران رہ گئی کہ یہ مسلمانوں کی ایک حیران کن کارروائی تھی۔ اہل قبرص نے شاید اس وقت تک کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ مسلمان اس طرح کشتیوں میں سوار ہو کر بحیرہ روم کو عبور کر لیں گے اور ان کے ملک کے چنپہ چنپہ پر چھا جائیں گے۔ قبرص کی کسی بندرگاہ کے دفاع کا بندوبست تو ضرور ہوگا۔ لیکن سارے ساحل کا دفاع اس زمانے کی سوچ میں ابھی نہ آیا تھا۔ اور مسلمانوں نے اپنی پہلی بحری جنگ میں دنیا کی عسکری تاریخ میں ایک نئے طریق کار کو جنم دیا۔

چنانچہ روم کی طرف سے قبرص کے گورنر نے مسلمانوں کی اطاعت منظور کر لی، اور مسلمانوں کو سالانہ سات ہزار دینار خراج دینے پر رضامند ہو گیا۔ یہ وعدہ بھی کیا کہ وہ جزیرہ قبرص کو مسلمانوں کے خلاف کسی کارروائی کے لئے رومیوں کو استعمال کرنے کی اجازت نہ دے گا۔ سلاہ اس طرف کوئی بڑا رومی بحری بیڑہ آیا تو قبرص کی حکومت مسلمانوں کو بروقت خبر بھی دیگی۔ البتہ قبرص کے گورنر نے یہ اجازت چاہی کہ اسے اہل روم کو بھی خراج دینے کی اجازت

ہو، کہ اُن کے ساتھ بھی اس کا وعدہ قائم رہ سکے۔ دوسرے لفظوں میں قبرص کا گورنر غیر جانبدار رہنے کی ایک ظاہر آسٹی کر رہا تھا۔ مسلمان یہ نہ چاہتے تھے، کہ قبرص خواہ مخواہ میدان جنگ بنے۔ اس لئے اُن کو قبرص اور اہل روم کے ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات پر کوئی اعتراض نہ تھا۔

اسلامی لشکر اور بحیرہ روم

قبرص میں فوجیں اتارنے میں کئی مقصد تھے۔ اول، تو مسلمان بحیرہ روم کے اندر داخل ہونے کی ایک سعی کر رہے تھے اور سمندری حالات سے واقف ہونا چاہتے تھے۔ اس کام کے لئے قبرص کا جزیرہ موزوں ترین جگہ تھی۔

دوم، قبرص کے ساتھ تعلقات رکھ کر مسلمان اہل روم کے بحری بیڑہ کا کھوج آسانی سے لگا سکتے تھے۔ اس لئے مسلمانوں نے جان بوجھ کر آسان اور سہل شرطوں پر سمجھوتہ کر لیا کہ سمندر میں اُن کا یہ پہلا تجربہ تھا۔ روایت ہے کہ مسلمانوں نے جناب معاویہؓ کے حکم کے تحت پچاس سمندری حملے کئے۔ البتہ مورخین نے وضاحت نہیں کی کہ یہ حملے تجرباتی تھے یا عمل اور کتنے حملے قبرص کی فتح سے پہلے کئے، کتنے اناطولیہ کے ساحل پر کئے اور کتنے حملے بعد میں جزیرہ روڈس یا آبنائے باسفورس کے علاقوں میں کئے۔ بہر حال قبرص کی پہلی فتح ۶۸ ہجری میں ہوئی اور شاید سال کے آخری مہینے ہوں گے کہ جناب عبداللہ بن ابی سرح افریقہ کی فتوحات سے ۶۸ ہجری کے شروع ہی میں واپس آئے تھے۔

مسلمانوں کی پہلی بحری جنگ

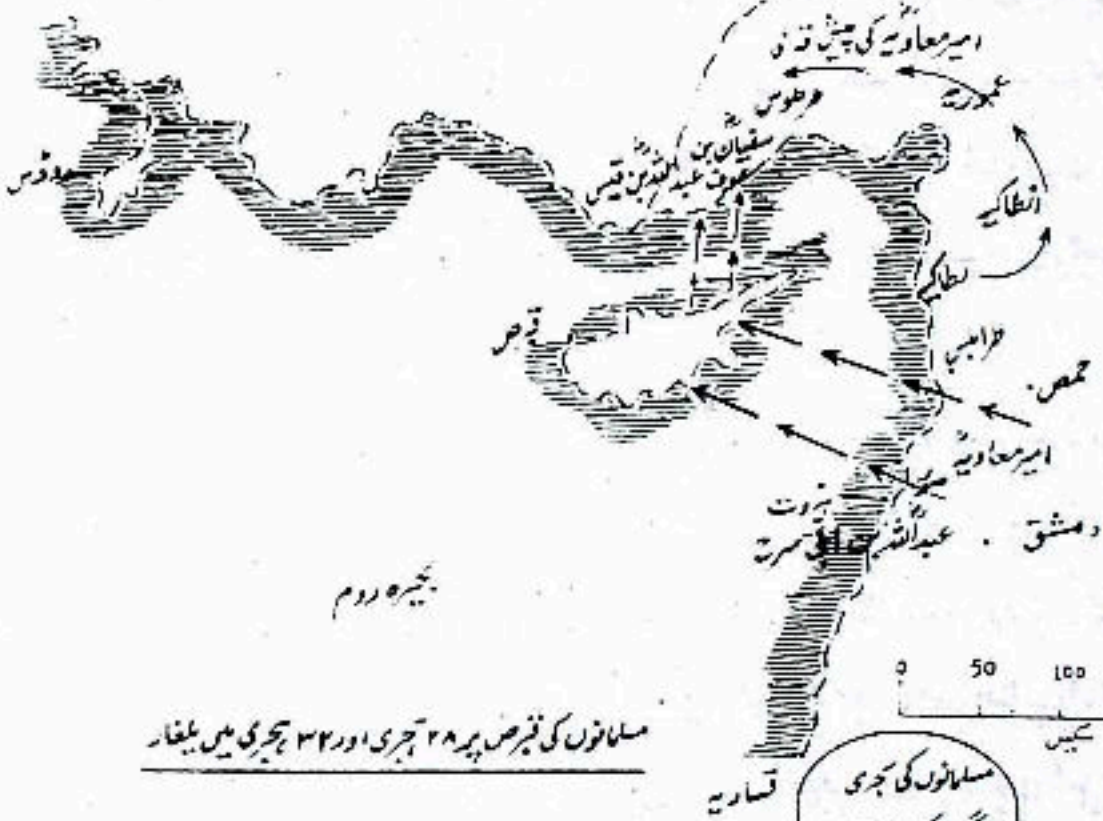
مسلمانوں کی قبرص کی فتوحات نے اہل روم کو پریشان کر دیا۔ وہ فکر مند ہو گئے کہ مسلمان سمندروں میں داخل ہو رہے تھے۔ اہل روم کے پاس مسلمانوں کے خلاف تین بڑی کاوشیں تھیں۔ اناطولیہ کے پہاڑ۔ سردی کا موسم اور سمندر، مسلمان ان تینوں رکاوٹوں کو ختم کرنے کی کوشش میں تھے۔ لیکن ایسے کاموں پر وقت لگتا ہے۔ اہل روم یہ چاہتے تھے، کہ مسلمانوں

سنو ۱۲۸-۱۳
بکیر داسود



اشاطولیه

سلطنت روم



بکیرہ روم

مسلمانوں کی قبرص پر ۲۸ ہجری اور ۳۲ ہجری میں یلغار

اسلامی تاریخ کے پہلے ملے جلے بڑی و بکری تیل

مسلمانوں کی ہجرت
جنگ کی تیاری



نے جو بحری بیڑہ یا کشتیاں بنالی ہیں، اُن کو سمندر میں غرق کر دیا جائے۔ بلکہ اہل روم کی نظر سکندریہ پر تھی اور وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ کسی طرح سکندریہ پر قبضہ کرنے کی ایک اور کوشش کی جائے۔

چنانچہ اہل روم نے ایک بہت بڑا بحری بیڑہ تیار کیا جس میں تقریباً پانچ سو جہاز تھے۔ اہل روم کو معلوم تھا کہ مسلمانوں کا چھوٹا سا بحری بیڑا مصر کے ساحل کے نزدیک ہے۔ اس لئے اُن کے بیڑے نے بھی مصر کے ساحلوں کی طرف رخ کیا۔ اگر وہ نئے اسلامی بحری بیڑے کو سمندروں میں شکست دے دیتے تو سکندریہ پر قبضہ ضرور کر لیتے خواہ یہ قبضہ غرضی ہی ہوتا۔ اور اس سے اہل روم کئی مقصد حاصل کر سکتے تھے۔ مسلمانوں نے جو دور تک افریقہ کے ساحل پر قبضہ کیا ہوا تھا اُس میں خلل پڑ جاتا اور قبرص پر بھی قبضہ نہ رہ سکتا تھا۔ مسلمانوں نے اُس وقت تک جتنی کشتیاں یا جہاز حاصل کئے تھے اُن سب کو ڈبو دیا جاتا۔ یا یہاں مسلمانوں سے چھین لئے جاتے، تاکہ مسلمان بحری طاقت نہ بن سکیں۔

گو قبرص والوں نے مسلمانوں کے رومی بیڑہ کی حرکت کے بارے میں کوئی خبر نہ دی لیکن مسلمانوں نے اب سمندر کی بحری بھی شروع کر دی تھی۔ اُن کو رومی بحری بیڑہ کی حرکت کی خبر مل گئی۔ لیکن وہ گہرے سمندر میں جا کر جنگ کرنے کا اُس وقت تک ارادہ نہ رکھتے تھے اور اُن کے جہاز بلکہ پھلکے تھے اور وہ ساحل کے نزدیک ایک پھیلاؤ میں تھے۔ جناب عبداللہ بن ابی سرح مسلمانوں کے پہلے بحری جرنیل کہے جاسکتے ہیں اس لئے اُن کو اسلام کا پہلا عملی امیر البحر ہونے کا فخر حاصل ہے۔ اُن کی باقی کارکردگیوں پر میر حاصل تبصرہ ہو چکا ہے۔

صواری کی جنگ

نقشہ دہم پر اس بحری جنگ کا ایک خاکہ ہے کہ ہمارے لحاظ سے یہ پہلی بحری جنگ تھی دوسری کا ذکر آگے آئے گا۔ اس جنگ میں رومی جہاز سکندریہ کے نزدیک جب مصر کے ساحل کے پاس پہنچے، تو شام کا وقت ہونے والا تھا اور ہوا تھم گئی تھی چنانچہ طرفین نے کشتیوں اور جہازوں کے بادبان کھول دیئے اور جو جہاز جہاں تھے ادھر ہی لنگر انداز ہو گئے۔ مسلمان

اُس وقت تک دفاعی جنگ کے لئے صف بندی کر رہے تھے۔ لیکن جب رومی جہاز لنگر انداز ہو گئے تو جناب عبداللہ نے رات ہی کے وقت تجویز بنائی تاکہ صبح سویرے مسلمان مجاہدین چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں سوار ہو کر رومی جہازوں کے نزدیک پہنچ جائیں چنانچہ اس تجویز کے تحت مسلمانوں نے صبح سویرے رومی جہازوں کے نزدیک پہنچ کر ان پر ہلہ بول دیا۔

طریقہ یہ تھا کہ مسلمان تیرانداز کی مدد سے جہاز کے نزدیک پہنچ جاتے تھے اور پھر جہازوں یا بڑی بڑی کشتیوں کے عرشے پر چڑھ جاتے اور رومیوں کو نیزوں یا تلواروں سے تہ تیغ کر دیتے۔ بڑی گھسان کی جنگ ہوئی۔ رومی جو مصر کے ساحل پر اترنے کی اُمید میں آئے تھے، ان کو لینے کے دینے پڑ گئے۔ ان کے کئی جہاز اور کشتیاں ڈبو دی گئیں۔ جاتی نقصان کی کوئی حد نہ رہی۔ رومی سمندر کے سفر سے تھکے ہوئے تھے۔ مسلمان تازہ دم تھے اور ساحل کے نزدیک تھے۔ وہ چھوٹی کشتیوں کے ساتھ جس طرف چاہتے تھے حرکت کر سکتے تھے رومیوں کے نقصان کا اندازہ مشکل ہے کہ ہر چیز سمندر کی تہ میں چلی گئی۔ کچھ لاشیں سمندر میں تیرتی نظر آئیں یا سمندر نے بعد میں زمین پر پھینک دیں رومیوں کے پاس اب صرف ایک صورت رہ گئی تھی کہ جو کشتیاں یا بڑے جہاز بچ گئے تھے ان پر سوار ہو کر بھاگ جائیں انہوں نے لڑتے ہوئے ان کے بادبان باندھے اور سمندر کی راہ لی۔ مسلمانوں نے محدود تعاقب کیا اور ایسا تعاقب نہ کر سکے جس طرح وہ ریگستان میں کرتے ہیں۔ اس کو صواری کی جنگ بھی کہتے ہیں کہ جہازوں کے بادبان کھلے ہوئے تھے۔

جنرل گل سمیت کئی مغرب مہاجرین نے یہ تبصرہ بھی کیا ہے، کہ رومی بحری بیڑہ کو اتنی سخت شکست ہوئی تھی کہ اگر مسلمان مجاہد ان کا سمندر میں تعاقب کرتے، تو کوئی بھی رومی بچ کر واپس نہ جاتا اور رومیوں کو مسلمانوں کے ساتھ دوسری بحری جنگ لڑنے کی اتنی جلدی یعنی تین سال بعد میں ہمت نہ ہوتی، ہمارے لحاظ سے مسلمانوں نے بہت اچھا کیا، جو تعاقب نہ کیا، بلکہ پھلکے جہازوں کو گہرے سمندر میں لے جانا مشکل ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ کی تشبیہ کام آ رہی تھی۔ مسلمانوں نے اپنا مقصد حاصل کر لیا اور رومی اپنے مقصد میں ناکام ہوئے۔ یہ جنگ ہماری عسکری تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

قبرص پر دوسرا حملہ

رومیوں کے بحری بیڑہ کا اس طرح مہر کے ساحل تک پہنچ جانا ایک بڑی ہمت والی کارروائی تھی اور وہ آئندہ بھی ایسی کارروائی کر سکتے تھے۔ مسلمانوں نے اس بیڑے کا مسند کے اندر تو تعاقب نہ کیا۔ لیکن تعاقب سے جو ثمرات وصول کئے جاسکتے تھے، ان کے لئے ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا گیا، کہ شام کے ملک سے جناب معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر جرار کے ساتھ قبرص پر حملہ کر کے اُس پر مکمل قبضہ کر لیا اور وہاں پکے طور پر بارہ ہزار مجاہدین کو تعینات کر دیا گیا۔ قبرص کے گورنر نے مسلمانوں کو رومی بیڑے کی حرکت کی کوئی خبر نہ دی تھی، بلکہ قبرص سے بھی کئی کشتیاں اور جہاز اس رومی بحری بیڑہ میں شامل ہو گئے تھے۔ چنانچہ مسلمانوں کی بہم نے اُن لوگوں کے خلاف بھی کارروائی کی جو رومیوں کے ساتھ ملے ہوئے تھے اور ساتھ ہی قبرص کو اسلامی سلطنت کا حصہ بنا لیا۔

جناب معاویہ رضی اللہ عنہ نے قبرص کے علاقہ میں جناب عبداللہ بن قیس کو امیر البحر مقرر کیا اور اُن کو حکم دیا کہ قبرص سے اناطولیہ کے ساحل پر بحری حملے کئے جائیں۔ ان حملوں کی نشانی بھی نقشہ دہم میں کی گئی ہے اور ایسے ہی ایک حملے میں عبداللہ بن قیس شہید ہو گئے۔ دراصل وہ باقی مجاہدین سے کچھ الگ ہو گئے تھے اور اُن کی شہادت کے بعد رومیوں نے بڑی خوشیاں منائیں، کہ اُن کے نام سے سارا اناطولیہ خوف و ہراس سے کانپنا شروع ہو جاتا تھا۔ رومیوں کی یہ خوشیاں کچھ پکی قسم کی نہ تھیں کہ جناب عبداللہ بن قیس کے جانشین جناب سفیان بن عوف ازدی نے یہ بحری کارروائیاں زیادہ بھرپور طریقے سے جاری رکھیں کہ آپ کا تعلق قبیلہ ازد سے تھا اور آپ یمن کے علاقہ میں بحری سرگرمیوں کی تربیت حاصل کر چکے تھے۔ آپ بھی ایک بحری جنگ میں شہید ہوئے کہ مسلمانوں نے اپنا رخ جزیرہ رودس کی طرف کر لیا تھا۔ لیکن اب مسلمان ایک بحری طاقت بن چکے تھے۔

دوسری بحری جنگ

مسلمانوں کی ان بھرپور بحری کارروائیوں اور قبرص پر قبضہ کے بعد رومیوں کو معلوم

ہو رہا تھا کہ مسلمان جلد ہی بحیرہ روم پر مکمل قبضہ کر لیں گے۔ اس لئے انہوں نے مسلمانوں کو بحیرہ روم میں آگے بڑھنے سے روکنے کی ایک اور کوشش کی۔ اس بحری جنگ کو بھی نقشہ دہم میں دکھایا گیا ہے اور اس جنگ کا مقصد قبرص پر دوبارہ قبضہ کرنا تھا۔ کچھ مسلمان مورخین نے صرف ایک بحری جنگ کا ذکر کیا ہے۔ اُس جنگ میں ایک طرف قیصر روم قسطنین اور دوسری طرف امیر معاویہؓ اور عبداللہؓ دونوں کو اس جنگ میں لڑتے دکھایا ہے۔ لیکن سب مغربی مورخین دو بحری جنگوں کا ذکر کرتے ہیں۔ اور ہمیں ان کے ساتھ اتفاق ہے کہ مسلمانوں کی تاریخوں کو غور سے پڑھنے کے بعد دونوں جنگوں میں وقفہ کا بیان نظر آتا ہے۔ ہمارے تجزیہ کے مطابق پہلی بحری جنگ مصر کے ساحل کے قریب ہوئی جس میں مسلمانوں کی کمانڈ جناب عبداللہؓ کر رہے تھے۔ رومیوں کے کمانڈر کا نام معلوم نہیں اور ہم اس جنگ کا ذکر کر چکے ہیں۔ دوسری بحری جنگ قبرص سے شمال مغرب میں فناکس کے علاقے میں ہوئی اور مسلمانوں کے کمانڈر امیر معاویہؓ تھے۔ اور شہنشاہ روم قسطنین رومی بحری فوجوں کی کمانڈ کر رہا تھا۔ نقشہ دہم میں اس جنگ کو الگ طور پر دکھایا گیا ہے۔

جن مسلمان مورخین نے دو بحری جنگوں کا ذکر کیا ہے وہ پہلی بحری جنگ کو سکندریہ پر قبضہ کرنے کی تیسری کوشش کا نام دیتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ یہ جنگ ۳۱ ہجری میں ہوئی اور رومی سکندریہ پر قبضہ نہ کر سکے۔ دوسری بحری جنگ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ۳۲ ہجری میں قبرص کے نزدیک ہوئی۔ یہ بیانات بھی ظاہر کرتے ہیں، کہ سمندر میں تین سال کے وقفے سے دو الگ الگ جنگیں ہوئیں اور جو مورخین امیر معاویہؓ اور شاہ روم کو سکندریہ کے نزدیک لے جاتے ہیں، انہوں نے دونوں جنگوں کو ایک کرتے وقت یہ نہ سوچا کہ شاہ روم اپنے ملک سے آنا دیکھے جاتا۔ یا امیر معاویہؓ اپنے ذمہ داری کے علاقے کو کیسے چھوڑ سکتے تھے۔

چنانچہ ہم پہلی جنگ کا ذکر کر چکے ہیں۔ اور دوسری فناکس کے نزدیک ہوئی جہاں پر قیصر روم زخمی ہوا اور بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگ سکا اور حقیقہ چلا گیا۔ وہاں پر تخت کے دوسرے دعویداروں نے اُس کو قتل کر دیا اور رومی

سلطنت میں پھر تخت کی وراثت کا جھگڑا شروع ہو گیا۔

یہ ۲۲ ہجری کے واقعات ہیں۔ اُس زمانے میں مسلمانوں کے باقی صوبوں میں سازش کے اثرات کے تحت فتنہ و فساد شروع ہو چکا تھا جس کا ذکر اگلے ابواب میں آئے گا۔ یہ بھی اللہ کی رحمت تھی کہ شام کے علاقے میں کوئی فتنہ برپا نہ ہوا کہ مسلمان دشمنوں کا مقابلہ کر رہے تھے پھر رومیوں میں خود تخت نشینی کا جھگڑا شروع ہوا، تو اس وجہ سے اگلے ایک دو سال رومی خاموش ہو گئے۔ ہم شام کے حالات کو ادھر ہی چھوڑ کر اگلے باب میں مشرقی محاذ کا رخ کریں گے اور پھر چوتھی کتاب میں یہاں سے حالات کو شروع کر کے آگے مسلمانوں کے قسطنطنیہ کے پہلے محاصرہ تک جائیں گے۔

نتائج و اسباق

۱۔ یہ باب بڑا اہم۔ ایک طرف بری اور بحری فتوحات کو شیرو شکر کرتا ہے تو دوسری طرف آرمینیا کی فتح سے مشرقی محاذوں کے ساتھ رابطہ قائم ہوتا ہے۔ علاوہ اناطولیہ کی طرف بھی پیش قدمی جاری رکھی جاتی ہے۔

۲۔ ہم نے عملی طور پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے بحری جنگوں کے مخالف نہ تھے بلکہ اس سلسلہ میں انہوں نے تیاری کے لئے احکام دیئے۔ بہر حال کچھ مشیت ایزدی بھی ہوتی ہے۔ کیا خبر حضرت عمرؓ کے زمانے میں اگر بحری جنگیں ہوتیں تو وہ سمندروں کو بھی ایک ایسا خط لکھتے جیسا دریائے نیل کو لکھا۔

۳۔ اور سمندر بھی ہمارے لئے مسخر ہو گئے ہوتے۔ پس اس میں اللہ کا راز تھا اور گو حضرت عثمانؓ امیر معاویہؓ اور عبداللہؓ نے سمندر کو مسخر کرنے کا اہم کام سرانجام دیا۔ لیکن افسوس کی بات ہے کہ مسلمانوں نے سمندر کو مسخر کرنے کی طرف اتنا دھیان نہ دیا، جتنا کہ دینا چاہیے تھا۔ اور اگلے چھ سات سو سال صرف بحیرہ روم میں رہے۔ پھر انہوں نے بحیرہ عرب کا استعمال بھی چھوڑ کر مشرق کی طرف بھی خشکی کا راستہ استعمال کرنا شروع کر دیا۔ مسلمانوں کے سپین میں زوال اور ترکوں کی پندرھویں صدی عیسوی کی فتوحات نے اہل یورپ کو سمندروں میں "پھینک" دیا اور سمندروں کی مدد سے انہوں نے

ہم پر دو سو سال حکومت کی۔ وہ اب خلاؤں میں جا رہے ہیں اور ہمارے سکولوں میں مادیت کے سبق پڑھائے جا رہے ہیں کہ اس زمین کے گرد و غبار سے کھیلو:-

شکایت ہے مجھے یارب خداوندانِ مکتب سے

سبق شاہیں بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا (اقبالؒ)

۴۔ ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ کے سمندری لڑائیوں کے سلسلہ میں وقتی التوا کو پرانے زمانے سے غلط رنگ میں پیش کیا گیا، کہ یہ سمندر بڑا کافر ہے۔ حضرت عمرؓ بھی اس میں داخل نہ ہونے کی رائے دے چکے ہیں وغیرہ۔ اس لیے معاملات کو خشکی تک محدود رکھا جائے۔ اُس زمانے میں یا بنو امیہ کے زمانے تک اس قسم کی سازش زیادہ گہری نہ تھی۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ بنو عباسیہ کے زمانے سے یہ سازش گہری ہوتی گئی، کہ "علم" کا زور تھا۔ اور عملی علم، جو عشق سے حاصل ہوتا ہے اُس میں جمود تھا۔

عشق کی تیغ جگر دار اڑالی کس نے؟

علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اسے ساقی! (اقبالؒ)

۵۔ بہر حال جناب عثمانؓ کی اجازت اور جناب معاویہؓ اور عبداللہؓ رضی اللہ عنہم کی کوشش سے قبرص کی فتح، سمندری جنگوں اور اناطولیہ کی طرف مزید پیش قدمی نے شام اور مصر کی فتوحات کو قائم دائم کر دیا۔ مشرقی محاذ پر دارالحکومت مدائن پر قبضہ ہو جانے سے ایران کا کسریٰ تو سرگرداں پھر رہا تھا۔ اور نہماوند کی شکست نے اُس کی رہی سہی جان بھی ختم کر دی تھی۔ لیکن مصر و شام کے محاذوں کے آگے قیصر روم قسطنطنیہ کے منبسط قلعوں میں آرام سے بیٹھا تھا۔ ایک طرف اناطولیہ کے وسیع علاقے موجودہ بلقان کے علاقے اور متعدد سمندری جزیروں پر اُس کا قبضہ تھا اور بحیرہ روم میں اُس کا طوطی بول رہا تھا۔ اور مسلمانوں نے ابھی بحیرہ روم میں پہلا قدم ہی رکھا تھا۔

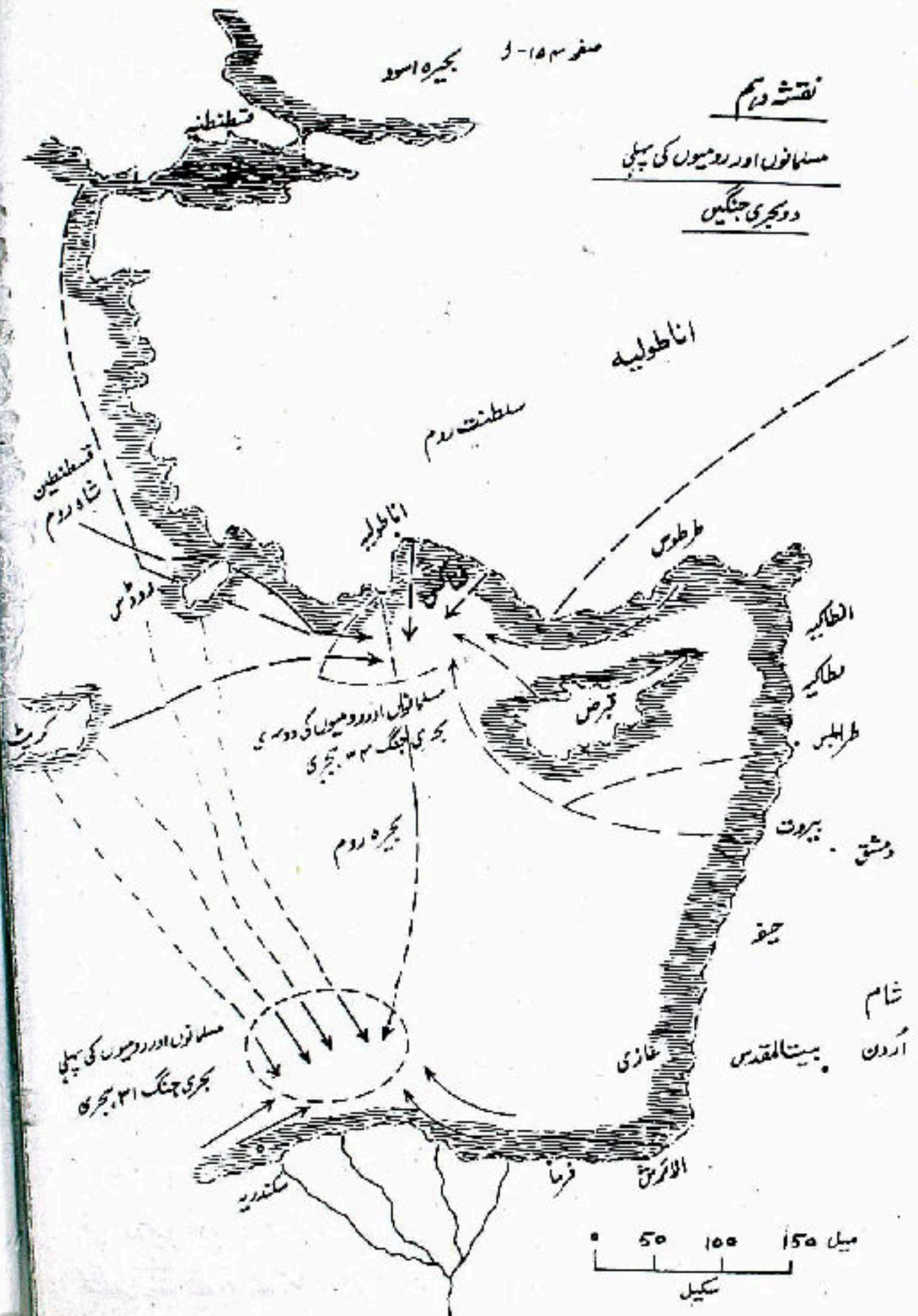
۶۔ سلطنت روم دنیا کی مانی ہوئی اول نمبر کی بحری طاقت تھا۔ بحیرہ روم اُن کی "جھیل" تھی اور بحیرہ اسود اُن کا تالاب تھا۔ ایران روم کی جنگوں میں جب ایرانی قسطنطنیہ کے دروازے کھٹکھٹا رہے تھے۔ تو اُس زمانے میں بھی بحیرہ اسود میں اہل روم کی اتنی زیادہ بحری طاقت تھی کہ اُس بحری طاقت کی مدد سے ہر قل نے آرمینیا کے راستے مدائن کے دروازے کھٹکھٹانے شروع کر دیے

صفحہ ۱۵-۱۶ بحیرہ اسود

نقشہ دوم

مسلمانوں اور رومیوں کی پہلی

دو بحری جنگیں



تھے۔ لیکن اب حالات تبدیل ہو چکے تھے۔ مسلمانوں نے آرمینیا پر قبضہ کر لیا تھا اور بحیرہ روم کے جنوبی ساحل پر ٹیونس تک اللہ اور اُس کے رسولؐ کا نام بلند ہو رہا تھا۔ لیکن سب کامیابی کی بسم اللہ معر اور شام کے ساحلوں پر کی گئی۔ اور بے شک جناب معاویہؓ اور جناب عبداللہؓ فاتح بحیرہ روم بھی ہیں۔

۷۔ جناب معاویہؓ اور جناب عبداللہؓ کے ان کارناموں اور اسلام کی اس خدمت کو ہماری سیاسی اور عسکری تاریخ میں سنہری لفظوں میں لکھا جانا چاہیے، کہ انہوں نے اپنے سیاسی تدبیر، عسکری خوبیوں اور ان تھک کوششوں سے سات سال کے عرصہ میں مسلمانوں کو دنیا کی ایک بحری طاقت بنا دیا۔

۸۔ مغربی مورخین اور مبصرین نے اس سلسلے میں بڑے حقیقت پسندانہ تجزیے پیش کئے، کہ ان بحری جنگوں میں مسلمانوں کی فتوحات کے بعد، قیصر روم کے لئے شام اور مصر پر دوبارہ قبضہ کرنے والی بات بالکل ختم ہو گئی۔ لیکن افسوس کہ اپنے مورخ سمندر کو کافر ہی کہتے رہے۔

۹۔ اہل روم فکر مند ہو چکے تھے۔ مسلمانوں کے ہاتھوں سے بحری جنگوں میں شکست کھانے کے بعد اہل روم اور اہل یورپ مسلمانوں کے ساتھ نپٹنے کے نئے طریقے سوچ رہے تھے۔ ایک طریقہ جو انہوں نے سوچا، وہ یہ تھا کہ اپنے لوگوں کو اسلام کے نظریہ حیات سے نفرت کرنا سکھایا اور اس کے لئے طریقہ یا استعمال کیا کہ اسلام کو بی غلط رنگ میں پیش کر دیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے اپنے لوگوں کو آنا گمراہ کر دیا ہے کہ ان کو اب اسلام میں کوئی اچھی بات نظر نہیں آتی اور اسلام کا مطالعہ وہ تعصب والے اور بودے پیمانوں سے کرتے ہیں۔ جس کا ذکر جگہ جگہ ہو چکا ہے۔

۱۰۔ یہ عیش فراواں یہ حکومت یہ تجارت + دل سینہ بے نور میں محروم تسلی!

تاریک ہے افرنگ مشینوں کے دھوئیں میں + یہ وادیِ ایمن نہیں شایانِ تجلی! (اقبال)

۱۰۔ دشمن کو نیچا دکھانے کے لئے ایک طریقہ ہر سطح پر کافی کامیاب رہتا ہے اور وہ یہ ہے۔ کہ جب تمہیں دشمن ختم کرنے پر تلبا ہوا ہو تو تم دشمن کے گھر پر حملہ کر دو یا اُس کے گھر کے اندر آگ لگا دو۔ مسلمانوں نے عام طور پر اس طریقہ کو کبھی نہ اپنایا کہ وہ حالت جنگ میں ہوتے تو سیدھی کارروائی کرتے تھے اور حالاتِ امن میں وہ کسی کے ساتھ دغا بازی یا بد عہدی نہ کرتے تھے

عہدوں نے یہ طریقہ اپنایا۔ چنانچہ اہل یورپ نے قسطنطنیہ کو بچانے کے لئے، ہمیشہ کسی سازش سے مسلمانوں کے گھر کے اندر آگ لگائی یا صلیبیوں کو بھیج کر ہمیں اپنے دفاع پر مجبور کر دیا اور ہم بحیرہ روم یا اناطولیہ کی طرف سے آگے اتنی تیزی سے نہ بڑھ سکے۔ اور سپین میں بھی رگ گئے۔

۱۱۔ یہ بڑے وسیع مضامین ہیں اور اپنی ساری تاریخ کے با مقصد مطالعہ کے بعد ہم پر روشن ہو سکتے ہیں کہ ہم نے کیا غلطیاں کیں۔ غیردوں نے ہمیں کس طرح خراب کیا اور اب ہمیں کیا کرنا چاہیے۔
۱۲۔ جہاں تک اسباق کا تعلق ہے، تو چھوٹے چھوٹے سبق تو بے شمار ہیں اور کارروائیوں کے ایک ایک پہلو میں ہمارے لئے اسباق موجود ہیں۔ جناب فاروق رضا کی جانب سے تیاری کا حکم۔ جناب عثمان رضا کی اجازت۔ مسلمان امر کی ذاتی شمولیت، صحیح حکمت عملی، تدبیرات کا قابل عمل ہونا۔ اسلامی فلسفہ حیات پر عمل۔ غرضیکہ کئی پہلو ہیں جو بیان کر دیئے گئے ہیں۔ لیکن بہتر ہے، کہ ہم کچھ وسیع تر اسباق میں بھی جائیں۔ اس باب میں ہم نے اہل روم کے ساتھ اپنی کشمکش کی تازہ کاری کی ہے اور یہ دراصل ہماری دوسری کتاب پر ایک اضافہ ہے۔ آگے جا کر چوتھی کتاب میں ہم اس میں اور اضافہ کریں گے اور ہمارے با مقصد اسباق حسب ذیل ہیں:-

۱۔ یہ جنگ جاری دساری ہے۔ آج فلسطین اور لبنان میں جو کچھ ہو رہا ہے۔ وہ اسی جنگ کا سلسلہ ہے۔

ب۔ اہل یورپ اور طرح سے بھی ہم پر یلغار کر رہے ہیں۔ ہمیں وہ اسے بودے فلسفوں کا غلام بنانا چاہتے ہیں۔ بلکہ بنا چکے ہیں۔ ادب، تہذیب اور ثقافت کی آڑ میں وہ اسلام پر درار کر رہے ہیں اور ہماری نادانی کا پورا فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

ج۔ وہ لوگ خداؤں میں جا رہے ہیں۔ زیر زمین جا رہے ہیں اور ہم اس غلط فہمی میں ہیں کہ ہمیں وہ لوگ ٹیکنالوجی سکھائیں گے۔ ہمیں اپنی سیاسی وحدت کے تحت ہی سب کچھ سیکھنا ہوگا۔ پہلے پاکستان میں پوری قوم کو اللہ کی توجہ بنانا ہوگا۔ اور پھر پوری امت کو۔ تو تب ہی ہمارے لئے دنیا میں عزت کے ساتھ رہنا ممکن ہو سکے گا۔

د۔ ایک اور ضروری سبق یہ ہے کہ تاریخ کا با مقصد مطالعہ کرنے سے ظاہر ہوگا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے کتنا ضروری تھا، کہ وہ جناب معاذ رضی اللہ عنہ اور جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ

لوگوں کو مصر و شام میں رکھتے، کہ اہل روم کا مقابلہ ہوتا رہتا۔ افسوس کہ ان باتوں
کو درجہ نزاع بنا کر ہم خواہ مخواہ قوم میں تفرقہ ڈالتے ہیں:

۱۔ قارئین! ہم اب مشکل دور میں داخل ہو رہے ہیں۔ ہمارے تبصرے محدود اور بجا مقصد
ہونا چاہئیں، کہ پرانے زمانے کے اختلافات اور غلط الزام تراشیوں سے سبق سیکھیں کہ فی الحال
تو کافی کچھ کھو بیٹھے ہیں۔

”اے باد صبا! کملی دالے سے جا کہیو پیغام مرا

قبضے سے امت بے چاری کے دین بھی گیا۔ دنیا بھی گئی (قبائل)

چھٹا باب

کوفہ کا محاذ، امرا اور جنگی کارروائیاں

اس سلسلے کی پہلی کتاب میں مشرقی محاذ یعنی ایران و عراق کی فتوحات کو تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانوں کو الگ الگ بیان کرنے کی بجائے واقعات کو تسلسل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے تاکہ پوری حکمت عملی آسانی سے سمجھ آجائے۔ اور جس طرح پانچواں باب کتاب دوم پر اضافہ ہے۔ اس طرح چھٹا اور ساتواں باب کتاب اول پر اضافے میں۔ فتوحات ایران میں سرسری طور پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے کے کچھ واقعات بیان کر دیئے گئے تھے، لیکن پورے واقعات اگر ادھر ہی بیان کر دیئے جاتے تو زماں کا سلسلہ بہت وسیع ہو جاتا اور ایک طرف وقت کے لحاظ سے ہم بہت آگے نکل جاتے تو دوسری کتاب کے واقعات کے تانے بانے پہلی کتاب کے ساتھ ملانے میں کافی محنت کرنا پڑتی۔

اس کے علاوہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مشرقی محاذ پر اتنے زیادہ واقعات ہوئے۔ اتنے امرا تبدیل ہوئے۔ اتنی بغاوتیں ہوئیں، اور اتنے نئے علاقوں پر قبضے ہوئے کہ ان واقعات کو الگ کتاب میں رکھنا ضروری ہو گیا تھا بلکہ آگے جو سازش ہوئی اس نے بھی زیادہ ترانہ مشرقی علاقوں میں جنم لیا اور اگر ان سب واقعات کو ملا دیا جاتا تو قارئین بھول بھلیوں میں کھو جاتے۔

چنانچہ قارئین کی آسانی کیلئے آگے ہم نے اس علاقہ یا محاذ کو بھی دو حصوں میں بانٹ دیا ہے۔ کوفہ کا محاذ اور بصرہ کا محاذ۔ انتظامی طور پر بھی یہ دو الگ الگ صوبے تھے اور ہم نے کوفہ کے لیے نقشہ یازدہم ساتھ لگا دیا ہے اور بصرہ کے محاذ کے لیے نقشہ دوازدہم۔ قارئین کو یاد ہوگا کہ خلیفہ دوم نے حکم دیا تھا کہ عراق و ایران کے علاقوں میں دو بڑی فوجی چھاونیاں بنائی جائیں۔ بالکل اسی طرح کے احکام شام کے ملک کے لئے دیئے گئے کہ وہاں پر جابیہ میں چھاونی بنائی گئی اور مصر میں بھی ایسے احکام دیئے کہ وہاں پر

فسطاط کی چھاؤنی بنائی گئی۔ اسی طرح پہلی کتاب میں ذکر آچکا ہے کہ ایران و عراق کے محاذ پر کوفہ اور بصرہ کی چھاؤنیاں وجود میں آئیں۔ دونوں چھاؤنیوں میں سے ہر ایک میں تیس سے چالیس ہزار کے قریب مجاہدین رہتے تھے اور ضرورت کے وقت اپنی ذمہ داری کے علاقوں میں پھیل جاتے تھے۔ اس نفری سے کوئی دس ہزار کی نفری باری باری آگے والی سرحدوں پر متعین رہتی تھی۔

کوفہ کے عامل کی ذمہ داری وہاں سے شروع ہوتی تھی جہاں شام کے عامل کی ذمہ داری ختم ہوتی تھی۔ یعنی موصل، آذربائیجان، اور جرجان وغیرہ کے علاقے جھیل کپین تک کوفہ کے تحت آتے تھے اور اس کی نشاندہی نقشہ یازدہم میں کر دی گئی ہے کہ تقریباً شمال مغربی ایران ان کے پاس تھا۔ بصرہ کے گورنر کا علاقہ اور زیادہ وسیع تھا اس کی نشاندہی نقشہ دوازدہم میں ہے۔ جنوب میں صوبہ فارس، مکران سے ہوتے ہوئے مشرق میں قندھار، کابل، ہرات وغیرہ کو شامل کر کے دریائے جیحون تک کے علاقے اس عامل کی ذمہ داری میں تھے۔ کوفہ اور بصرہ کے گورنروں کی درمیانی حدود تقریباً اصفہان اور نہاوند کے علاقوں سے گزرتی تھیں۔ اور ضرورت پڑنے پر آگے والے علاقوں میں ایک دوسرے کی مدد بھی کرتے تھے۔

کوفہ اور بصرہ کے عامل ایک دوسرے کی مدد بالکل اسی طرح کرتے تھے جس طرح شام کے عامل جناب معاویہؓ اور مصر کے عامل جناب عبداللہؓ ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے۔ اور ایسے واقعات آپ پچھلے باب میں پڑھ آئے ہیں۔ کوفہ کے محاذ سے شام کے عامل کیلئے جو مدد بھی گئی اس کا ذکر بھی ہو چکا ہے۔ جناب عثمانؓ کے زمانے میں علاقے بہت وسعت اختیار کر چکے تھے اور مشرقی محاذ کا نقشہ یازدہم اور نقشہ دوازدہم سے اندازہ لگائیں کہ علاقے کتنے وسیع تھے۔ صرف کوفہ کے محاذ کا اگر جائزہ لیا جائے تو یہ کئی امارتوں میں بٹا ہوا تھا۔ جناب عثمانؓ کی خلافت کے آخری سالوں میں جو چھوٹے عامل کوفہ کے سپہ سالار اعظم کے نیچے آتے تھے ان کی تفصیل کچھ اس قسم کی تھی۔ آذربائیجان میں اشعت بن قیس، اصفہان میں سائب بن اقرع، رماہ میں مالک بن حبیب، یربلوی

موصل میں کلیم بن سلامہ - قریشیا میں جریر بن عبداللہ بن ابی سلمہ بن بکر اور حلوان میں عقبہ بن النہاس - یہ تمام عامل سول انتظام کے ذمہ دار بھی تھے اور اپنے علاقہ کے سپہ سالار بھی۔ کوفہ میں جناب قعقاع بن عمرو عامل کے فوجی مشیر تھے اور تمام علاقوں میں فوجی رابطہ، ضبط اور فوجی کارروائیوں کی تجویز کا معاملہ بھی ان ہی کے ہاتھوں میں تھا۔

تبصرہ

یہاں ایک تبصرہ ضروری ہو گیا ہے۔ ہم حضرت عثمانؓ کے زلمنے کے چھوٹے عاملوں کا ذکر شام کے محاذ پر بھی کر چکے ہیں۔ ان میں کوئی بھی جناب عثمانؓ کا رشتہ دار نہ تھا۔ سوائے جناب امیر معاویہؓ کے۔ اور جن عاملوں کا اب ذکر کیا گیا ہے ان میں بھی کوئی جناب عثمانؓ کا رشتہ دار نہ تھا۔ ظاہر ہوا کہ جناب عثمانؓ نے اپنے رشتہ داروں میں سے بہت کم لوگوں کو امارت پر مقرر کیا۔ حالانکہ رشتہ داری کے معاملہ میں جناب عثمانؓ کچھ زیادہ ہی خاندانوں کے ساتھ رشتہ میں منسلک تھے اور وہ سب تفصیل آگے آتی ہے۔

حضرت عثمانؓ کی رشتہ داری

جب حضرت عثمانؓ کے خلاف فتنہ و فساد شروع کیا گیا تو اُس وقت بھی یہ الزام لگایا گیا کہ جناب عثمانؓ اپنے رشتہ داروں کو امارت دیتے ہیں۔ بلکہ ہمارے لحاظ سے غلط طور پر یہ الفاظ جناب فاروق اعظمؓ کی طرف منسوب کئے گئے کہ بخدا وہ جناب عثمانؓ کو اس لئے خلیفہ نامزد نہیں کرتے کہ ان کے رشتہ دار اور خاص کر بنو امیہ حکومت پر چھا جائیں گے۔ ہم نے اس چیز کا تجزیہ کر کے اس روایت کو تیسرے باب میں ہی رد کر دیا تھا۔ لیکن اب چونکہ ہم حضرت عثمانؓ کے زمانے کے درمیان میں پہنچ چکے ہیں تو یہ دیکھنا ضروری ہے، کہ پچھلے دو ابواب میں ان کے کتنے رشتہ دار امارت پر تھے۔ ہمیں تو کل دو نظر آتے ہیں اور اب اس باب کے اُمر کا ذکر کیا گیا ہے تو ان میں سے ایک بھی حضرت عثمانؓ کا رشتہ دار نہیں ہے۔ آگے البتہ تین ایسے اُمر کا ذکر آئے گا جو حضرت عثمانؓ کے رشتہ دار تھے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کہ کسی کے رشتہ دار اگر کسی کام کے اہل ہوں تو کیا ان کے ساتھ انصاف نہ کیا جائے، اور ان کو کوئی ذمہ داری نہ سونپی جائے تو یہ ایک بے انصافی ہوگی۔ ساتھ ہی حکومت کو بھی جناب معاویہؓ، جناب عبداللہؓ بن ابی سرح جیسے لوگوں کی خدمات کی ضرورت تھی۔ اور آگے جناب عبداللہؓ بن عمر کا ذکر آئے گا۔ جنہوں نے کابل فتح کیا۔ تو کیا حضرت عثمانؓ کے ان رشتہ داروں کی خدمات سے فائدہ نہ اٹھایا جاتا؟

لیکن ایک اور پہلو یہ ہے کہ تمام صحابہ کرامؓ میں شاید حضرت عثمانؓ رشتہ کے لحاظ سے زیادہ خاندانوں کے ساتھ منسک تھے اور آپ کے رشتہ داروں کی تعداد قریش میں سب سے زیادہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ حضورؐ پاک نے جناب عثمانؓ کو ہی صلح حدیبیہ کے وقت قریش کے پاس اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔ آپ کے قریبی رشتہ داروں کی تفصیل لکھی جائے تو بہتر ہوگا۔ آپ بنو امیہ یعنی عبد شمس بن عبد مناف کے خاندان سے تھے۔ اس طرح تمام بنو امیہ آپ کے رشتہ دار تھے۔ حضورؐ پاک کے پردادا جناب ہاشم بھی عبد شمس کے بھائی اور عبد مناف کے بیٹے تھے۔ اس لئے بنو ہاشم بھی حضرت عثمانؓ کے قریبی رشتہ دار تھے۔ قریش کے علمبردار بھی عبد شمس کی اولاد سے تھے، جن میں عتبہ، شیبہ اور ولید شامل تھے، جو جنگ بدر میں مارے گئے۔ لیکن ان کی اولاد اسلام لائی بلکہ ابو عبد اللہ بن عتبہ تو جنگ بدر کے وقت سے پہلے مسلمان ہو گئے تھے۔ تو یہاں پر بھی حضرت عثمانؓ کے رشتہ داروں کی تعداد زیادہ ہو گئی۔

حضرت عثمانؓ کی والدہ ماجدہ ارویہ بنت کزیزہ کو اول تو یہ سعادت حاصل تھی کہ آپ اسلام لے آئیں اور حضورؐ پاک کی بیعت کی۔ دوم آپ کا تعلق بھی بنو عبد شمس سے تھا کہ عبد شمس کے بیٹے حبیب کی پوتی تھیں۔ اس لئے عبد شمس کی اولاد کا ہر فرد آپ کا رشتہ دار بن گیا۔ لیکن خاص بات یہ تھی کہ آپ کی والدہ حضورؐ پاک کی پھوپھی ام حارثہ

کی بیٹی تھیں۔ اس لئے جناب عثمان رضی اللہ عنہما کے بھانجے بھی تھے۔ تو بنو ہاشم
 میں جناب علیؑ، جناب جعفر طیارؑ، جناب عقیلؑ، جناب عبد اللہ بن عباسؑ یعنی
 حضور پاکؐ کے تمام چچیرے بھائی حضرت عثمانؓ کے ماموں تھے۔ جناب زبیرؓ بن عوام
 اور عبد اللہؓ بن جحش بھی آپ کے ماموں تھے کہ وہ آپ کی والدہ
 کے خالہ زاد بھائی تھے اور ام المومنین جناب زینبؓ آپ کی خالہ تھیں۔
 ان سب باتوں سے بڑھ کر بات یہ ہے کہ جناب عثمانؓ حضور پاکؐ کے داماد تھے۔ تو
 ام المومنین جناب خدیجہؓ کے سارے خاندان کے ساتھ آپ کا رشتہ ہو گیا۔ اس کے علاوہ
 جناب عثمانؓ نے ولید بن عبد شمس بن مغیرہ کی ایک بیٹی کے ساتھ شادی کی ہوئی تھی اسی طرح
 بنی مخزوم کے ساتھ بھی رشتہ قائم ہو گیا۔ دوسری شادی جناب عقبہؓ بن غزو ان کی بہن
 کے ساتھ کی تو بنی نوفل کے ساتھ بھی رشتہ دارمی ہو گئی۔ اس کے علاوہ جناب عثمانؓ
 کی ایک سوتیلی بہن کی شادی جناب عمرو بن عاص کے ساتھ ہوئی تھی۔ عبد اللہ بن سعد
 آپ کے رضاعی بھائی تھے۔ ولید بن عقبہ بن ابی عقیط احیائی بھائی تھے۔ عبد اللہ بن عامر
 ماموں زاد بھائی تھے۔ سعید بن العاص بھی بنو امیہ کے خاندان سے تھے کہ آپ
 جناب خالد بن سعید بن العاص بن امیہ کے بھتیجے تھے۔ آپ کی پرورش جناب معاویہؓ نے کی۔
 چنانچہ ہم اگر خونی یا خاندانی رشتہ کی تہہ میں جائیں تو معلوم ہو گا کہ سب کے سب
 رشتہ دار تھے۔ لیکن اسلام میں اول رشتہ اللہ اور رسولؐ کی وجہ سے ہے۔ اور اگر یہ رشتہ
 صحیح ہو تو اس کے بعد قرابت داروں کے حقوق کو بھی تسلیم کیا گیا ہے۔ لیکن اگر یہ رشتہ
 صحیح نہ ہو تو پھر اس طرح ہو گا جس طرح جنگ بدر میں ہوا۔ جلال مصطفیٰؐ کے پہلے باب
 میں اس کا ذکر ہو چکا ہے کہ باپ بیٹے اور بھائی ایک دوسرے کے مقابلہ میں۔ تھے بلکہ
 جناب ابو عبیدہؓ کا باپ انہی کے ہاتھوں سے قتل ہوا کہ بار بار بیٹے پر حملہ کرتا تھا۔ جناب عمروؓ
 کا ماموں العاص انہی کے ہاتھوں سے قتل ہوا۔ اور دوسرا ماموں ابو جہل بھی سامنے تڑپ رہا
 تھا۔ جناب ابو بکرؓ کو انوس ربا کہ ان کا بیٹا عبد الرحمن جو اس وقت تک اسلام نہ لایا تھا،
 عداوتوں کی وجہ سے اور خاندانوں کے ساتھ بھی رشتہ تھا جس کی تفصیل نہیں دی جا رہی۔

وہ ان کے ہاتھوں سے کیوں کر بچ گیا چنانچہ اس سب وضاحت کا مقصد یہ ہے کہ ہم مشکل دور میں داخل ہو رہے ہیں۔ ہمیں اسلامی فلسفہ حیات کو سامنے رکھ کر حضور پاکؐ کے عظیم رفقاء کے حالات کا مطالعہ کرنا چاہیے تاکہ صحیح حالات ہمارے سامنے آجائیں اور ہم انسانی کمزوریوں یا غیروں کی سازش میں فرق کو سمجھ سکیں۔ تاکہ ہم آئندہ کے لئے کوئی سبق سیکھ سکیں کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب بھی دینا ہوگا۔

۔ کھونہ جا اس سحر و شام میں اے صاحب ہوش

اک جہاں اور بھی ہے جس میں نہ فردا ہے نہ دوش

راہبالت

کوفہ کے عامل

پہلی کتاب میں یہ ذکر آچکا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اہل کوفہ کے طرزِ عمل سے بیزار ی کا اظہار کیا تھا کہ جب وہ اُن پر کسی سخت شخص کو عامل مقرر کرتے تو چیخ و پکار شروع ہو جاتی اور جب کسی معتدل شخص کو عامل مقرر کیا جاتا تو وہ کہتے کہ وہ موثر نہیں اس کے ساتھ یہ بھی بیان کیا گیا تھا کہ کوفہ کے پہلے عامل حضرت سعدؓ بن ابی وقاص تھے۔ دوسرے حضرت عمارؓ بن یاسرؓ اور حضرت عمرؓ کی وفات کے وقت جناب مغیرہؓ بن شعبہ کوفہ کے عامل تھے۔ جناب مغیرہؓ پہلے بصرہ کے علاقے میں تھے اور جب وہ اُن نلاقوں میں تھے تو اُن پر لوگوں نے زنا کا الزام لگایا۔ اسلام میں امراء سے بھی جواب طلبی کی جاتی ہے۔ چنانچہ جناب فاروقؓ اعظمؓ نے ان کو اس مقدمہ کے لئے مدینہ شریف طلب کیا۔ لیکن صرف تین گواہ کسی غیر عورت کا ذکر کر سکے۔ چوتھا گواہ زیاد تھا جو ابن ابی یعنی اپنے باپ کے بیٹے کے نام سے موسوم تھا۔ اُس نے کہ دیا کہ اُس نے عورت کا منہ نہ دیکھا۔ صرف پاؤں دیکھے اس لئے وہ نہیں کہہ سکتا کہ عورت کون تھی۔ دوسرے گواہ بھی دوسرے بالا خانے میں تھے۔ جہاں زیاد تھا اور جب سوال جواب ہوئے تو اُن کی گواہی بھی شک کی قرار دی گئی اور اُن کو اُلٹا سزا ملی اور جناب عمرؓ نے جناب مغیرہؓ کو زنا کے الزام سے بری الذمہ قرار دے دیا۔

زیادؓ زیاد کے باپ کے معاملات مشکوک تھے۔ آپ کی ماں طائف میں رہتی تھی۔ زمانہ جاہلیت میں بڑے

بڑے لوگ اُس کے پاس آتے تھے اور اس طرح زیاد پیدا ہوا۔ لیکن جب طائف کے لوگ مسلمان ہوئے تو زیاد بھی مسلمان ہو گیا۔ پڑھا لکھا تھا۔ اور کافی ذہین بھی تھا۔ اس لئے بصرہ کے گورنر کا ردیف یا میر منشی مقرر ہوا۔ یعنی اسلام میں انسان کا ذاتی کردار دیکھا جاتا ہے نہ کہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ اُس کا باپ کون ہے۔ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ بھی زیاد کی ذہانت سے متاثر ہوئے اور آگے جناب علیؓ بھی زیاد پر بڑا بھروسہ کرتے تھے۔ جناب علیؓ کی وفات کے بعد جناب معاویہؓ نے زیاد کی خدمات سے فائدہ اٹھایا بلکہ اُس کو اپنا بھائی بنا دیا کہ اُس کی شکل جناب ابوسفیانؓ سے ملتی تھی۔ چنانچہ زیادؓ ابن ابی کی بجائے آخری زمانے میں زیادؓ بن ابوسفیانؓ کے نام سے مشہور ہوا۔ زیادؓ اور اُس کے بیٹے عبید اللہ کا ذکر آگے آئے گا۔ یہی عبید اللہ یزید کی طرف سے کوفہ کا گورنر تھا، اور واقعہ کربلا کا ذمہ دار بنا۔

مغیرہ بن شعبہ

جناب مغیرہ بن شعبہ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ جلال مصطفیٰ، کتاب اول اور اس کتاب کے پہلے باب میں بھی آپ کا ذکر ہو چکا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے آخری سالوں میں جناب مغیرہ بن شعبہ کو کوفہ کا عامل مقرر کیا کہ کسی سخت شخص کی ضرورت تھی تاکہ وہاں کے حالات ٹھیک کرے۔ جناب مغیرہ بن شعبہ خاندان میں سب سے پہلے اسلام لائے تھے۔ جناب عروہ بن مسعود اور جناب ابوعبید ثقفی شہید ایران آپ کے چچا تھے۔ اور جناب مغیرہ بن شعبہ کو سیاسی اور فوجی لحاظ سے جناب عمرو بن عاص کے پایہ کی شخصیت قرار دیا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے یہ بھی وصیت کی کہ اگر ممکن ہو سکے تو ان کے مقرر کردہ عاملوں کو کم از کم ایک سال ان کے عہدوں پر برقرار رکھا جائے۔ حضرت عثمانؓ نے ایک سال تک جناب مغیرہ کو کوفہ میں عامل رکھا لیکن اہل کوفہ شکایات پر شکایات بھیجتے تھے۔ گو بیچ میں بات کوئی نہیں ہوتی تھی۔ اس لئے حضرت عثمانؓ نے ایک سال بعد

جناب مغیرہ کو کوفہ کی عملداری سے سبکدوش کر دیا۔

جناب سعد بن ابی وقاص

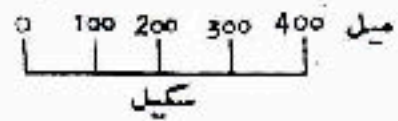
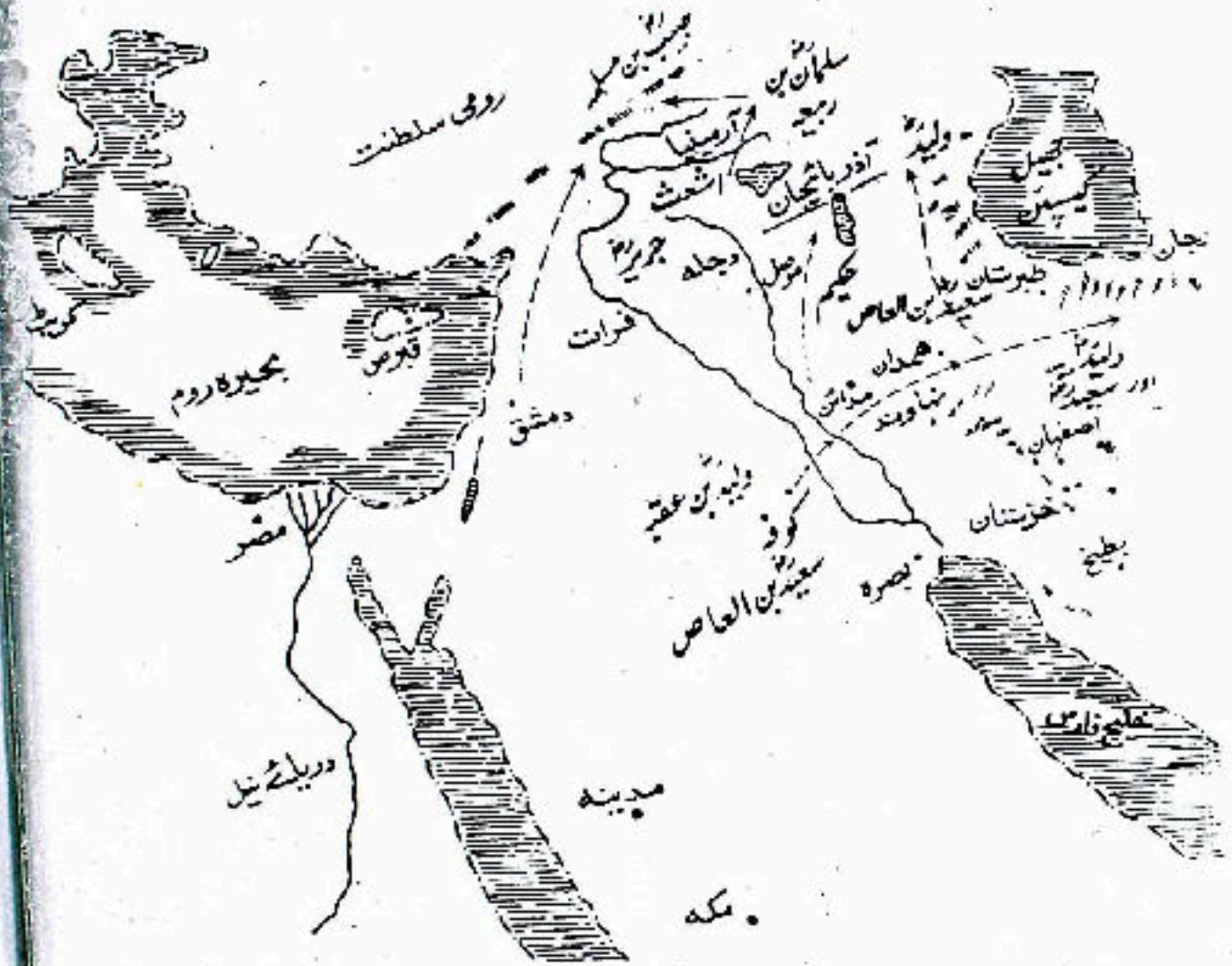
حضرت عثمانؓ کی نظر جناب سعد بن ابی وقاص پر پڑی اور ان کی عظمت اور تجربہ کو ذہن میں رکھتے ہوئے ان کو کوفہ کا عامل مقرر کر دیا۔ وہاں پر مالیات کا محکمہ ایک در عظیم صحابی جناب عبداللہ بن مسعود کے پاس تھا۔ لیکن قارئین یہ سن کر حیران ہوں گے کہ اہل کوفہ نے ان دونوں عظیم صحابہؓ کے درمیان اختلافات پیدا کر دیئے۔ نظامت بھی کچھ عجیب سلسلہ ہے۔ جناب سعدؓ فوجی سپہ سالار بھی تھے اور گورنر ہوتے ہوئے سیاسی معاملات بھی آپ کے سپرد تھے اس سلسلہ میں جناب سعدؓ کو کچھ فالتو رقم خرچ کرنا پڑتی تھی۔ کچھ لوگوں کو رقم دلوانی کہ کوئی سیاسی یا فوجی ضرورت تھی۔ جناب عبداللہؓ نے یہ تمام رقم جناب سعدؓ کے کھاتے میں ڈال دی اور تنخواہ سے کاٹنے کی سنار شس کی۔ جناب سعدؓ نے اختلاف کیا اور معاملات اسلام کے مرکز کو بھیج دیئے گئے۔ وہاں پر طرفین نے اپنی اپنی رائے پیش کی۔ جناب عبداللہؓ بن مسعود فقیہ تھے اور جناب سعدؓ سپاہی تھے۔ مقدمات میں فقہا کی رائے زیادہ وزنی ہوتی ہے۔ چنانچہ فیصلہ جناب عبداللہؓ کی رائے کے مطابق ہوا۔ جناب سعدؓ کو یہ بات منظور نہ تھی تو آپ نے استعفیٰ دے دیا۔ کچھ موزنین نے یہ الفاظ لکھے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کو مجبوراً جناب سعدؓ کو سبکدوش کرنا پڑا۔ بہر حال بات ایک ہی ہے۔ نہ تو جناب سعدؓ اور نہ ہی جناب عبداللہؓ میں سے کوئی ایک بھی جناب عثمانؓ کا رشتہ دار تھا۔ اس لئے سازش والے یہاں پر کوئی جانبداری کا الزام نہ پیدا کر سکے۔ تردن اولیٰ کے مسلمانوں کی یہ شان تھی کہ۔ ان کا ظاہر و باطن ایک تھا۔ اور وہ اسول کو نہ توڑتے تھے۔ اسی میں ان کی عظمت تھی۔ ہم نے اس کو تفرقہ بنایا۔

دلید بن عقبہ

بہر حال جناب سعدؓ کے کوفہ کی گورنری کو چھوڑنے کے بعد دلید بن عقبہ کو کوفہ میں

نقشہ یازدہم - کوڑکے محاذ کی ذمہ داری کا علاقہ

اور طبرستان و آذربائیجان



عامل مقرر کیا گیا۔ جناب ولیدؓ اس سے پہلے جزیرہ کے علاقے میں عامل تھے اور آپ کو وہاں پر جناب عمر فاروقؓ نے متعین کیا تھا۔ اس سے پہلے جناب سدیق اکبرؓ کے زمانے میں آپ ہی نے جناب خالدؓ اور جناب عیاضؓ بن غنم میں رابطہ قائم کر دیا۔ علاوہ اس بات کا مختصر ذکر دوسری کتاب میں ہو چکا ہے، کہ آپؓ بھی جناب عیاضؓ بن غنم کے ساتھ تھے۔ اور ان کی وفات کے بعد جزیرہ کے سارا علاقہ آپ کی عملداری میں تھا۔ آپ جناب عثمانؓ کے اخیالی بھائی تھے اور کوفہ میں جناب عثمانؓ کی ایسے آدمی کو مقرر کرنا چاہتے تھے جس پر وہ مکمل بھروسہ کر سکیں۔

اب بدقسمتی یہ تھی کہ ولیدؓ کا باپ عقبہ بن ابی معیط کافر تھا اور جنگ بدر میں باقی کافروں کے ساتھ پکڑا گیا تھا۔ عقبہ نے مسلمانوں پر بڑے ظلم کئے تھے اور ابن اسحق کے مطابق عقبہ کے پکڑے جانے کے بعد اُس کا سر قلم کیا گیا۔ کہ یہ تو وہی آدمی تھا، جس نے اُس وقت حنور پاکؓ پر اوجھ پھینکا، جب آپ سجدے میں تھے۔ یہی آدمی مدینہ میں یہودیوں کے ساتھ ملاپ کر کے حضور پاکؓ سے آکر سوال پوچھتا تھا۔ اور مسلمان اس کو کفار کا شیطان کہتے تھے۔ ویسے یہی روایت ہے کہ عقبہ جنگ بدر میں مارا گیا تھا۔ باپ کے مارے جانے کے بعد ولیدؓ مسلمان ہو گیا تھا۔ اور جہاد میں نہ صرف شرکت کرتا رہا بلکہ بڑا نام پیدا کیا اور حضرت عمرؓ آپ کے ساتھ بہت خوش تھے۔ کوفہ والوں نے بھی پانچ سال جناب ولیدؓ کے ساتھ اچھی طرح گزارنے کے بعد اُنکے خلاف طرح طرح کی کہانیاں گھڑ لیں کہ حنور پاکؓ نے ولیدؓ سمیت عقبہ کی تمام اولاد کو در بدر کر دیا تاکہ ان کا تعلق اس میں کوئی چھائی نہ تھی۔ باپ کے گناہ کی وجہ سے اولاد کو کیسے سزا دی جاتی۔ ان رشتہ والی بات ٹھیک تھی کہ آپؓ نہ صرف جناب عثمانؓ کے اخیالی بھائی تھے بلکہ خاندان امیہ میں سے بھی تھے۔ تو ہم نے اگلے صفحہ پر نبو امیہ کا شجرہ و مناجت کے ساتھ دیکھے کہ رشتہ والی بات آسانی سے سمجھ آ جائے۔ لیکن رشتہ والے معاملات لمبے چوڑے تھے۔ ولیدؓ کی ایک بہن کی شادی جناب عبدالرحمنؓ بن عوف کے ساتھ بھی ہوئی تھی۔ جناب عبدالرحمنؓ بن عوف، حضرت عثمانؓ کے ہم زلف بھی تھے، کہ دونوں کی شادیاں شیبہ کی بیٹیوں کے ساتھ ہوئی تھیں۔ یہ وہی شیبہ تھا جو جنگ بدر میں مارا گیا تھا۔ اس لئے رشتہ میں تو سب ایک دوسرے کے رشتہ دار تھے لیکن کفر اور اسلام کی لڑائی میں سب رشتے ختم ہو جاتے تھے۔

کہتے ہیں کہ حضور پاکؐ کی وفات کے بعد حکم اسلام لے آیا لیکن حکم کے اسلام والی بات مشکوک ہے اس کا بیٹا مروان مسلمان ہوا اور جناب عثمان رضی اللہ عنہ کے ردیف کا کام کیا۔ دوسرا چچا سعید حالت کفر میں گیا۔ اُنکے بیٹے جناب خالدؓ اور جناب عسبرؓ اولین مسلمانوں میں ہیں، اور حصہ دوم میں اُن کا کثرت سے ذکر ہے۔ جناب خالد کے دو بھائی العاص اور عبیدہ حالت کفر میں جنگ بدر میں مارے گئے۔ العاص کا نوجوان بیٹا سعید رضی اللہ عنہ لے آیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری سالوں میں کوفہ کا گورنر بنا۔ ولید کا باپ عقبہ بھی جنگ بدر میں حالت کفر میں مارا گیا۔

ابوسفیان رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے والد کے چچیرے بھائی تھے۔ آپ اسلام لے آئے۔ اور آپ کے دو بیٹے جناب معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید رضی اللہ عنہ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ جناب یزید رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زلمنے میں طاعون کی وبا میں شام میں وفات پا گئے۔

امیہ کا ایک بھائی ربیعہ تھا جس کے بیٹے عقبہ اور شیبہ۔ اور عقبہ کا بیٹا ولید جنگ بدر میں مارے گئے تھے۔ عقبہ کے بیٹے جناب ابوحنظلیہ رضی اللہ عنہ اولین اسلام لانے والے ہیں اور جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔ عبد شمس کے بھائی حضور پاکؐ کے پردادا جناب ہاشم تھے۔ اور دونوں عبد مناف کے بیٹے تھے۔ عبد مناف قحطی کے بیٹے تھے۔

ولید بن عقبہ کی جہاد میں مصروفیت

جناب عثمانؓ نے جیسے ہی خلافت سنبھالی اُس زمانے میں ملک شام میں قیصر روم کی طرف سے کچھ خطرہ پیدا ہو چکا تھا۔ اس کا ذکر پچھلے باب میں ہو چکا ہے۔ چنانچہ خلیفہ سوم نے ولید بن عقبہ کو حکم دیا کہ وہ جناب معاویہؓ کی امداد کے لئے اُس طرف کوچ کریں۔ روایت ہے کہ جناب ولید نے سلمان بن ربیعہ کو جیش المقدم کے طور پر آگے بھیجا اور اُس کے بعد آپ خود ایک لشکر جہاد لے کر آذربائیجان کی طرف روانہ ہو گئے۔ دراصل یہ علاقے حضرت عمرؓ کے زمانے میں جناب حذیفہ بن الیمانؓ نے فتح کیے تھے اور اس کا ذکر دوسری کتاب میں ہو چکا ہے۔ کہ وہاں کے لوگوں نے سالانہ آٹھ لاکھ درہم خراج دینے پر صلح کر لی تھی۔ لیکن اب خراج دینا بھی بند کر دیا۔ جناب ولید جب آذربائیجان پہنچے تو مدینہ شریف سے حکم ملا کہ سلمان بن ربیعہ کو تو حبیب بن مسلمہ کے ساتھ آرمینیا کی طرف پیش قدمی کرنے دیں اور خود باقی علاقوں سے بغاوت فرود کریں۔

آپ نے ایک لشکر عبداللہ بن شیبیل الحمسی کے ماتحت آگے بھیجا جس نے لوقان، البیر اور طلیسان پر قبضہ کر لیا، تو پھر لوگوں نے صلح کی عرض کی اور حسب وعدہ آٹھ لاکھ درہم خراج ادا کر دیا۔ ویسے جناب ولید اکثر بغاوتوں کو فرو کرنے یا جہاد کے لئے کوفہ سے باہر رہتے تھے۔

غلاوہ سلمان بن ربیعہ کے دوسرے بھائی عبدالرحمنؓ، ولید کے احکامات کے تحت اسی علاقہ میں جہاد میں مصروف تھے اور ترکوں کے ساتھ جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ ظاہر ہے کہ جناب ولید بن عقبہ پانچ سال تک کوفہ کے عامل رہے اور وہ خود اکثر سرحدوں پر جہاد میں جاتے رہتے تھے۔ ان کی فوج کا ایک بڑا حصہ ویسے بھی سرحدوں پر جہاد میں مصروف تھا۔ اور جب سرحدوں پر امن بحال ہو گیا تو جناب ولید واپس کوفہ آگئے۔ لوگ ان کے ساتھ بڑے خوش تھے کہ انہوں نے اپنے دروازے پر کوئی دربان مقرر نہ کیا اور ہر قسم کے لوگ کسی روک ٹوک کے بغیر ان کے پاس آتے جاتے رہتے تھے۔

لیکن انسان کسی حالت میں خوش نہیں رہتا۔ اُس کو جتنی سہولت ملتی جائے، اُس کی خواہشات بڑھتی رہتی ہیں۔ اور فتنہ والے تو ویسے بھی ہر جگہ موجود رہتے ہیں۔ اور موقع کی تلاش میں ہوتے ہیں۔ اور جیسے موقع ملے وہ سزات کر دیتے ہیں۔

فتنہ کی بنیاد

کوفہ میں فتنہ کی بنیاد چند مفسدوں نے باندھی۔ کہ انہوں نے ایک نوجوان ابو حلیمان فراعی کو شہید کر دیا۔ ان مفسدوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس اطلاع بھیجی گئی، کہ مفسدین نے برسبرام قتل کیا ہے۔ اسلامی سلطنت میں یہ اپنی قسم کا پہلا واقعہ تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ تمام مفسدین کو قتل کر دیا جائے۔ مفسدین کی تعداد نہیں بتائی گئی اور صرف چار اشخاص کے نام دیئے ہیں۔ لیکن وہ لوگ کوفہ کے گرد و نواح کے باشندے تھے اور ابن حلیمان دور کے علاقے کے تھے پس نسلی اور علاقائی تعصب کو ہوا دینے کے لئے سازشی آگے آگے۔ قتل کے سلسلہ میں تو کچھ کہہ نہ سکتے تھے کہ صحیح بات تھی۔ لیکن جناب ولید بن عقبہ کے خلاف بہتان تراشیوں اور الزامات کی بھرمار کر دی۔ جس زمانے میں جناب ولید بن جزیرہ میں عامل تھے تو وہاں پر آپ کی بنو تغلب کے ایک شاعر کے ساتھ ملاقات ہو گئی۔ اُس کا نام ابو زبید تھا اور نصرانی تھا۔ شراب کا سخت رسیا تھا۔ وہ ظاہراً اسلام تو لے آیا۔ لیکن شراب پینے سے باز نہ آتا تھا۔ گویہ کام چوری چھپے کرتا تھا۔ اب ابو زبید بھی کوفہ آ گیا اور جناب ولید کے ہاں جانا شروع کر دیا۔ دوستی کی وجہ سے جناب ولید نے ابو زبید کو اپنے گھر ٹھہرایا۔ اس پر لوگوں نے جناب ولید پر بھی تہمت لگادی کہ دونوں مل کر شراب پیتے ہیں اور یہ دوستی شراب کی وجہ سے ہے۔ پھر ایک دن ایک مفسد نے جناب ولید کے گھر میں داخل ہو کر ان کی مہر چوری کر لی اور مشہور کر دیا کہ وہ تو اپنی مہر کی بھی حفاظت نہیں کر سکتے جناب عبداللہ بن سوہب بھی ادھر ہی تھے تو مفسدین نے جناب عبداللہ کے سامنے جناب ولید کی ایسی

کردار کشی کی کہ جناب عبداللہ بن مسعود نے بھی بات مان لی اور ولیدؓ سے پوچھ لیا۔ بلکہ بات چیت میں اتنی بد مزگی پیدا ہو گئی کہ دونوں کے درمیان تو تو میں میں کی فوجت آگئی۔

شراب نوشی کا الزام

لیکن سازشیوں نے صرف اسی پر اکتفا نہ کی۔ وہ مدینہ پہنچ گئے اور جناب عثمانؓ کے سامنے چار گواہ پیش ہو گئے کہ جناب ولیدؓ شراب پیتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ جناب ولیدؓ کے ظاہر شراب پینے کو ثابت کرنا تو مشکل تھا۔ ان لوگوں نے کہا کہ انہوں نے جناب ولیدؓ کو قے کرتے دیکھا اور یہ تے شراب کی تھی۔ یہ مقدمہ اپنی قسم کا آپ تھا کہ شراب کی قے وہی کر سکتا ہے جس نے شراب پی ہو۔ سازش کرنے والوں میں تو جناب ابو خثعمہ غفاری، اور حثامہ بن صعب وغیرہ شامل تھے۔ جناب کالزکان لوگوں میں شامل تھا جنہوں نے ایک بے گناہ کو قتل کیا تھا اور اُس کے بعد اُس کو قتل کی سزا مل گئی تھی۔ اسی طرح باقی سازش میں شمولیت والے بھی زیادہ تر ان لوگوں کے رشتہ دار تھے، جنہوں نے قتل کیا تھا کہ گواہوں میں ابو زینب اور ابو مورع بھی شامل تھے جن کے لڑکوں نے قتل کیا تھا اور سزا پا چکے تھے۔

مقدمے کا فیصلہ

مورغین میں اختلاف ہے، کہ اس مقدمے کا فیصلہ حضرت عثمانؓ نے خود کیا یا اس کے قاضی حضرت علیؓ نے تھے۔ اکثر مورغین کی رائے یہ ہے کہ حضرت علیؓ ہی قاضی تھے یا ان سے مشورہ ضرور کیا گیا اور ولیدؓ کو چالیس کوڑوں کی سزا دی گئی روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ حضورؐ پاکؑ جناب ابو بکر صدیقؓ رضی اللہ عنہما ایسے جرم میں صرف چالیس کوڑوں کی سزا دیتے تھے۔ اور جناب فاروقؓ نے بعض دفعہ جرم سخت ہونے کی وجہ سے اتنی کوڑوں کی سزا بھی دی اور وہ بھی ٹھیک تھا۔ لیکن جناب علیؓ نے اس سلسلے میں حضورؐ پاکؑ کی سنت کی پیروی کی اور صرف چالیس کوڑوں کی سزا دی۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت علی رضی نے کوڑے مارنے کے لئے حضرت امام حسنؓ کو بلا بھیجا۔ لیکن وہ معذرت کر گئے اور کوڑے جناب عبداللہؓ بن جعفر طیار رضی نے مارے۔ ایک راوی نے ذکر کیا کہ جناب سعیدؓ بن العاصؓ کوڑے مارے کہ وہ بھی بنو امیہ کے خاندان سے تھے اور ان کو جناب ولیدؓ کی جگہ کوڑے کا گورنر مقرر کیا گیا تھا۔ مسلمانوں میں یہ بھی رواج تھا کہ جب اپنا کوئی شخص گناہ کرتا تو اس کو خود سزا دی جاتی تھی یا سزا دیکھی جاتی تھی۔ حضرت عمرؓ اپنے بیٹے کو کوڑوں کی سزا اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے۔ اور جب کسی کو اس دنیا میں اپنے گناہ کی سزا ملنے جانے تو وہ آخرت میں سزا سے بچ جاتا ہے۔ یہ اسلامی فلسفہ حیات ہے اور کسی کے سزا ملنے کے بعد اس کی عیب جوئی نہیں کرنی چاہیے۔ وہ ہم سے بہتر تھا کہ سزا یہاں مل گئی۔ ہم اپنے گناہوں پر پردے ڈالے پھرتے ہیں۔ یہاں بھی اللہ کے چور اور آخرت میں بھی زیادہ سزا کے منتظر ہیں۔

تبصرہ۔۔۔ یہاں چند تبصرے ضروری ہیں کہ شراب کی بوتلیں میں آئی تو ایک گورنر کو نہ صرف اپنے عہدہ سے معزول کر دیا گیا۔ بلکہ اس کو کوڑے بھی لگے اور یہاں ہمارے ملک کا ایک سربراہ کھلم کھلا اعلان کرتا تھا کہ وہ شراب پیتا ہے۔ لوگوں کا خون نہیں پیتا تو عوام پاکستان زندہ باد اور سربراہ ملک زندہ باد کے نعرے لگاتے تھے۔ کیا ہم نے اسی لئے پاکستان بنایا تھا؟ تو اس طرح تو یزید بن معاویہؓ بھی شراب ہی پیتا تھا اور لوگ آج بھی کسی ایسے ہی شخص کو منتخب کرنے کو تیار ہیں۔ راقم پر بھی یہ الزام لگ سکتا ہے کہ وہ اس زمانے میں کیوں خاموش رہا۔ خدا کے فضل سے راقم نے ایوب ہال میں چھ سوافیروں کے سامنے اس سربراہ ملک کے منہ پر یہ باتیں کہیں جن کو آج اس کتاب کا حصہ بنایا جا رہا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ پر قرابت داری کا الزام لگانے والے بھی سوچیں کہ انہوں نے اپنے قرابت دار کو نہ صرف گورنر کے عہدہ سے معزول کیا بلکہ برسر عام کوڑے لگوائے کیا اس سے بہتر انصاف کی مثال مل سکتی ہے؟ کیا حضرت عثمانؓ رضی جنہوں نے ولیدؓ کے ساتھ ایسا کیا وہ باقی لوگوں کے ساتھ بھی اسی طرح نہ کرتے؟ تیسرا پہلو یہ ہے کہ حضرت علی رضی نے

فقہ میں لچک کو بیان کر دیا کہ شرابی کو کوڑے لگ سکتے ہیں۔ وہ زیادہ بھی ہو سکتے ہیں اور کم بھی۔
دینِ فطرت کا کوئی مقابلہ نہیں۔ ہر سوال کا جواب حضور پاک کے عظیم رفقاء کے اعمال و اقوال
میں ملتا ہے۔ صرف ڈھونڈنے کی ضرورت ہے اور صرف اپنے قلم میں پاکیزگی ہونی چاہیے۔

۷۔ تو اپنی سرنوشت اب اپنے قلم سے لکھ
سعید بن العاص
خالی رکھی ہے خامیہ حق نے تری جبین۔ (اقبال)

حضرت عثمان نے جناب ولیدؓ کی جگہ جناب سعید بن العاص کو کوفہ کا گورنر بنایا۔ آپ کا تعلق
بھی امیہ خاندان سے تھا۔ آپ کی پرورش آپ کے چچا اور عظیم صحابی جناب خالد بن سعید نے
کی تھی۔ جناب سعید کے والد العاصؓ حالت کفر میں بدر میں مارے گئے تھے۔ جناب سعید اُس
وقت بچے تھے اور اپنے مسلمان چچاؤں خالد بن سعید اور عمر بن سعید کی پرورش میں رہے۔
جناب عمر بن سعید جنگِ اجنادین میں شہید ہوئے۔ اور جناب خالد بن سعید جنگِ بدر
کے بعد شام کی ایک جھڑپ میں مرج الصفر کے پاس شہید ہو گئے تھے۔

جناب عمر نے جناب سعید کی شادی سفیان بن عوف کی بیٹی سے کرائی سفیان شہید ہو گئے
اور ان کی چار بیٹیاں رہ گئی تھیں۔ جناب عبدالرحمن بن عوف نے بھی جناب سفیانؓ کی ایک
بیٹی کے ساتھ شادی کی تو وہ جناب سعید کے ہم زلف بن گئے۔ جناب سعید نے دوسری شادی
جناب مسعود بن نعیم کی بیٹی کے ساتھ کی ہوئی تھی اور مشہور صحابی جناب جبیر بن معتم بھی ان
کے ہم زلف تھے۔

یہ سب واقعات بیان کرنے اور تفصیل میں جانے کا مقصد یہ ہے کہ جناب عثمانؓ پر
یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ ولیدؓ کے بعد بھی انہوں نے اپنے ایک رشتہ دار کو کوفہ کا گورنر مقرر
کیا۔ جناب عثمانؓ کے جناب سعید کے ساتھ رشتہ داری یہ تھی کہ حضرت عثمانؓ کے دادا جنانہ

۱۔ جلال مصطفیٰ صفحہ ۲۸۲ اور ۲۹۰ جنگ بدر میں حالت کفر میں دو العاص مارے گئے دوسرا حضرت عمرؓ
کا ماموں تھا جو ان کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔ یہ اس لئے لکھ دیا کہ شک نہ رہے۔

کے پروردار تھے۔ لیکن ہم نے جناب سعیدؓ کے باقی رشتہ داروں کا ذکر بھی کر دیا ہے، کہ جناب سعید بن العاص کے نہ صرف بہت زیادہ رشتہ دار تھے، بلکہ آپ کے دد چچا اللہ کے رشتے میں شہید ہوئے۔ اور حضرت عمرؓ، جناب سعیدؓ کو بہت پسند کرتے تھے۔

جناب سعید بن العاص کی جہاد پر روانگی

جناب سعیدؓ نے حضرت عثمانؓ کی خلافت کے ساتویں سال امارت سنبھالی یعنی تقریباً ۳۰ ہجری میں کوفہ کے عامل بنے اور انہی دنوں میں طبرستان کے علاقے میں جہاد کے لئے روانہ ہو گئے۔ ایران اور عراق کے علاقے کی جنگوں کو طبری نے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور خاص کر طبرستان تو ان کا اپنا علاقہ تھا لیکن ایک واقعہ کو تین یا چار دفعہ مختلف زاویوں کی زبان سے اس طرح سے بیان کیا گیا ہے کہ انسان بھول بھلیوں میں پڑ جاتا ہے۔ نقشوں کا استعمال تو خیر اُس زمانے میں بالکل نہ تھا۔ لیکن فاصلوں کا بھی بارکل ذکر نہیں ملتا۔ طبرستان کے مشرق میں ساتھ ہی خراسان کا علاقہ جو بصرہ کے عامل کے ماتحت تھا اور کسی مورخ نے واضح نہیں کیا کہ مغرب میں شام اور کوفہ کے علاقوں کی درمیانی حد کون سی تھی اور مشرق میں بصرہ اور کوفہ کے علاقوں کی درمیانی حد کیا تھی۔ اس لئے نقشہ یازدہم اور دوازدہم کا پھر مطالعہ کریں، تو حدود کا کچھ خاکہ ذہن میں بیٹھ جائے گا۔ نقشہ یازدہم میں کوفہ کے محاذ پر پہلے ولید بن عقبہ کے زمانے میں آرمینیا کی کارروائی اور بعد میں جناب سعید بن العاص کے زمانے میں جرجان اور طبرستان کی کارروائی دکھائی گئی ہے۔ اگلے باب میں نقشہ دوازدہم میں بصرہ کا محاذ دکھایا گیا ہے۔ یہ دونوں نقشے اس طرح بنائے گئے ہیں کہ درمیانی علاقے دونوں نقشوں میں موجود ہیں کہ دونوں کی حدود کا خاکہ سمجھ میں آجائے۔

جناب سعیدؓ نے جب کوفہ کی امارت سنبھالی تو وہ لوگ جنہوں نے جناب ولیدؓ کے خلاف الزام لگائے تھے، واپس کوفہ آگئے ان میں ابو خشبہ الغفاری، جنذب اور صعب کے نام آتے ہیں لیکن ساتھ اشتر کا بھی پہلی دفعہ ذکر آتا ہے کہ وہ بھی فسادوں کے ساتھ کچھ تعلق رکھتا تھا۔ اب یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ یہ لوگ واقعی کسی سازش میں شریک تھے یا نہیں۔ ممکن ہے کہ انہوں نے یہ سب کچھ نادانی کی وجہ سے کیا ہو کہ ان کے لڑکے جو قتل میں شریک تھے اور

اُن کو سزا مل گئی تو اُس وجہ سے وہ لوگ اپنے دل کے پھپھولے پھوڑ رہے تھے۔
 جناب سعیدؓ جب کوفہ پہنچے تو انہوں نے تمام لوگوں کو خطبہ دیا اور سمجھایا کہ وہ لوگ
 اسلامی اخوت قائم رکھیں اور جہالت کے زمانے والی باتوں کی طرف واپس نہ جائیں لیکن حالات
 خراب ہو چکے تھے۔ جناب سعیدؓ چند دن میں ہی حالات کو بھانپ گئے اور جناب عثمانؓ کو لکھا
 کہ کوفہ کا نظام درہم برہم ہو چکا ہے۔ اہل شرف و سابقین اسلام "مغلوب" ہو چکے ہیں۔ اور نئی
 پود کوفہ کے بازاروں میں دندناقی پھرتی ہے۔ البتہ طبرستان کے علاقے میں کچھ بغاوت ہو
 چکی ہے اور میں ایک لشکر لے کر وہاں جا رہا ہوں۔ ممکن ہے جہاد پر جانے کے بعد یہ لوگ
 کسی شغل میں مصروف ہو جائیں۔ جناب سعیدؓ نے حضرت عثمانؓ کو مدینہ سے نیک کردار
 والے لوگوں کی کمک بھیجنے کی گزارش کی۔

مدینہ سے کمک

جناب عثمانؓ نے جناب سعیدؓ کو لکھا کہ وہ کوفہ کے حالات کو ٹھیک کرنے کی کوشش
 کریں۔ اور بصرہ کا عامل بھی اگلی حدود پر جہاد کے لئے پیش قدمی کرنے والا ہے۔ آگے
 دونوں لشکر ایک دوسرے کے ساتھ رابطہ رکھیں۔ حضرت عثمانؓ نے کن کن صحابہ کرامؓ کو
 سعیدؓ کی مدد کے لئے بھیجا اور کون پہلے سے وہاں موجود تھے اس سلسلے میں مورخین خاموش
 ہیں۔ وہ صرف قعقاع بن عمروؓ کا ذکر کرتے ہیں کہ وہاں موجود تھے۔ لیکن جو صحابہ کرامؓ جناب
 سعیدؓ کے ساتھ جہاد میں شریک ہوئے اُن کا ذکر موجود ہے۔ چند اسمائے گرامی یہ ہیں جناب
 امام حسنؓ، جناب امام حسینؓ، جناب سلمان فارسیؓ، جناب ابو ہریرہؓ، جناب عبداللہ بن
 عمرؓ، جناب عبداللہ بن زبیرؓ، جناب عبداللہ بن عمروؓ بن عامر اور جناب خدیفہ بن ایمنؓ۔
 خراسان کا علاقہ بھی ساتھ تھا اور وہاں نیشاپور کے علاقے تک بصرہ کے محاذ سے مجاہدین پہنچ گئے
 جن کا ذکر اگلے باب میں ہوگا۔ یہ اس لئے جناب سعیدؓ بن العاص نے اپنا تمام تر رزخ طبرستان کی
 طرف پھیر دیا۔

شمالی ایران میں جہاد

جناب خدیفہ بن ایمنؓ ان علاقوں سے واقف تھے اور حضرت عمرؓ کے زلمتے میں۔

انہوں نے یہاں پر کسی مقامات فتح کئے تھے ان کو جناب سعیدؓ نے قومس بھیجا جو انہوں نے جلد ہی فتح کر لیا۔ اور جناب سعیدؓ خود ایک لشکر لیکر جرجان پہنچ گئے جرجان کے حاکم نے دو لاکھ دینار سالانہ خراج دینا منظور کیا۔ اس کے بعد جناب سعیدؓ نے طمیسہ کا رخ کیا، طمیسہ دریا کے کنارے سرحد جرجان اور طبرستان پر ایک بڑا آباد شہر تھا۔ اور وہاں کے لوگ مقابلہ کے لئے باہر نکل آئے۔ سخت خونریز جنگ ہوئی لیکن کھلے میدان میں ایرانی مسلمانوں کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے۔ جناب سعیدؓ خود صف اول میں تھے اور چند مجاہدین کو لے کر وہاں پہنچ گئے۔ جہاں طمیسہ کا والی کھڑا تھا۔ جناب سعیدؓ نے طمیسہ کے والی پر اتنا سخت وار کیا کہ اُس کی زرہ بھی کٹ گئی اور تلوار پاؤں تک پہنچ گئی۔ اب ایرانیوں کے قدم اکھڑ گئے اور کھلے میدان میں بُری طرح مار کھانے کے بعد اہل طمیسہ نے بھاگ کر اپنے قلعہ میں پناہ لے لی۔ مسلمانوں نے محاصرہ کر لیا جو کسی ماہ تک جاری رہا۔ مسلمانوں کے پاس اس وقت بڑی اعلیٰ قسم کی منجیقیں بھی تھیں۔ چنانچہ ہر جگہ سے ان منجیقوں کو اکٹھا کیا گیا اور اس زور سے سنگ باری کی گئی کہ اہل شہر بوکھلا گئے اور مسلمانوں کے سامنے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیئے۔

طمیسہ سے فارغ ہونے کے بعد جناب سعیدؓ نے فامند کے صحرائی علاقوں کو بھی فتح کیا۔ پھر قومس پہنچ کر اہل جرجان کے ساتھ امن کا سمجھوتہ کر لیا اور تمام لوگوں نے مسلمانوں کی اطاعت کرنی۔ لیکن جناب سعیدؓ ادھر ہی ٹھہر گئے تاکہ حالات کا مزید مطالعہ کر سکیں۔

قازمین کو یاد ہو گا، کہ جناب ولیدؓ بن عقبہ نے آذربائیجان کے علاقے میں جناب سلمانؓ بن ریحہ کو متعین کیا تھا، اور ان دونوں بھائیوں سلمانؓ اور عبدالرحمنؓ کی کارروائیوں کا ذکر ہو چکا ہے۔ کہ انہوں نے آگے بڑھ کر آرمینیا کی فتح میں جناب حبیبؓ بن مسلمہ کا ہاتھ بٹایا تھا۔ اُس زمانے میں شام کے لشکر قبرص یا اناطولیہ کے ساحل کی طرف زیادہ مصروف تھے۔ اس لئے آرمینیا اور آذربائیجان کی سرحد پر پھر کچھ بغاوت ہو گئی۔ جناب سعیدؓ نے جناب خدیفہؓ بن ایمنان کو پھر اُس علاقے میں باغیوں کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ بلکہ مورخین نے دو لشکروں کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے، کہ جناب ابوہریرہؓ اور جناب سلمانؓ ناری بھی ان لشکروں میں شامل تھے، یا ایک لشکر کی سربراہی بھی ان دو صحابہ میں سے کسی ایک کے سپرد تھی۔ مسلمانوں نے مل کر بغاوت تو فرو کر دی۔ لیکن زدا

ہے، کہ کوڑے کے لشکر اور شام کے لشکر والوں کے درمیان کچھ تو تو میں میں ہو گئی۔ یہ نادانی کی وجہ سے یا دولت آجانے کے سبب سے تھا۔ اس بارے میں کوئی پکی رائے نہیں دی جاسکتی۔ ممکن ہے سازش ہر سطح پر کام کر رہی ہو۔ لیکن پھر بھی قصور ہمارا ہی ہے، کہ ہم ان سازشیوں کے کھلونے کیوں بنتے ہیں۔ محاذ پر یہ پہلی طبقاتی تفرقہ کی کہانی ہے۔

بلنجر کی لڑائی

اسی زمانے میں نجد پر بلنجر کی لڑائی ہوئی۔ وہ لسی جگہ تھی جہاں پر ترکستان کے ساتھ حدود ملتی تھیں۔ اس لڑائی کو سب مورخین بہت بڑی لڑائی کہتے ہیں، جس میں متعدد مسلمان شہید بھی ہوئے۔ کچھ صحابہ کرام رضہ بھی شہید ہوئے جن میں جناب یزید بن معاویہ نخعی، عمرو بن عتبہ اور منعمہ شیبانی قابل ذکر ہیں۔ بلکہ اسی جنگ میں جناب عبدالرحمن بن ابی بکر خود بھی شہید ہوئے اور ان کی لاش پر دشمن کا قبضہ ہو گیا۔ انہوں نے جہاں ان کو دفن کیا ہے وہاں ایک مزار بنایا گیا۔ اس جنگ میں بھی جناب ابوہریرہ اور جناب سلمان فارسی کی شرکت کا ذکر ہے۔

یہ موٹے موٹے حالات تھے، جو جناب سعید کو بغاوت فرو کرنے میں پیش آئے اور ان مقامات کا سرسری ذکر کر دیا گیا ہے، جہاں وہ خود گئے یا جہاں انہوں نے کوئی لشکر بھیجا۔ یہ تمام تر بڑی دلچسپ مہمات ہیں۔ لیکن اس علاقے کے مورخین نے ان مہمات کی تفصیل میں جانے کی کوشش نہ کی۔ بلا ذوری یا اصفہانی وغیرہ نے بھی اختلافی باتوں اور افسانوں پر زیادہ زور دیا۔ حالانکہ ان علاقوں کے مورخ، جو بعد کے زمانوں میں ہوئے اگر وہ لوگوں کی مدد سے پرانے زمانے کے حالات کی تفصیل میں جاتے، تو ہر شہر سے اس زمانے کی جنگوں کے کچھ حالات مل جاتے۔ جس طرح بعد کے مورخین نے مصر و افریقہ کے حالات کے جنگی پہلوؤں کو بہتر طور پر بیان کیا، لیکن میں ابن حکیم، مراکشی اور ابن خلدون خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

البتہ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ عظیم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خاص کر جناب امام حسن رضا اور امام حسینؑ کی شمولیت کے ذکر کے علاوہ اور کسی کارروائی کا ذکر نہیں ملتا۔ حضور پاکؐ کے نواسے جن کو آپ نے کندھوں پر اٹھایا۔ وہ جہاں جاتے ہوں گے لوگ محبت کا اظہار کرتے ہوں گے۔ اور آپؐ دونوں نے نہ صرف افریقہ اور کوفہ کے سبوں میں کام کیا، بلکہ آگے بصرہ کے اُس لشکر میں بھی شامل تھے جو شمالی وزیرستان میں آیا۔ کہ وہاں کٹریشنڈی کے مقام پر حسن مابانؑ برمکی کا ایک کتبہ ملا ہے جس پر درج ہے کہ یہاں دادی بویہ (بالائی ڈور) کے مقام پر اُن مشرکین کا ہمد کوارٹر تھا جن کے خلاف جہاد میں امام حسنؑ اور امام حسینؑ بھی شامل تھے۔

سعید بن العاص کی کوفہ واپسی

بغاوت فرو کرنے کے بعد جب ہر جگہ حالات ٹھیک ہو گئے تو جناب سعیدؓ کو کوفہ واپس آگئے۔ گو کافی مجاہدین سرحدوں پر ہی متعین رہے۔ جب تک مجاہدین سرحدوں پر رہتے یا جہاد میں مصروف رہتے تو حالات ٹھیک رہتے تھے۔ لیکن اب چھاؤنی میں واپسی ہو گئی اور محفلیں لگنا شروع ہو گئیں۔ جناب سعیدؓ کو از خود بھی ایسی محفلوں میں کوئی خامی نظر نہ آئی۔ لیکن یاد رہے کہ محفلیں کسی مقصد کے تحت جمائی جانی چاہئیں۔ بے مقصد محفلیں ایک دن اپنے بد اثرات لے آتی ہیں۔ اسلام کی محفلیں مسجد میں ہوتی ہیں گھر میں محفلوں کی ممانعت نہیں لیکن جب کوئی چیز حد سے تجاوز کر جاتی ہے تو پھر اس میں خرابیاں پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہیں۔

کوفہ کی محفلیں

جہاد سے واپس آنے کے بعد جناب سعیدؓ نے کوفہ کے لوگوں کے ساتھ بہتر تعلقات پیدا کرنے کی کوشش کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی ہدایات دے چکے تھے، کہ لوگوں کے ساتھ میل ملاپ

علاء خاندان عباسیہ کے زمانے میں حسن مابان برمکی وزیرستان کا گورنر تھا۔

کا سلسلہ جاری رکھا جائے۔ جناب سعید عام قسم کی محفلیں بھی لگاتے تھے جن کو آج کل کی زبان میں "دربار عام" کہہ لیں اور کچھ خاص قسم کے محفلیں بھی لگاتے تھے۔ اس مجلس کے شرکاء کے نام ابن خلدون نے تفصیل سے لکھے ہیں جن میں تقریباً ہر قبیلہ کے لوگ ہوتے تھے۔ یعنی سرزمین عرب سے قریش یا مہاجرین، انصار، بنو اسد بنو کعبہ وغیرہ کو ذکے گرد و نواح سے بنو کعبہ نخعی، ہمدانی وغیرہ ہوتے تھے رات کو بھٹنگرم ہوا کرتی۔ ہنسی مذاق اور لطیفہ گوئی کی باتیں شروع ہوتیں۔ پھر ہوتے ہوتے اس ہنسی مذاق نے طعن، تشنیع اور سخت کلامی کی صورت اختیار کر لی۔ اگر بات کو اسلامی فلسفہ حیات تک محدود رکھا جاتا۔ اور فلسفہ، اصول، یا نظریہ کی باتیں کی جاتیں، تو ٹھیک تھیں۔ لیکن جہاں طنز و طعن آئے وہاں مادیات اور ذاتیات کی باتیں بھی شروع ہو گئیں پھر قبائل کی برتری اور رقابت تک جا پہنچی۔ اور آخر ہاتھ پائی تک نوبت آئی۔ جناب سعیدؒ کے اعلیٰ پولیس افسر جناب عبدالرحمن نے بیچ بچاؤ کرنے کی کوشش کی۔ تو اشتر نخعی وغیرہ اس کو پکڑنے کے قبیلہ بنو اسد کا تھا۔ بہر حال اتنی خرابی پیدا ہوئی کہ جناب سعیدؒ نے یہ محفلیں لگانا بند کر دیں۔ اور یہ محفلیں گرد ہوں میں تبدیل ہو گئیں۔ اب ہر گروہ نے الگ الگ اپنی اپنی مجالس لگانا شروع کیں۔ جہاں پر ایک دوسرے اور حکومت کے خلاف بھی باتیں کی جاتیں ان باتوں کی تفصیل نالیوں باب میں ہے بہر حال حالات اتنے خراب ہو گئے کہ جناب سعیدؒ کے تابو بھرا ہو گئے۔ آپ مدینہ میں گئے کہ جناب عثمانؓ کو حالات سے باخبر کریں تو آپ کی غیر حاضری میں حالات اتنے خراب ہوئے کہ یزید بن قیس نے تو حکومت کے خلاف بغاوت کا اعلان کر دیا۔ جناب قعقاع بن عمرو نے حالات کو سنبھال دینا شروع کیا۔ لیکن جیسا کہ آگے ذکر آئے گا۔ جن اب بوتل سے باہر نکل چکا تھا۔ ہر آدمی مکمل آزاد تھا اور جو چاہتا تھا کرتا تھا۔ کوئی آدمی برسر بازار کھڑا ہو جاتا اور بغیر کسی وجہ کے حکومت کے خلاف بہتان تراشیاں شروع کر دیتا۔ جناب سعیدؒ حضرت عثمانؓ سے ہدایات لے کر واپس آئے کہ اہل کوفہ سے پوچھا جائے کہ وہ کیا چاہتے ہیں تو حضرت سعیدؒ کو کوفہ میں داخل بھی نہ ہونے دیا گیا۔ اور جرعہ کے مقام پر قادسیہ کے قریب ہی روک دیا گیا۔ بلکہ اتنی سخت کلامی ہوئی کہ جب جناب سعیدؒ کا غلام آگے سے بول پڑا تو اس کو قتل کر دیا گیا۔ باغیوں کا سردار تو یزید بن قیس ہی تھا۔ لیکن

ہے کہ جناب سعیدؓ کے غلام کو اشتر نخعی نے قتل کیا۔ جناب سعیدؓ نے پوچھا کہ آخر تم لوگ چاہتے کیا ہو؟ تو اہل کوفہ نے کہا کہ تمہاری جگہ جناب ابو موسیٰ اشعریؓ کو عامل بنایا جائے۔

جناب ابو موسیٰ اشعریؓ

جناب ابو موسیٰ اشعریؓ کا ذکر جلال مصطفیٰ میں بھی ہو چکا ہے اور پہلی کتاب میں اکثر ابواب میں آپ کا تذکرہ آیا ہے۔ حضرت عمرؓ کی وفات کے وقت آپ بصرہ کے عامل تھے اور جیسا کہ اگلے باب میں ذکر آئے گا کہ لوگوں کے کہنے پر جناب عثمانؓ نے جناب ابو موسیٰؓ کو سبکدوش کر کے وہاں جناب عبد اللہ بن عامر کو عامل مقرر کیا تھا۔ اب جناب سعیدؓ راستے سے ہی واپس چلے گئے اور حضرت عثمانؓ کو حالات سے آگاہ کیا۔ جناب عثمانؓ نے فرمایا یہ تو بڑی معمولی بات ہے انہوں نے جناب سعیدؓ کو سبکدوش کر دیا اور جناب ابو موسیٰؓ کو کوفہ کا عامل مقرر کر دیا۔ اور چند دنوں کے لئے حالات میں کچھ خاموشی آگئی۔ لیکن سازش اور فساد میں کوئی کمی نہ آئی۔ اور اس کا ذکر آخری تین ابواب میں ہو گا۔ اب جو لوگ حضرت عثمانؓ پر قربت داری کا الزام لگاتے ہیں، وہ سوچیں کہ جناب سعیدؓ نے کیا تصور کیا اور پھر بھی جناب عثمانؓ نے لوگوں کی بات تسلیم کر کے ان کی مرضی کے عامل کا تقرر کر دیا۔ لیکن سازش جاری رہی۔

نتائج و اسباق

کوفہ کے محاذ کے حالات کچھ نامکمل ہیں کوفہ ایران، عراق کے محاذ کا مغربی حصہ یا سیکڑ تھا اگلے باب میں مشرقی حصہ کے بیانات کے بعد عراق و ایران کے محاذ کا کچھ مکمل خاکہ ٹھیک طور پر نظر آسکے گا۔ بد قسمتی سے محاذ اب سرحدوں پر نہ تھا بلکہ اندرون خانہ تھا۔

۲۔ ایک طرف مسلمان اپنی سرحدوں پر جہاد میں مشغول تھے۔ اور گویا ایران کا بادشاہ اپنا پایہ تخت چھوڑ چکا تھا لیکن وہ ابھی زندہ تھا (اُس کا ذکر اگلے باب میں آئے گا) اسی وجہ سے اندرون ملک جگہ جگہ بغاوتیں ہو رہی تھیں، جن میں یزدجرد اور ایرانی امرا کا ہاتھ ضرور

ہوتا تھا۔

۳۔ مسلمان مجاہدین کے لئے غیروں کی ان بغاوتوں کا قلع قمع کرنا تو کچھ آسان تھا اور سرحدوں کی حفاظت بھی ہو رہی تھی لیکن اپنی اندرونی محاذ آرائی عجیب شکل اختیار کر گئی تھی۔ غلطی یہ ہوئی کہ مسجدوں کے علاوہ باقی مقامات پر بھی مجالس اور محفلیں قائم ہو گئیں دولت کی ریل پیل تھی۔ طرح طرح کی کانا پھوسیاں شروع ہو گئیں۔ عمر رسیدہ صحابہ کرامؓ یا تو وفات پا چکے تھے یا محدود جگہوں یعنی گھروں اور مسجدوں تک جلتے تھے۔ نوجوان مسلمان دنیا کی مانی ہوئی سلطنتوں کو شکست دے کر ان کے باجگزار ملکوں کے مالک بن چکے تھے۔ امرا حاکم ضرور تھے لیکن مساوات کی سختی سے پابندی کی وجہ سے کچھ لوگوں نے ایسی برابری اور آزادی کا ناجائز فائدہ اٹھانا شروع کر دیا۔

۴۔ امرا کی ہر کاروائی پر انگشت نمائی ہوتی تھی۔ امرا بھی نوجوان تھے۔ نادانی اور انسانی کمزوری بر جگہ ہوتی ہے۔ ان امرا کی معمولی لغزش والی بات بھی خلیفہ تک پہنچا دی جاتی تھی۔ حاکموں کی زندگی مشکل ہو گئی۔ لوگ ان کے سر پر سوار ہو رہے تھے۔ ہر آدمی کوئی جائز یا ناجائز شکایت لئے پھرتا تھا۔ وہ آزادی اور جمہوریت کا دلدادہ ہو چکا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ فرد آزاد ہے وہ جو کچھ چاہے کرے۔

۵۔ سازش والے بھی بیچ میں موجود تھے۔ انہوں نے تمام تر حالات کی ذمہ داری خلیفہ وقت اور امرا پر ڈال دی۔ کچھ اچھی مثالیں بھی تھیں کہ جناب ابوذر غفاریؓ جیسے صحابی گوشہ نشین ہو گئے اور انہوں نے اطاعت امیر کے اصول کو اپنی ذاتی باتوں پر ترجیح دی، جس کا ذکر آگے آئے گا۔ لیکن نوجوان طبقے میں سے اکثر لوگ دندان تے پھرتے تھے اور ان میں سے بعض سازشیوں کے بستے چڑھ چکے تھے۔

۶۔ حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت سعدؓ سمیت متعدد صحابہ کرامؓ کے ناموں کو غلط طور پر استعمال کیا گیا کہ یہ عظیم صحابہ حضرت عثمانؓ اور ان کے امرا کی کارکردگی سے نالیاں ہیں۔ ان کی طرف سے لوگوں کو جھوٹے خط لکھے جاتے کہ ہاں لوگ خروج کریں اور حضرت عثمانؓ کے عاملوں کو وہاں سے ہٹادیں۔ دوسری طرف ان صحابہ کرامؓ کو غلط اطلاعات

ہیسا کی باتیں کہ حضرت عثمانؓ کے عامل یہ کر رہے ہیں اور وہ کر رہے ہیں۔ اور عظیم صحابہؓ حیران تھے کہ حضرت عثمانؓ ان عاملوں کے خلاف کوئی کارروائی کیوں نہیں کرتے۔

۷۔ مصر میں ایک گروہ پیدا ہو گیا کہ ان کی خط و کتابت حضرت علیؓ کے ساتھ ہے کہ حضرت علیؓ خلیفہ بننے کو تیار ہیں، کو فہ و بصرہ میں ایسے گروہ پیدا ہو گئے جنہوں نے جناب طلحہؓ اور جناب زبیرؓ کے لئے ایسی ہی باتیں مشہور کر دیں، اور ایک دوسرے کے ساتھ یہ خط و کتابت شروع تھی، کہ کسی طرح حضرت عثمانؓ کو ہٹا دیا جائے اور پھر اپنی مرضی کا خلیفہ مقرر کریں۔ اہل سازش اتنے ہوشیار تھے کہ خلافت کے دعویدار بھی آگے تین رکھے، کہ حضرت عثمانؓ کے ہٹ جانے کی صورت میں خلافت کا جھگڑا جاری رہے۔

۸۔ شہسپند لوگوں اور سازش والوں کی تعداد تو تھوڑی تھی۔ لیکن وہ عام لوگوں کی نادانی کا پورا فائدہ اٹھا رہے تھے۔ بھیڑ چال والی بات تھی۔ کانا پھوسیاں شروع تھیں اور لوگوں کے ساتھ اس قسم کے وعدے کئے جا رہے تھے جس طرح آج کل سیاستدان عوام کے ساتھ کرتے ہیں۔ جلال مصطفیٰؐ کے پیش لفظ میں ان حالات کی تفصیل ہے۔

۹۔ جنرل گلب اور کچھ مغربی مبصرین نے ان حالات کا موجودہ حالات کے ساتھ موازنہ کیا ہے کہ کس طرح آج کل بھی کئی ملکوں میں لوگوں کو بہکا کر بازاروں اور گلیوں میں بھیج دیا جاتا ہے، جہاں پر وہ اپنے ملک کے سامان کی توڑ پھوڑ کرتے ہیں۔ نعرے لگاتے ہیں کہ ہم باغی ہیں اور ایسے حقوق مانگتے ہیں جو پورے کرنے مشکل ہوتے ہیں۔ اخبار دالے بڑے مزے کی سرخیاں جھاتے ہیں کہ عوام اور پولیس کی آنکھ مچولی ہوئی ہے۔ اور جب کوئی فساد کرنے والا مر جاتا ہے تو اُس کو شہید بنا کر قوم کا ہیرو بنایا جاتا ہے۔

۱۰۔ جنرل گلب کو شاید معلوم ہو گا کہ انگریز از خود ایسا کر چکے ہیں، کہ سولہویں سترھویں صدی میں ان کے عوام نے اپنے بادشاہ چارلس اول کو پھانسی دی تو آگے سے کرام دیل کی آمریت ملی۔ تو پھر اسی بادشاہ کو شہید بادشاہ کے نام سے یاد کرنا شروع کر دیا۔ اور کچھ عرصہ بعد تخت اُس کے بیٹے کے حوالے کر دیا۔

فرانس والوں نے بادشاہت ختم کی، تو ان کو نپولین کی آمریت ملی۔ جرمنوں نے اپنے قیصر کو نکالا تو ان کے آگے ہٹ کر کی آمریت ملی۔ اس وجہ سے یہ بڑا بہتر ہوتا ہے کہ بے ربط و ضبط عوام کو معاملات ہاتھ میں نہ لینے دیئے جائیں۔ آگے ہم دیکھیں گے کہ مسلمانوں کی اس آزادی فکر کی وجہ سے کتنا نقصان ہوا۔

۱۱۔ اسلام دینِ فطرت ہے۔ لوگوں کو بادشاہوں کی غلامی سے نکال کر اللہ اور رسول کی غلامی میں دیتا ہے لیکن فرد کو مادر پدر آزادی کی اجازت نہیں حضور پاک کا فرمان ہے: "جو اکیلا رہ گیا وہ آگ کے لئے ہے"۔ اور حضرت عمرؓ کا فرمان ہے: "لَيْسَ الْإِسْلَامُ إِلَّا بِالْجَمَاعَةِ" (اسلام جماعت کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا) اب جماعت تب قائم رہ سکتی ہے کہ ہر سطح پر امیر ہو اور امیر کا حکم مانا جائے۔ اگر ہر فرد قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لے یا اپنی مرضی کرے، تو پھر ملک کیسے چل سکتا ہے۔ ہمارے اندر اگر کسی وجہ سے تفرقہ کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ تو وہ قول یا عمل جس کی وجہ سے ایسا ہو۔ وہ غیر اسلامی ہے۔ اس کی تفصیل البتہ الگ کتاب کا مضمون ہے۔

۱۲۔ اسلام اللہ کی آمریت ہے۔ دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ ہر امیر اَطِيعُوا اللَّهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُولَ کے فرمان کا پابند ہو۔ اور رسول یہ ہو کہ ہم امیر کی برحالت میں اطاعت کریں۔ اگر ہم سب اپنی مرضی کریں۔ یا غیروں کے فلسفوں پر عمل کریں تو معاملات وہی ہو جائیں گے جو حضرت عثمانؓ کے زمانے میں ہو گئے تھے۔

۱۳۔ جب ایسا وقت آتا ہے تو ہم نہیں دیکھتے کہ جس حکومت کو ہم تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد کیا ہو گا۔ چودہ سو سال میں پہلی دفعہ اللہ اور رسول کے نام پر ایک ملک قائم ہوا ہے۔ کچھ لوگوں نے اپنی خود غرضی یا غیروں کا کھلونا بننے کی وجہ سے پاکستان کی حقیقت کو دل سے تسلیم نہیں کیا۔ ان لوگوں کی پہچان یہ ہے، کہ وہ پاکستان کی ہر حکومت کی مخالفت کریں گے کہ حکومت کو نقصان پہنچا کر وہ دراصل پاکستان یا اس نظریے کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں، جس کے تحت یہ ملک قائم ہوا تھا۔ ایسے لوگوں کی ہمیں پہچان ہونی چاہیے۔ اور ان کو ان کے مقام پر رکھنا چاہیے۔

۱۴۔ اب ہماری بد قسمتی یہ ہے، کہ ہم نے تاریخ سے کوئی سبق نہیں سیکھا۔ ہمارے عالم، دانشور اور اہل قلم حضرات جناب عثمانؓ اور اس زمانے کے باقی عظیم صحابہؓ پر تنقید کرتے ہیں۔ اور اپنے

گر بیان میں منہ ڈال کر نہیں دیکھتے، کہ ہم تے کیا کیا، کہ اس ملک کو دو لخت کر دیا۔ ضرورت اس امر کی ہے، کہ ہم لوگ اسلامی فلسفہ حیات کے اصول، اس زمانے کے مطابق ڈھالیں اور جو بات ان اصولوں کے خلاف جاتی ہے، یا جو کوئی ان اصولوں کے خلاف بات کرتا ہے اُس کو اپنی جگہ پر رکھیں یہ لوگ منافق ہیں اور اللہ اور رسول کے دشمن ہیں۔



ساتواں باب

بصرہ کے امراء - اور محاذ کی جنگی کارروائیاں

نقشہ دوازدهم پر کوفہ اور بصرہ دونوں محاذوں کی صورتِ حال بہتر طور پر سمجھ سکتی ہے۔ گو کچھ حیرانی ضرور ہوتی ہے، کہ کوفہ اور بصرہ نزدیک نزدیک ہیں۔ اور صوبوں کی بانٹ اس طرح کیوں کی گئی، کہ جغرافیائی طور پر عراق، ایران کی الگ الگ عملداری بنائی جا سکتی تھی یا اس کے تین چار صوبے بھی ہو سکتے تھے۔ لیکن اگر حالات اور جغرافیہ کا گہرا مطالعہ کیا جائے، تو فوجی حکمت عملی کے لحاظ سے یہ طریقہ ٹھیک تھا۔ خلفائے راشدین نے مصر اور سارے افریقہ کے لئے فسطاط کی چھاؤنی بنائی، جو مدینہ شریف سے نزدیک تھی اور یہاں سے ہی افواج نے نکل کر تیونس تک کے علاقے فتح کئے۔ بعد میں البتہ قیروان کی چھاؤنی کی ضرورت پڑی۔ شام و فلسطین کے لئے جابیہ کے مقام پر فوجی چھاؤنی بنائی گئی۔ لیکن چند انتظامی مجبوریوں کی وجہ سے دار الحکومت کو دمشق لے جانا پڑا۔ عراق و ایران کے علاقوں کو آدھا آدھا بانٹا گیا مغربی علاقے کے لئے کوفہ کی چھاؤنی تھی اور مشرق کے لئے بصرہ کی۔ گو دونوں مقامات عراق میں تھے لیکن مدینہ شریف کی حکمت عملی کے تحت یہی مقامات زیادہ بہتر تھے۔

اس کا فائدہ یہ تھا کہ صوبائی دارالخلافے یا چھانڈیاں مدینہ شریف کے نزدیک تھیں۔ اور ان مقامات سے آگے چھوٹی چھوٹی چھانڈیاں سارے علاقے میں پھیلی ہوئی تھیں۔ بالکل اس طرح جس طرح ایک کور ہیڈ کوارٹر سے آگے دو تین ڈویژن ہیڈ کوارٹر۔ اور پھر ہر ڈویژن ہیڈ کوارٹر سے آگے اس کے بریگیڈ ہیڈ کوارٹر۔ اور اس سے آگے بنالین وغیرہ ہوتی ہیں۔ ویسے بھی اصول یہ ہوتا ہے کہ مرکز سے صوبائی دارالخلافے نزدیک سے نزدیک ہوں کہ فوجی انتظام سے یہ ضروری ہوتا ہے۔ اب انگریزوں کو دیکھو کہ ہندوستان پر قبضہ کرنے سے پہلے انہوں نے سارا تور بھٹی، مدراس اور کلکتہ پر لگا دیا اور وہاں مضبوط قلعے قائم کئے کہ انگریز سمندر کے راستے

ہندوستان میں داخل ہوئے تھے۔ جب پورے ملک پر قبضہ ہو گیا تو پھر بھی دارالخلافہ کلکتہ ہی میں تھا۔ اور ۱۹۱۱ء میں دارالخلافہ دہلی میں تبدیل کیا گیا اور وہ بھی اس وجہ سے کہ اُس زمانے میں انگریزی سلطنت کو اتنی وسعت مل چکی تھی کہ اس پر سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ لیکن ہم نے اس سے کوئی سبق نہ سیکھا کہ اسلام تو پہلے ہی دن سے ہر معاملہ کو فوجی طریقہ پر حل کرتا تھا۔

بصرہ۔ چند بنیادی پہلو

قارئین کی توجہ اس سلسلہ کی پہلی کتاب کی طرف مبذول کرائی جاتی ہیں۔ عراق کی فتوحات کی بنیاد انہی علاقوں میں ڈالی گئی۔ بارہویں ہجری میں جناب خالد رضی نے سرمز کو کاظمہ کے مقام پر شکست دی، اور پھر مسلمان مجاہدین ابلہ پہنچ گئے جو بصرہ کے نزدیک ہے اس علاقے میں مسلمانوں نے عامل مقرر کئے اور یہ ذکر تھا، کہ جناب حسین رضی کے والد اسلام میں داخل ہو گئے لیکن ساتھ ہی تاریخ کو یاد ہو گا کہ مسلمانوں کا اس وقت بڑا مقصود حیرہ تھا اور انہوں نے بصرہ کے علاقے میں جنگی کارروائیاں حربی مظاہروں کے طور پر کیں۔ لیکن آگے زیادہ پیش قدمی نہ کی۔ یہ ذکر پہلی کتاب کے ساتویں اور آٹھویں باب میں ہے۔ لیکن آگے چل کر پچیسویں باب میں بصرہ سے آگے خراسان، ارموز، فارس اور خراسان کے کچھ علاقوں کی فتوحات کا ذکر ہے۔ چنانچہ حضرت عثمان نے جب خلافت سنبھالی تو جناب ابو موسیٰ اشعری بصرہ کے عامل تھے اور ان کی عملداری جیسا کہ نقشہ دوازدہم میں دکھایا گیا ہے، ایک طرف خراسان سے لے کر مشرق میں سینستان تک تھی اور جنوب و جنوب مشرق میں فارس سے لے کر مکران تک کے علاقے ان کی عملداری میں تھے۔

جناب عبداللہ بن عامر

حضرت عثمان رضی کی خلافت کے پہلے چھ سالوں میں جناب ابو موسیٰ رضی ہی بصرہ کے عامل رہے اور انہوں نے تمام علاقوں کے نظام کو بڑی اچھی طرح سے چلایا۔ جناب عثمان رضی کی خلافت کے چھٹے سال بصرہ اور اردگرد میں کچھ لوگوں نے تجویز پیش کی کہ اس محاذ پر آگے فتوحات کی ضرورت

ہے اسی لئے کسی نوجوان کو وہاں پر سپہ سالار مقرر کیا جائے۔ جناب عثمان رضی نے یہ تجویز منظور کی اور جناب عبداللہ رضی بن عامر کو بصرہ کا عامل مقرر کیا اور جناب ابو موسیٰ رضی کو آگاہ کیا کہ ان کی سبکدوشی باعزت طور پر ہے اور ان کے کام میں کوئی کمی نہیں۔ جناب ابو موسیٰ رضی کو بھی اس میں کوئی رنجش نہ تھی اور جب جناب عبداللہ رضی بن عامر وہاں پہنچے، تو جناب ابو موسیٰ رضی نے ان کو خوش آمدید کہا اور بصرہ میں خطبہ دیا کہ اہل بصرہ بڑے خوش قسمت ہیں کہ ان کے نئے عامل نجیب الطرفین ہیں۔ یعنی ماں اور باپ دونوں کی طرف سے عظیم صحابہ رضی کے رشتہ دار ہیں۔

آپ کی سب سے بڑی رشتہ داری تو یہ تھی کہ آپ کی دادی حضور پاک کی پھوپھی تھیں جن کا نام ام حکم تھا۔ اس لئے سارے بنو ہاشم آپ کے ننھیال ولے تھے۔ آپ خود بنو عبد شمس سے تھے جہاں امیہ خاندان کے ساتھ آپ کا شجرہ مل جاتا تھا اور عبد شمس حضور پاک کے پردادا ہاشم کے بھائی تھے۔ اگے چل کر واقعات ظاہر کریں گے کہ حضرت عثمان کا یہ چناؤ بہت اچھا تھا کہ آپ نے نہ صرف اپنے علاقے سے بغاوت فرد کی بلکہ کسی اور نئے علاقے بھی فتح کئے جن میں کابل بھی تھا۔ اس زمانے میں کسی نے آپ کے چناؤ پر اعتراض نہ کیا۔ لیکن آپ چونکہ حضرت عثمان کے ماموں زاد بھائی بھی تھے تو بعد میں آپ پر بھی اعتراض کئے گئے۔ ایسی الزام تراشیاں بالکل فضول اور بے جا حرکتیں تھیں۔

حضرت عثمان رضی نے البتہ ایک اور تبدیلی بھی کی کہ بحرین کا عامل جو پہلے خود مختار تھا اور مدینہ سے احکام لیتا تھا اس کو بھی آپ نے بصرہ کے عامل کے ماتحت کر دیا بحرین چھوٹی جگہ تھی۔ حضور پاک کے زمانے سے جزیرہ ہونے کی وجہ سے یہاں کا عامل الگ چلا آتا تھا لیکن اب ضرورت کے تحت اور نزدیکی کی وجہ سے کچھ یکجائی کی ضرورت تھی۔ بحرین کے عامل حضرت عثمان رضی بن ابوالعاص تھے اور انہوں نے اس نئے فیصلہ کو قبول کیا۔

صوبہ فارس میں بغاوت

عبداللہ رضی بن عامر کے عامل اور سپہ سالار بننے سے پہلے اکثر مفتوحہ علاقوں میں کچھ بغاوتیں

پھوٹ رہی تھیں۔ خاص کر صوبہ فارس، مکران اور ایرانی بلوچستان میں باغی کافی طاقت پکڑ چکے تھے اور اصطخر کے اہم قلعے پر ان کا قبضہ تھا۔ یہاں سے انہوں نے بغاوت کو تقریباً سارے صوبہ فارس میں پھیلا دیا۔ اسی زمانے میں جناب عبداللہ بن عمر خراسان سے تبدیل ہو کر نئے نئے فارس کے صوبہ میں آئے تھے۔ انہوں نے باقی تمام علاقوں سے بغاوت کو جلدی ختم کر لیا لیکن کافی زیادہ باغیوں نے بھاگ کر اصطخر کے قلعے میں پناہ لے لی۔ جناب عبداللہ بن عمر نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ وہاں باغیوں کی پوزیشن کافی مضبوط تھی اور ایک تھوڑے میں جناب عبداللہ بن عمر شہید ہو گئے۔ بلکہ شدید جنگ میں کئی مجاہدین بھی شہید ہو گئے اور مسلمانوں کو قلعے کا محاصرہ چھوڑنا پڑ گیا۔

جناب عبداللہ بن عمر کو جب یہ خبر ملی تو آپ نے ایک لشکر جرار تیار کیا اور باغیوں کی سرکوبی کے لئے روانہ ہو گئے۔ آپ نے اپنے جیش المقدم پر جناب عثمان بن العاص کو مقرر کیا جو بحرین سے آچکے تھے۔ میسرہ پر ابوہریرۃ الاسلمی کو اور میمنیہ پر معقل بن ہشام کو مقرر کیا۔ رسالہ اور متحرک دستوں کی کمانڈ جناب عمران بن حصین کر رہے تھے۔ باغی حالات کو نہ بھانپ سکے۔ وہ قلعہ کے باہر تھے کہ پہلے مسلمان دستے پسپا ہو چکے تھے اور باغیوں کے دل بڑھے ہوئے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کے جیش المقدم کو دیکھ کر قلعہ کے باہر ہی صف بندی کر دی۔ لیکن یہ ان کو بہت ہنگامی پڑی کہ باقی اسلامی لشکر بھی وہاں پہنچ گیا۔ چنانچہ قلعہ کے باہر ایک خونریز جنگ ہوئی جس میں اہل فارس کو اتنی سخت شکست ہوئی کہ وہ قلعے میں بھی پناہ نہ لے سکے۔ جو لوگ وہاں پر تھے، انہوں نے قلعہ کے دروازے غیر مشروط طور پر کھول دیئے۔ اور آندامن و امان سے رہنے کا وعدہ کیا۔

دارابجر کے علاقہ میں کوچ

اصطخر کے معاملات سے فارغ ہونے کے بعد جناب عبداللہ بن عمر نے دارابجر کے علاقے کا رخ کیا۔ وہاں پر جوڑ شہر میں بغاوت ہو گئی تھی۔ اس شہر کو اردشیر بھی کہتے تھے۔ اس علاقے کے مسلمان عامل جناب ہرم رض بن عیان نے اس شہر کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ جناب ہرم

نے البتہ اس مقام کو جناب عبداللہؓ کے پہنچنے سے پہلے ہی فتح کر لیا۔ واقعات اس طرح بیان کئے جاتے ہیں کہ رمضان کا مہینہ تھا اور گو جہاد کے وقت روزہ قضا ہو سکتا ہے، لیکن جناب ہرمؓ روزہ رکھتے تھے۔ سارا دن وہ اپنی ذمہ داری نبھاتے تھے۔ اُن کے خادم کو دن کو چھٹی ہوتی تھی۔ وہ افطاری اور سحری کا کھانا پکا کر ایک جگہ رکھ جاتا اور پھر اپنی ذمہ داری والی جگہ پر پہنچ جاتا تھا کہ دشمن پر نظر رکھے۔

ایک دن جب جناب ہرمؓ واپس آئے تو کھانا نہ ملا۔ آپ نے پانی سے روزہ افطار کیا اور پانی ہی پنی کر روزہ رکھا۔ دوسرے دن صبح اپنی ذمہ داری والی جگہ پر چلے گئے۔ روایت ہے کہ آپ نے چند دن اسی طرح گزار دیئے لیکن خادم سے کچھ نہ پوچھا کہ شاید سامانِ خوراک کی کمی تھی۔ روایت ہے کہ آپ کافی کمزور ہو گئے تو ایک دن خادم نے پوچھ لیا کہ اُن کو کیا تکلیف ہے۔ فرمایا کہ شاید محاصرہ اٹھانا پڑے گا۔ خوراک کی اتنی کمی ہو گئی ہے کہ مجھے بھی کھانا نہیں مل رہا۔ تو خادم نے عرض کی کہ جناب وہ ہر روز کھانا پکا کر فلاں جگہ رکھ جاتا رہا۔ اس لئے خادم نے اجازت چاہی کہ اُس دن وہ اپنی ذمہ داری پر دیر سے جائے گا تاکہ چھپ کر دیکھے کہ کھانا کب دھر جاتا ہے۔

خادم چھپ کر بیٹھ گیا جب ذرا اندھیرا پڑا تو ایک کتا آیا اور بڑی خاموشی کے ساتھ کھانا اٹھایا اور پھر قلعہ کی طرف چل پڑا۔ کتے والی بات عجب تھی کہ قلعہ کے اندر کوئی کتا ہو سکتا تھا۔ باہر تو کبھی کوئی کتا نظر نہ آتا تھا۔ خادم نے کتے کا پیچھا کیا اور دیکھا کہ قلعہ کی دیواروں میں ایک جھارٹی کے نیچے ایک شگاف ہے جہاں سے کتا قلعہ کے اندر چلا گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ سبب بنا دیا اور خادم نے جناب ہرمؓ کو وہ شگاف یا سوراخ دکھا دیا۔ جناب ہرمؓ نے مجاہدین کو اکٹھا کیا اور کافی تعداد میں مجاہدین اس سوراخ سے قلعے کے اندر داخل ہو گئے اور تجویز کے مطابق قلعے کے ایک دروازہ پر قبضہ کر کے اس کے دروازے کھول دیئے۔ جس سے باقی مجاہدین قلعے میں داخل ہو گئے۔ چنانچہ یہ شہر جناب عبداللہؓ کے وہاں پہنچنے سے چند دن پہلے فتح ہو گیا اور جناب عبداللہؓ نے البتہ حربی مطالبہ سے جاری رکھے۔ فارس کے علاقے میں جناب ہرمؓ بن عیان کے ماتحت جناب حرث بن راشد اور یرجمان بن جہمی کو مختلف اضلاع میں مامور کیا کہ ہر جگہ سے بغاوت کو مکمل طور پر ختم کر دیں۔ جب حالات ٹھیک ہو گئے تو آپ نے

جناب عثمان رضی اللہ عنہما ان فتوحات کی خبر دی اور بہت بڑا لشکر تیار کر کے آپ خراسان اور کرمان کی طرف روانہ ہو گئے۔

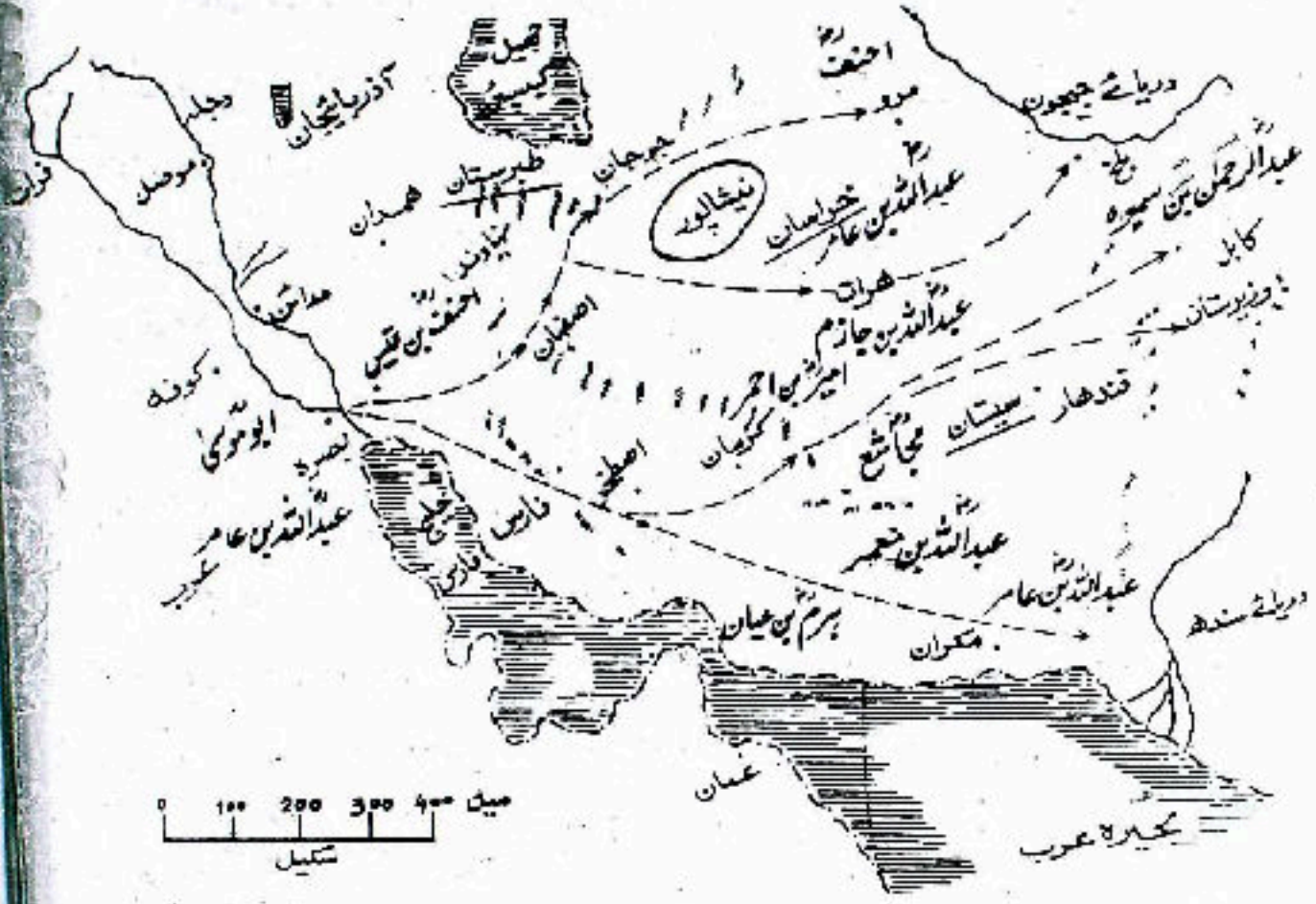
خراسان کی مہم

جناب عبداللہؓ، فارس کے علاقوں سے سیدھے خراسان کی طرف روانہ ہو گئے یا بصرہ واپس آئے اور وہاں سے شمال کی طرف روانہ ہوئے، اس سلسلہ میں مورخین میں کچھ اختلاف سے آپ البتہ دور دراز علاقوں کی مہم پر جا رہے تھے، جس پر کافی وقت صرف ہونا تھا۔ اس لئے آپ نے جناب زیاد بن عامر کو بصرہ میں اپنا نائب مقرر کیا اور پھر شمال کی طرف رداں دواں ہو گئے فوجی معاملات میں آپ کے مشیر جناب عاصم بن عمرو تھے، جن کے دوسرے بھائی تعقاع کوفہ میں مشیر تھے۔ ان دونوں عظیم بھائیوں کا پہلی کتاب میں کثرت سے ذکر کیا گیا ہے جناب عبداللہ خراسان ۲۹ ہجری کے آخر یا ۳۰ ہجری کے شروع میں گئے۔ زیادہ صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ دارالہجر کے علاقے سے واپس اصطفیٰ آئے جہاں کا عامل جناب شریک بن اعور تھا کو مقرر کیا۔ انہوں نے وہاں پر ایک بہت بڑی مسجد بنوائی جس کو تاریخی حیثیت حاصل ہے کہ فارس کے صوبہ میں بغاوت کے فرو ہو جانے کے بعد اس مسجد کا سنگ بنیاد جناب شریک نے رکھا۔

خراسان کی مہم پر جانے کے لئے آپ نے دو راستے اختیار کئے۔ مورخین میں جو اختلاف ہے کہ آیا آپ نے کرمان والا راستہ اختیار کیا یا اصفہان والا، وہ اسی وجہ سے ہے کہ اصل میں لشکر دونوں راستوں پر گئے تھے۔ اور جو لوگ کہتے ہیں کہ آپ بصرہ نہ گئے اور صوبہ فارس سے ہی شمال کی طرف چلے گئے۔ اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ ایک لشکر اصطفیٰ کے راستے سیدھا شمال کی طرف چلا گیا۔ ہم نے نقشہ دوازدم پر یہ دونوں پیش قدمی کے راستے دکھا دیئے ہیں اور ہمارا تجزیہ ہے کہ آپ نے اصطفیٰ والے راستے سے کرمان کی طرف جناب امیر بن احمد نیشکری کو بھیجا اور خود بصرہ آئے اور وہاں سے اصفہان والا راستہ استعمال کیا اور آپ کے جیش المقدم کے طور پر جناب آحنف بن قیس تھے۔

یہ دورخی پیش قدمی فوجی لحاظ سے تدبیرات اور حکمت عملی کی ایک بڑی حربی خوبی مانی جاتی ہے۔ اس میں باہمی روابط کی ضرورت ہوتی ہے لیکن اگر دشمن کمزور ہو تو ضروری نہیں کہ

نقشہ دوازدهم . بصرہ کے محاذ کی ذمہ داری کا علاقہ اور
مکران ، سیستان ، خراسان ، جرجان کی مہمات و
کابل وزیرستان کی فتوحات



۰ ۱۰۰ ۲۰۰ ۳۰۰ ۴۰۰ میل
 ۰ ۱۰۰ ۲۰۰ ۳۰۰ ۴۰۰ کلمیل

ہر وقت رابطہ قائم ہو۔ مقامات اور وقت دے دیئے جاتے ہیں کہ فلاں مقام پر فلاں وقت یہ کام ہوگا۔ یعنی سارا کھیل زماں و مکاں کا ہوتا ہے لیکن ایسی تجویز تبت بنتی ہے کہ زمین کے چہرہ چہرے واقفیت ہو اور پہلے سے اندازہ ہو کہ کس جگہ دشمن کیا کرنے کے قابل ہوگا۔

چنانچہ جناب عبداللہؓ نے امیر بن احمر کو ہدایات دیں کہ کرمان پر قبضہ کرنے کے بعد وہ وہاں پر جناب مجاشع بن مسعود کو چھوڑ دیں۔ کہ وہ مشرق میں سینانڈ کے علاقوں پر نظر رکھیں اور امیر بن احمر شمال کا کوچ کرتے ہوئے خراسان کے علاقے میں ان کے ساتھ رابطہ قائم کریں۔ جناب عبداللہؓ جس راستے پر خود جا رہے تھے ان کے آگے آگے جناب احنف بن قیس تھے۔ انہوں نے طیسین کے دو ضلعوں کو فتح کر لیا جو خراسان کے دروازے سمجھے جاتے تھے اور اس کے بعد کوہستان علاقہ آجاتا تھا۔ تو جناب عبداللہؓ نے حکم دیا کہ اب لشکر میں پھیلاؤ نہ رکھا جائے اور ایک دوسرے سے نزدیک رہتے ہوئے ہر شہر یا قلعہ یا فوجی چوکی پر قبضہ کرنے کے لئے ضرورت کے مطابق فوج بھیجی جائے گی۔ یہ تجویز بڑی کامیاب رہی اور اس طرح کوہستانی علاقے کے ہر شہر پر مسلمانوں نے دوبارہ قبضہ کر لیا اور چھ لاکھ سالانہ خراج پر دوبارہ سمجھوتہ ہو گیا۔ علاوہ جناب امیر بن احمرؓ جناب مجاشع بن مسعود نے بھی مشرق میں کچھ علاقے فتح کئے

یہ اس زمانے کی بات ہے جب عبداللہؓ کے مغربی یا بائیں بازو پر جناب سعید بن العاص طبرستان کے علاقوں میں بغاوت فرد کر رہے تھے۔ جناب سعید بن العاص طبرستان کی بغاوت کو ختم کرنے کے بعد مشرق کا رخ کرنا چاہتے تھے۔ لیکن اسی دوران جناب عبداللہؓ نے طرف نے جرجان تک کے علاقوں کو دوبارہ فتح کر لیا تو جناب سعید نے اپنا تمام تر رخ مغرب کی طرف آذربائیجان کے علاقوں کی طرف کر دیا اور آگے ان کے دستے ترکستان تک پہنچ گئے۔ جناب عثمانؓ کے عاملوں کی اس حکمت عملی اور طریق کار کو جب گیارہویں اور بارہویں نقشہ پر دیکھا جائے تو انسان عس عس کرنے لگتا ہے۔ لیکن یہ معلوم ہوتا ہے کہ جناب سعیدؓ کے لشکر سے کچھ عظیم صحابہ کرام مشرقی افواج میں شامل ہو گئے۔ اس کی تفصیل بھی بعد میں آتی ہے۔

بیہق کی فتح

اب جناب عبداللہؓ بن عامر نیشاپور کے علاقوں میں داخل ہو چکے تھے انہوں نے ایک

ع۔ اپنی عظیم صحابی جناب عبداللہؓ کے چھوٹے بیٹے اور اپنے شمالی وزیرستان کے شیرازہ کے مقام تک آئے جسکی تفصیل بعد میں آئے گی۔

لشکر کے ساتھ حضرت اسود بن کلتوم کو بیہوش شہر کو فتح کرنے کے لئے روانہ کیا یہ جگہ ابر کے مقام سے کوئی پندرہ بیس میل تھی اور وہاں پر دشمن قلعہ بند ہو گیا لیکن قلعہ میں ایک شگاف تھا جس کے باہرے میں مخبروں نے مسلمانوں کو خبر کر دی اور ایک رات چھپ کر مسلمان قلعہ میں داخل ہو گئے قلعے میں گھسان کی جنگ ہوئی بیہوش شہر تو فتح ہو گیا لیکن جناب اسود بھی شہید ہو گئے اور لشکر کی کمانڈ اُن کے بھائی ادھم بن کلتوم نے سنبھال لی اور چند دستوں کو وہاں چھوڑ کر آپ نیشاپور کی طرف روانہ ہو گئے ان کے پیچھے جناب عبداللہ بن عامر بھی سب لشکر کو لے کر نیشاپور پہنچ گئے۔

نیشاپور کی فتح

جناب عبداللہ بن عامر نے شہر کے محاصرے کا حکم دے دیا۔ شہر کے چار دروازے تھے دفاعی لحاظ سے شہر چار حصوں میں بنا ہوا تھا ہر دروازے کا ایک سردار تھا جو اپنے علاقے کے دفاع کا ذمہ دار تھا۔ ایک دروازے کے سردار نے جب اسلامی لشکر پر نظر دوڑائی تو گھبرا گیا اور اپنی جان کی امان پر رات کو دروازہ کھولنے کی پیش کش کی جو مسلمانوں نے منظور کر لی۔ لیکن قلعے کا بڑا کمانڈر اُس سے پہلے ہی دل چھوڑ چکا تھا اور دروازہ کھولنے سے پہلے جان کی امان کی شرط پر اس کا بھی ایک قاصد آچکا تھا اس طرح نیشاپور پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا۔ دس لاکھ درہم سالانہ خراج دینے پر صلح ہو گئی۔ نیشاپور کے ارد گرد چند اور قصبوں کو بھی مسلمانوں نے بزور شمشیر فتح کیا جن میں اسحاق رام ہرمز اور حیرت وغیرہ شامل ہیں۔ وہاں کے تمام لوگ بھی مسلمانوں کے مطیع ہو گئے۔ ان علاقوں کے نظام کے لئے جناب عبداللہ بن قیس بن ہیشم سلمیٰ کو مامور کیا نیشاپور اسلام کی آغوش میں آنے کے بعد، ہماری تہذیب اور تمدن کا مرکز بن گیا۔ جناب فرید الدین عطارؒ یہاں پر ہی تھے۔ اور جلال الدین خوارزم نے یہاں مغلوں کا بڑا مقابلہ کیا۔

رے اور مرو کی فتوحات

اب جناب عبداللہ بن عامر نے رے اور مرو کا رخ کیا راستے میں سرخس اور بیور کے مقامات آتے

تھے۔ اُن کو بھی سر کیا اور وہاں پر حاتم بن بابلی کو امیر مقرر کیا۔ اسے اور مرو کو دوبارہ فتح کرنے کا سہرا بھی جناب احنف بن قیس کے سر ہے کہ وہ جیش المقدم کے کمانڈر تھے خاص کر مرو کی باجگذاری بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ وہاں پر دو کروڑ سالانہ خراج پر صلح ہوئی۔ اسی دوران جناب عبداللہ بن عامر نے ایک لشکر ہرات بھیجا جس کی کمانڈ جناب عبداللہ بن حازم کر رہے تھے۔ انہوں نے ہرات فتح کیا اور دس لاکھ سالانہ خراج پر صلح ہو گئی۔ ہرات موجودہ افغانستان میں ہے اور کسی تعارف کا محتاج نہیں۔

بلخ کی فتح

اس طرح ہرات کے بارے میں تسلی ہو جانے کے بعد جناب عبداللہ بن عامر نے اپنے عظیم ساتھی جناب احنف بن قیس کو ساتھ لیا اور بلخ کی طرف روانہ ہو گئے راستے میں دارا بھجڑا یا دارا کے حاکم نے تین کروڑ سالانہ خراج دینے کی پیشکش کی لیکن جناب احنف نے یہ شرط لگائی کہ یہ نیا علاقہ ہے پچھلے علاقوں کا نظام مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے۔ یہاں کے حاکم جگہ جگہ مسجد بنائیں جن میں ہمارے مبلغ اگر دین اسلام کی تبلیغ کریں گے اور اس علاقے کے حاکم یہ ذمہ داری لیں کہ وہ ان مبلغین کی حفاظت بھی کریں گے اور اذانیں ہر شہر میں باقاعدگی سے دی جائیں گی۔ یہ شرط منظور کر لی گئیں اور مسلمان وہاں سے مہر و روز کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہاں پر اہل شہر نے سخت مقابلہ کیا لیکن بری طرح شکست کھائی اور چھ لاکھ سالانہ خراج پر سمجھوتہ ہو گیا۔ صوبہ جرجان کے چند شہر باقی تھے جہاں پر لوگ مسلمانوں کے مطیع نہ تھے۔ اُن شہروں میں طائفان اور قاریاب قابل ذکر ہیں۔ وہاں دو الگ الگ لشکر بھیجے گئے۔ ایک کی کمانڈ جناب اقرع کر رہے تھے اور دوسرے کی جناب امیر بن احمر۔ جنہوں نے اُن شہروں اور گرد و نواح کے علاقوں کو فتح کر لیا۔

اس طرح تمام علاقوں کو فتح کرتے ہوئے جب ہر طرف سے اسلامی لشکر بلخ پہنچے تو اہل شہر سمجھ گئے کہ مقابلہ نہیں ہو سکتا تو انہوں نے غیر مشروط طور پر صلح کر لی اور سات لاکھ سالانہ خراج دینا منظور کیا۔ اس علاقے کو طخارستان بھی کہتے ہیں اور فرغانہ کا مقام بھی نزدیک ہے جہاں اُس زمانے میں کافی علاقے کو دارا بھجڑا کا علاقہ کہتے تھے۔

پر بعد میں اس خطہ کے پہلے مغل بادشاہ ظہیر الدین بابر کی آبائی سلطنت تھی۔ اس لئے قرفانہ کے مقام سے ہمارے تاریخ کے طالب علم اچھی طرح سے واقف ہیں۔ کہ ساتھ خوارزم کا علاقہ بھی جہاں اسلام کا جلیل فرزند جلال الدین خوارزم بعد میں پیدا ہوا۔

البتہ مسلمان پہلی دفعہ اس علاقہ میں جناب عثمانؓ کے زمانے میں داخل ہوئے لیکن اہل خوارزم جو دریائے جیحون کے دونوں کناروں پر آباد تھے انہوں نے مسلمانوں کے لشکر کی آمد کی خبر سن کر پل توڑ دیا اور ہر مقام سے تمام کشتیاں دریا کی دوسری طرف لے گئے۔ یعنی اس کنارے سے آمد و رفت بند ہو گئی۔ دریا میں طغیانی تھی۔ اس لئے جناب عبداللہ بن عامر نے جناب احنفؓ کو واپس بلا لیا۔ بلخ پر جناب اُسید بن المنسم کو امیر مقرر کیا اور مشرقی علاقوں کا رخ کیا۔ بلخ سے آگے وسط ایشیا کی فتوحات کا ذکر چوتھی کتاب میں ہے۔

کابل اور مشرقی علاقوں کا رخ

قارئین کو یاد ہو گا کہ جناب عبداللہ بن عامر نے ایک لشکر کو کرمان بھیجا تھا۔ اس لشکر کے کرمان کو فتح کرنے کے بعد مجاشع بن مسعود تو ادھر ہی متعین ہو گئے۔ لیکن باقی لشکر کو جناب امیر بن احمد کے تحت آگے پیش قدمی کرنے کا حکم تھا۔ اور وہ ہرات پہنچ چکے تھے۔ اس طرح جناب عبداللہؓ کا دایاں بازو حفاظت میں آچکا تھا۔ بائیں طرف ویسے ہی حفاظت موجود تھی کہ جناب سعید بن العاص کے ساتھ رابطہ قائم ہو چکا تھا اور ان کے لشکر جمیل کوسن سے بائیں طرف آگے بڑھ رہے تھے۔ اب جناب عبداللہ بن عامر کی سامنے والی حدود جمیل کوسن اور دریائے جیحون کی وجہ سے محفوظ ہو چکی تھیں۔ اس لئے جناب عبداللہؓ نے مشرق میں ہندوکش کے علاقوں، زبلقان، غزنی اور کابل کو فتح کرنے کی تجویز بنائی۔

کابل کی فتح کا پیش خیمہ

کوہ ہندوکش کے ان علاقوں کو فتح کرنے کے لئے جناب عبداللہ بن عامر نے ایک لشکر جزار تیار کیا جس کی کماند جناب عبدالرحمن بن سمرہ کو سونپی۔ آپ خود نیشاپور کے گرد و نواح

میں تھے اور آگے پیش قدمی کرنے والوں کے ساتھ مکمل رابطہ تھا کہ اب جس علاقے میں مسلمان داخل ہو رہے تھے وہ ایران سے مختلف تھا۔ یہاں پر ہندوانہ تہذیب اور رسم و رواج تھے۔ مذہب کے لحاظ سے کچھ لوگ بدھ مذہب تھے، لیکن ان کو مغربی بدھ کہتے تھے اور ان کے عقائد موجودہ بدھ کے لوگوں سے مختلف تھے۔ ان بدھوں کا ایک بڑا بادشاہ راجہ کنشک ہو گا ہے جس کا ذکر ہم اپنی تاریخوں میں بھی پڑھتے ہیں کہ وہ ہمارے خطوں کا بادشاہ رہ چکا ہے۔

یہ حال اسلامی لشکر میں بڑے بڑے عظیم مجاہد تھے جن میں عبداللہ بن حازم، مہلب اور عبّاد بن الحصین قابل ذکر ہیں۔ لیکن ایک خاص بزرگ جناب حسن بصریؒ بھی اس لشکر میں شامل تھے۔ جناب حسن بصریؒ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ اکثر صوفیا اور فقرا اپنے سلسلوں کو جناب حسن بصریؒ کے واسطے سے حضرت علیؑ تک پہنچاتے ہیں کہ بعد میں جناب حسن بصریؒ جناب علیؑ کیساتھ بھی رہے۔ لیکن ہماری تاریخوں میں آپ اس ہم میں پہلی دفعہ کھلی کر سامنے آئے ہیں۔ گو آپ کے والد بزرگوار کے اسلام لانے کا ہم پہلی کتاب میں کاظم کی فتح کے بعد ذکر کر چکے ہیں۔ اس ہم میں جناب حسن بصریؒ میرمنشی تھے اور واقعات کو بڑی صفائی سے بیان کیا ہے یعنی لکھ کر چھوڑ گئے ہیں اس لئے واقعہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

رستم کا گھوڑا

کابل کی وادی میں داخل ہونے سے پہلے وادی سینا کے سرے پر زرنج کا قلعہ تھا یہاں پر لوگوں نے مسلمانوں کا بڑا سخت مقابلہ کیا۔ لیکن آخر غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیئے اور دو لاکھ درہم سالانہ خراج دینے پر صلح ہو گئی۔ وادی سینا میں داخل ہونے سے پہلے مسلمان اس گاؤں سے بھی گزرے جہاں رستم پہلوان کسی زمانے میں اپنا گھوڑا باندھا کرتا تھا۔ رستم کے گھوڑے اور چور کی کہانی ہمارے بچوں کی اکثر کتابوں میں موجود ہے۔

زرنج کی فتح کے کچھ عرصہ بعد جناب عبدالرحمنؑ نے ہندوکش کے علاقوں کی طرف پیش قدمی شروع کر دی، جہاں پر کابل اور ازبکستان کے مشہور مقامات تھے۔ غزنی بھی نزدیک

ہی ہے اور جس زمانے میں طبری تاریخ لکھ رہا تھا اور غزنی زیادہ مشہور تھا۔ بعد کے مورخین نے ان علاقوں کو بلاد غزنی کا نام دیا اور افغانستان کے ان علاقوں کو جناب محمود غزنوی نے کی وجہ سے بلندیاں حاصل ہوئیں۔ نقشہ دوازدم واضح کرے گا کہ جن علاقوں کو مسلمانوں نے اس ہم میں فتح کیا وہ غزنی سے لے کر کابل تک پھیلے ہوئے تھے اور ان علاقوں میں بت پرست لوگ آباد تھے۔ ایران کی حکومت کا ان علاقوں پر کوئی اثر نہ تھا۔ ان علاقوں کے لوگ خود مختار تھے۔

جبل زور کا بت خانہ

ان علاقوں میں سب سے بڑا بت خانہ جبل زور کے مقام پر تھا۔ جناب عبدالرحمن نے اس مقام پر قبضہ کرنے کے بعد اس مندر کے سب سے بڑے بت کی آنکھیں نکال دیں اور اٹھ کاٹ دیئے۔ پھر آپ اس مندر کے مہنت سے یوں مخاطب ہوئے: منو! اے کافر اس بت کے گلے میں جو سونا، چاندی و جواہرات کے بار ہیں، یہ تم لوگ لے لو۔ میں یہ اس لئے کر رہا ہوں کہ تمہیں شک نہ پڑے کہ ہم بتوں کو کسی لوٹ مار کی غرض سے توڑتے ہیں گو اس سونے اور چاندی پر ہمارا حق ہے، لیکن میں اس دولت کو ٹھکرا رہا ہوں کہ تم لوگوں کو ہمارا فلسفہ حیات سمجھ آجائے۔ اور تم لوگ یہ نہ سمجھ جاؤ کہ ہم ان بتوں کو کسی طبع کی خاطر توڑتے ہیں۔ ہمیں ہم ان کو اس لئے توڑتے ہیں کہ تم لوگوں پر ظاہر ہو کہ یہ بت کوئی نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ نفع و نقصان پہنچانا اللہ کے ہاتھ میں ہے جو ہم سب کا خالق ہے۔ اور ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں۔ اور اسی کے احکام کے نفاذ کے لئے ان علاقوں میں داخل ہوئے ہیں۔ ہم ملکوں کو اس لئے فتح نہیں کرتے کہ داں پر لوٹ مار کریں بلکہ ہم اللہ کے احکام کے نفاذ کی خاطر ملک فتح کرتے ہیں۔ مہنت اور باقی لوگوں پر ان باتوں کا بہت اثر ہوا اور وہ مسلمان ہو گئے۔ یہی وجہ ہے کہ افغانستان کے لوگ دائرہ اسلام میں جلدی داخل ہو گئے۔

تبصرہ

یہاں ایک تبصرہ ضروری ہے۔ انگریزوں نے اس ملک میں آجانے کے بعد ہماری تاریخ کو مسخ کرنے کی بڑی کوشش کی۔ انہوں نے کئی ہندوؤں یعنی جاوہر لال نہرو اور دیگر لوگوں کے ہاتھوں سے اس خطہ کی تاریخ اس طرح لکھوائی کہ محمود غزنوی رح اس علاقہ پر لوٹ مار کی غرض سے حملہ کرتا تھا۔ اور مندروں کو نشانہ بنانے میں بھی یہی غرض تھی۔ حالانکہ محمود غزنوی نے اسلام کا فلسفہ حیات ایک جملے میں بیان کیا ہے کہ وہ روز قیامت بت شکن کے نام سے پکارا جانا پسند کرے گا۔ یعنی وہ یہ سمجھتا تھا کہ مسلمان اس دنیا میں صرف یہ سوچتا ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کیا جواب دے گا۔ ایسے شخص کو لوٹ مار سے کوئی غرض نہیں ہو سکتی تھی۔ آپے جناب عبد الرحمن بن کثیر کی روایات کو پھیلا دے رہے تھے اور دوسرا فوجی حکمت عملی کے تحت مندروں میں جہوں کو توڑنا ضروری تھا۔ اس علاقے کے لوگوں میں کسی عقیدہ یا کسی چیز میں نہ وحدت عمل تھی نہ وحدت فکر۔ ہاں بت پرستی کے لحاظ سے ان میں جو وحدت فکر تھی اس کو پاش پاش کرنا ضروری تھا۔ کسی دشمن قوم کی وحدت فکر کو پاش پاش کر دیا جائے تو فوجی حکمت عملی کامیاب ہوتی ہے۔

کابل کی فتح

جبل زور کی فتح کے بعد جناب عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس فتح میں کچھ دیر ضرور لگ گئی۔ کہ کابل کا محاصرہ کرنا پڑ گیا۔ مسلمانوں کے پاس بڑی اچھی منجیقیں تھیں۔ اور انہوں نے ان کا خوب استعمال کیا لیکن کابل کا قلعہ بہت مضبوط تھا۔ آخر عباد بن الحصین نے مشورہ دیا کہ جنگ رات دن جاری رکھی جائے۔ کہ محاصرین رات کو آرام کر لیتے ہیں۔ یہ تجویز بڑی کارگر ثابت ہوئی۔ اور جب مسلمانوں نے آٹھ پہر سنگ باری جاری رکھی تو کابل کے در و دیوار ہل گئے۔ چنانچہ محاصرین قلعے سے نکل آئے اور باہر نکل کر مسلمانوں کے ساتھ مقابلے میں سردھڑکی بازی لگا دی۔ ان کے پاس دو ہاتھی بھی تھے جن پر سوار ہو کر وہ مسلمانوں کی

صفوں پر حملہ آور ہوئے۔ جناب عبداللہ بن عازم نے ایک ہاتھی پر حملہ کر کے اُس کی سونڈ کاٹ دی۔ اور دوسرے ہاتھی کی سونڈ جناب مہلب نے کاٹ دی۔ اس کے بعد مسلمانوں نے اس زور سے نعرہ تکبیر بلند کیا کہ کابل کی فضا اللہ اور رسول ص کے نام سے گونج اٹھی اور کافروں کا لشکر تہس نہس ہو گیا۔ تاریخوں میں یہ ثبوت نہیں ملتا کہ جناب عبداللہ بن عامر خود بھی کابل تک آئے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا بیڈ کو ارٹھ نیشاپور ہی میں رہا۔

عبداللہ بن عامر کی عاجزی اور حج

عبداللہ بن عامر نوجوان آدمی تھے۔ اُس وقت اُن کی عمر کوئی تیس پینتیس سال کی ہوگی اور آپ کو اتنی فتوحات حاصل ہوئی تھیں جن پر ایک کتاب لکھی جاسکتی ہے۔ آپ نے ان جنگوں کے لئے جو سفر کئے، وہ تقریباً تین ہزار میل بنتے ہیں۔ نوجوانی کے باوجود آپ کے دل میں کوئی گھمنڈ نہ پیدا ہوا۔ بلکہ عاجزی آگئی۔ آپ اپنے مرکز نیشاپور گئے اور وہاں سے حج کا اہرام باندھ کر مکہ شریف روانہ ہو گئے کہ وہاں جا کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔ خلیفہ، وقت ہر سال حج پر جاتے تھے۔ انہوں نے عبداللہ بن عامر کو فتوحات کی مبارک دی اور اُن کی عاجزی پر خوش ہوئے۔ لیکن ساتھ نیشاپور سے احرام باندھنے پر اعتراض کیا اور فرمایا احرام صرف وہاں سے باندھا جائے جہاں سے حکم ہے۔ تاکہ مسلمانوں کی وحدت فکر و وحدت عمل میں فرق نہ پڑے۔

بصرہ کے محاذ کے چھوٹے امرا

ہم نے پچھلے ابواب میں وعدہ کیا تھا کہ ہم ثابت کریں گے کہ بصرہ کے محاذ کے چھوٹے امرا میں سے بھی کوئی بھی جناب عثمان بن کاثر سے دار نہ تھا۔ اب سب امرا حق کا ذکر جو چکا ہے اُن کی کارکردگی پر نظر ڈالیں اور دوبارہ نام یاد کریں۔ کہ جناب ہرم بن عیان، لشکر می، جناب جربث بن عاصم، جناب احنف بن قیس، جناب حبیب بن قزہ، جناب خالد بن عبداللہ، جناب مجاشع بن مسعود، جناب قیس بن مہشم سلمی، جناب امیر بن احمر، جناب عمر بن عثمان اور جناب قیس بن سلمیہ بن سے کوئی بھی حضرت عثمان بن کاثر سے دار نہ تھے۔ ہاں جناب عبدالرحمن بن سمرہ قاریج کابل نہ صرف

جناب عثمانؓ کے رشتہ دار تھے بلکہ سرکارِ دو عالم حضور پاک محمد مصطفیٰؐ کے رشتہ دار بھی تھے۔ افسوس کہ لوگ جناب عثمانؓ پر قرابت داری کے سلسلہ میں غلط الزام لگاتے ہیں۔

عظیم صحابہ کے قدم مبارک پاکستان میں

کسی کو کیا معلوم تھا کہ جن خطوں میں جناب عثمانؓ رضی اللہ عنہم کے لشکر اور عظیم صحابہ کرام یا عظیم صحابہؓ کے عظیم صحابی فرزند، پھر رہے ہیں وہاں پر ایک دن اللہ اور رسولؐ کے نام پر ایک مملکت کی بنیاد رکھی جائے گی۔ اس لئے پرانے مورخین نے، حضرت عثمانؓ کے لشکروں کو کابل، وادی زبلستان اور غزنی کے صوبوں تک ضرور پہنچایا لیکن آگے یہ ذکر نہیں کیا کہ مشرق میں ہمارے موجودہ صوبہ سرحد یا قبائلی علاقوں تک یہ لشکر کس کس مقام تک آئے۔ اُس زمانے میں کابل اور غزنی کے صوبوں کی حدود مشرق میں پشاور اور بنوں تک پھیلی ہوئی تھیں۔ بہر حال اب جو آثار یا تاریخ کے اور مطالعے ہوئے ہیں۔ تو اُن سے معلوم ہوا کہ شمالی وزیرستان کی وادی شیرتلہ میں جناب جانشیح بن مسعود کا فوجی کیمپ تھا۔ ہم پیچھے ذکر کر آئے ہیں کہ آپ عظیم صحابی عبداللہؓ کے چھوٹے بھائی تھے اور امیر بنو نجر کے لشکر کے ایک حصہ کے کمانڈر۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ذمہ داری کا علاقہ مشرق میں وزیرستان تھا کہ فتوحات کے سلسلہ میں یا بعد میں آپ اپنے لشکروں کے ساتھ وادی شیرتلہ میں رہے۔

اس کے علاوہ وادی بویہ یعنی بالائی دوڑ کے علاقے سے کچھ آثارِ قدیمہ دریافت ہوئے ہیں کہ رزمک اور امیر علی کے نزدیک کڑی شندھی کے مقام پر ایک پرانہ کتبہ ملا، جس کو وہاں پر عباسیہ کے خاندان کے زمانے میں حسن مامان برمکی نے لگوایا تھا، کہ وہاں پر اُس کا بیڈگوار ٹریا صوبائی دارالحکومت تھا۔ اس کتبہ پر یہ لکھا ہوا تھا، کہ اس جگہ کسی زمانے میں کفار اور مشرکین کا بیڈگوار تھا، اُن کے خلاف مسلمانوں کے جو لشکر جہاد کے لئے آیا، اُس میں سید الشہداء امام حسنؓ اور امام حسینؓ بھی شامل تھے۔

قارئین کو یاد ہو گا کہ پیچھے ہم نے جناب سعید رضی اللہ عنہ کے اُس لشکر کا ذکر کیا تھا، جس میں امام حسنؓ اور امام حسینؓ شامل تھے اور آگے لکھا تھا، کہ جناب سعیدؓ نے، جناب عبداللہؓ بن عامر کے ساتھ فوجی رابطہ قائم کر لیا۔ اور اُس کے بعد وہ خود مغرب کی طرف چلا گیا، لیکن اُس کے لشکر سے کچھ لوگ یا ایک

حصہ عبداللہ بن عامر کے ساتھ شامل ہو گیا تھا۔ تو ظاہر ہوا کہ جناب امام حسنؑ اور امام حسینؑ رضی اللہ عنہما سمیت کافی لوگ بصرہ والے لشکر میں شامل ہو گئے تھے مکہ انہوں نے وادی غزنی اور زبلستان کے علاقہ میں جہاد میں حصہ لیا تو تب ہی ایسا کتبہ وزیرستان کے علاقہ میں ملا۔

قارئین! یہاں آکر ہمارا یہ جائزہ صحیح ثابت ہوتا ہے، کہ کسی سازش کے تحت ہماری تاریخ سے عظیم صحابہؓ کی بہادریوں کے قصوں کو خارج کر دیا گیا۔ اور کچھ نے یہ کہہ دیا کہ ان کو اختلاف تھا۔ وہ شریک نہ ہوئے۔ اللہ ہم پر رحم کرے۔

یزدجرد کا خاتمہ

پہلی کتاب میں جنگ نہاوند کے بعد ان محاذوں کے حالات سرسری طور پر بیان کر دیے گئے تھے۔ ساتھ ہی یہ بیان کیا گیا تھا کہ یزدجرد کا خاتمہ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں ہوا تھا کہ وہ اور بصرہ کے محاذ پر جس جگہ بھی بغاوت ہوئی مورخین نے اس میں یزدجرد کے ہاتھ کا ذکر ضرور کیا۔ لیکن یہ کہانیاں اور روایات افسانے زیادہ ہیں اور ان میں حقیقت کم ہے۔ بے شک یزدجرد ایک چکی دالے کے ہاتھوں ہلاک ہوا۔ لیکن یزدجرد کے ایک مقام سے دوسرے مقام پر جانے اور تخت کو دوبارہ حاصل کرنے کے بارے میں جو روایات تاریخوں میں موجود ہیں اگر ان سب کو یکجا کیا جائے تو ایک کتاب بن جائے۔

مصیبت یہ ہے کہ ان واقعات کے چشم دید گواہ "یا اپنے آپ کو ایسی کہانیوں سے وابستہ کرنے والوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ آدمی حیران رہ جاتا ہے۔ بہر حال یہ قدرتی امر ہے کہ ایک آدمی کے ہاتھ سے جب حکومت نکل جائے اور وہ حکومت کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کرے تو کئی لوگ ایسی کاروائیوں میں خود بخود شریک ہو جاتے ہیں۔ بہر حال یزدجرد کا ان بغاوتوں میں کتنا حصہ تھا یہ تجزیہ ہمارے لئے بے محنی ہے۔

ہمارے لحاظ سے یزدجرد بد قسمت تھا۔ اسلام قبول کر لیتا تو اس جہان میں بھی عزت مل جاتی اور آخرت میں بھی۔ جس طرح گنہگار میں پیدا ہوا اسی طرح گنہگار میں مر گیا۔ اور ساتھ ہی ایرانی بادشاہت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ ایران کے اکثر لوگوں نے چونکہ اسلام قبول کر لیا۔ تو یزدجرد کی

اولاد سے۔ دانشور "تخت کا کوئی دعویٰ دار بھی نہ پیدا کر سکے۔ کہتے ہیں کہ یزدجرد جب در در کی ٹھوکریں کھاتا پھرتا تھا تو کہیں شادی کی اور اس کا ایک اپاہج قسم کا لڑکا پیدا ہوا۔ افسانہ نویسوں کا یہ حق ہے، کہ وارث پیدا کرتے رہتے ہیں۔ اور آج کل بھی نہرو خاندان کے وارث نہ صرف بھارت میں حکومت کر رہے ہیں، بلکہ آئندہ وراثت قائم رکھنے کے بارے میں تجویزیں بنا رہے ہیں۔ ایوب خان کے وارث، کا جھگڑا بھی شروع ہوا۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ قائد اعظم کی وراثت کا کوئی جھگڑا نہ چلا۔ ہاں ہمارے ملک کے ایک عوامی لیڈر کے وارث اس ملک کے وارث بننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ خدا خیر کرے۔ اسلام کسی وراثت کا قائل نہیں۔ پہلی کتاب میں اس پہلو کو سرسری طور پر واضح کیا گیا تھا۔ اور آگے چوتھی کتاب میں اس کا مزید ذکر آئے گا۔ اسلام دین فطرت ہے اور اس میں غیروں کی نقالی، بادشاہت، با وراثت کا کوئی سوال نہیں۔ ساری امت حضور پاک کی وارث ہے۔

نتائج و اسباق

یہ سات ابواب حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانے کی فتوحات کی کہانی ہیں۔ اور آپؓ کی خلافت کے پہلے سات آٹھ سال ایسے تھے جس میں مسلمان دنیا کی ایک عظیم طاقت تھے۔ یہ ہماری عزت و وقار کے دن تھے۔ اور ہماری غیرت قائم تھی۔ گو جناب عثمانؓ کے زمانے کی کل فتوحات کا اجمالی خاکہ کتاب کے آخری باب میں بیان کیا جائے گا۔ لیکن یہ باب اس لئے اہم ہے کہ عملی طور پر ایک محاذ پر مسلمانوں نے فتوحات کے سلسلہ کو کیسے جاری رکھا۔ حکمت عملی اور تدبیرات کتنی اعلیٰ پایہ کی تھیں۔

۲۔ فتوحات کا سلسلہ ۳۳ ہجری میں جا کر رک گیا۔ کہ اندرونی خلفشار شروع ہو گیا تھا۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ شہید ہو گئے۔ اور آئندہ چار یا پانچ سال اندرونی خانہ جنگی شروع رہی۔ لیکن جیسے ہی یہ خانہ جنگی ختم ہوئی۔ دونوں مشرقی اور مغربی سرحدوں پر فتوحات شروع ہو گئیں۔ ان فتوحات کے لئے کوئی کوشش بھی نہ کی گئی۔ معمولی لشکروں نے اپنے نزدیک علاقوں کو روند ڈالا۔ فوجی محاذ سے اس کامیابی کی ایک ہی وجہ تھی اور کلاسیکوں نے اگر ان فتوحات پر تبصرہ کرتا تو کہتا کہ یہ عطیات حضور پاکؐ اور خلفائے راشدین کی حکمت عملی کا نتیجہ تھے۔

۳۔ اسلام کا فلسفہ حیات کیا ہے، اور اُس پر مکمل عمل سے کیسے فائدہ ہوا، یہ ہمارا بڑا موضوع رہا ہے اب ضرورت کے تحت ہم چوتھی کتاب میں اپنے فلسفہ حیات اور فلسفہ جنگ کی تفصیل میں جائیں گے۔

۴۔ یہ فتوحات آگے کیوں رُک گئیں۔ اس کا جائزہ بھی آگے آتا ہے۔ کہ تاریخ کے با مقصد مطالعہ کا یہی مطلب ہوتا ہے۔

۵۔ پس یہی نکتہ اہم ہے۔ کہ اجتماعی فلسفہ حیات کیا ہے اور اس پر عمل کیسے کیا جائے؟ ہمارا عندیہ یہ ہے کہ یہ کام حکومت کا ہے اور حکومت کو فلسفہ حیات کے نظام کو جاری و ساری کرنا ہوگا۔ چاہے وہ اس کو نظام جہاد کا نام دے یا نظام مصطفیٰ کا۔ قانون یا فقہ ثانیوی چیز ہے اور اُس کی گاڑی کو گھوڑے کے آگے نہ رکھیں۔ حکومت گھوڑا ہے۔ لوگ گاڑی ہیں۔ اُن کو نظام کے ساتھ اس طرح باندھا جاتا ہے کہ گھوڑا، گاڑی کو چلائے۔ البتہ اس نظام کے لئے اصول، فقہ کے تحت وضع کئے جاتے ہیں۔ کہ فقہ کا مطلب سوچنا ہے اور سورہ توبہ کے مطابق فقہ دین کا مطلب جہاد کی سوچنا ہے۔

۶۔ باطل فلسفوں کے اصول یا غیروں کے طریق کار کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں۔

۷۔ اب ذرا تدبیرات کی طرف آئیں۔ قارئین نے دیکھا ہوگا کہ مسلمانوں نے اکثر مقامات دو یا تین دفعہ فتح کئے اور اس پہلو کی ہر کتاب میں خوب تر و فصاحت کی گئی ہے کہ مسلمان پیش قدمی کر کے دشمن کے ملک میں گھس جاتے تھے۔ اور اُس کے علاقوں کو ہلا کر رکھ دیتے تھے۔ لیکن اگر مسلمان دیکھتے کہ آگے سے دشمن نے کوئی سخت رد عمل کیا ہے تو وہ وہاں سے پیچھے ہٹ آتے تھے۔ اور دشمن کو اپنی مرضی کے مقام پر تہس نہس کر دیتے تھے۔ قادیسیہ، نہادند، اجنادین اور یرموک کی جنگیں اسی طریق کار پر لڑی گئیں۔

۸۔ یاد رکھیں کہ لڑائی میں بڑا مقصد دشمن کی افواج کو تہس نہس کرنا ہوتا ہے۔ تاکہ دشمن میں آئندہ لڑنے کی ہمت اور سکت ختم ہو جائے۔ اب ایران کے باقی علاقوں میں بھی یہی ترتیب اپنائی

گئی، گو کہ سطح چھوٹی تھی۔ فارس، اصفہان، کرمان، سینکان اور جرجان کے اکثر علاقے مسلمان فتح کر چکے تھے۔ دوبارہ جب دہاں بغاوت ہوئی تو جناب عبداللہ بن عمر کی حکمت عملی اور تدبیر دیکھیں کہ کس طرح نہ صرف بغاوتوں کو طریقے سے ختم کیا بلکہ جیسے ہی موقع ملا کابل اور غزنی کے نئے علاقوں کو بھی اسلامی سلطنت میں شامل کر دیا۔

۹۔ کسی ملک کو فتح کرنے کے بعد پورے ملک پر جلدی قبضہ نہیں ہو جاتا۔ یہ قبضہ بڑے شہروں اور ذرائع آمد و رفت والی بڑی بڑی سڑکوں پر ہی ہوتا ہے۔ اس لئے کسی علاقے کو مطیع کرنے میں بڑا وقت لگتا ہے۔ اسلام میں لوگوں کو مطیع کرنے کے بڑے اصول یہ ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ اور رسولؐ کے احکام کا نفاذ اس طرح کرو کہ پہلے خود اسلامی فلسفہ حیات پر عمل کریں اور اس عمل کا ایسا مظاہرہ کریں کہ لوگ ہمارے فلسفہ حیات سے اثر لے کر مسلمان ہو جائیں۔

۱۰۔ یہ پہلو اب ڈھیلا پڑ رہا تھا۔ کہ نوجوان مسلمان اسلامی فلسفہ حیات سے کچھ دور ہو رہے تھے، جس کے اثرات اچھے نہ ہوئے۔ جناب عبداللہ بن عمر بھی نوجوان تھے لیکن واقعتاً ظاہر کرتے ہیں کہ آپ نے اپنا کام نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دیا کسی بھی چیز کے سلسلے میں جناب عبداللہ بن عمر کی کسی کارروائی پر انگلی نہیں اٹھائی جاسکتی۔ نتائج سامنے ہیں۔ اور حضرت عثمانؓ پر قربت داری کا الزام غلط ہے۔ جناب عبداللہ بن عمر نے دو تین سال لگاتار جہاد کے بعد اپنی عاجزی کا مظاہرہ بھی کیا۔

۱۱۔ جہاں تک اسباق کا تعلق ہے وہ ساتھ ساتھ بیان ہو گئے ہیں۔ مرحلہ دار کارروائی۔ زمان و مکان پر کنٹرول، پیش قدمی کے طریق کار، اسلامی فلسفہ حیات، بت شکنی کے اصول باہمی ملاپ اور رابطہ ہر ایک کارروائی میں کسی اسباق ہیں۔

۱۲۔ پہلی کتاب کے پیش لفظ میں واضح کیا گیا تھا کہ اسی سارے مطالعہ کو ہم ہر واقعہ کے نتائج اور نتائج کے اثرات کے تحت پرکھیں گے۔ جہاں نتائج اور ان کے اثرات پکے اور دوامی قسم کے تھے۔ وہاں پر کارروائی والوں کے خلاف انگشت نمائی ٹھیک نہ ہوگی۔ البتہ ایک دوامی اثر کا

مطالعہ اب تک جاری ہے، کہ خلفائے راشدین کے زمانے میں جہاں تک فتوحات ہوئیں
 اسلام وہاں قائم دائم ہے۔ باقی علاقوں میں یعنی سپین، بلقان، و جنوبی یورپ و وسط ایشیا
 اور ہندوستان میں ایسا کیوں نہ ہو سکا۔ کیا خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بعد کی فتوحات،
 خود غرضی کی فتوحات تھیں؟ یا کیا فرق رہ گیا کہ وہاں اسلام مکمل طور پر قائم نہ رہ سکا۔
 سوال بڑا اہم ہے۔ اس پر مکمل تبصرہ چوتھی کتاب میں کیا جائے گا۔ گوا اشارے۔ ان
 کتابوں میں بھی موجود ہیں۔



آٹھواں باب

قرآن پاک کی اشاعت

قرآن پاک کا محافظ خود اللہ ہے۔ کسی انسان کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ قرآن پاک کے معجزوں کو زبانی یا تحریری طور پر بیان کرے۔ اللہ کے نیک بندے اس کو اپنے سینہ میں اٹھائے پھرتے ہیں۔ حضور پاکؐ کے زمانے کی جنگوں کے سلسلے میں ہر باب میں قرآن پاک کی کچھ آیات کا ذکر کر دیا گیا ہے کہ قرآن پاک فوجی زبان میں ہے اور سب مسلمان اللہ تعالیٰ کی فوج ہیں۔ فلسفہ جنگ، فوجی حکمت عملی اور فوجی تدبیرات کے بنیادی اصول قرآن میں موجود ہیں اور ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم ان اصولوں پر اپنے فلسفہ جنگ کو استوار کریں۔

جہاد ایک سیاسی فلسفہ ہے کہ امن کے زمانے میں قوم کو اس فلسفہ پر تیار اور متحد کیا جاتا ہے۔ جہاد بالسیف کا مطلب قوم اور ہتھیاروں کا رابطہ ہے (یعنی پوری قوم کی ہتھیار بندی اور جنگ کی تیاری) حرب جنگ کو کہتے ہیں جو جہاد بالسیف کی ایک شاخ یا ضرورت ہے قتال یعنی لڑائی حرب کی ایک شاخ ہے کہ تدبیرات اور تجاویز کے تحت میدان جنگ "مارتے" ہیں۔ یہ سب چیزیں چونکہ قرآن پاک میں موجود ہیں۔ اور قرآن پاک میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ضمن میں کافی سے زیادہ ہدایات اپنے مزاج میں فوجی قسم کی ہیں اس لئے قرآن کی اشاعت کو ہم فوجی پہلو کی وحدتِ فکر اور وحدتِ عمل کی بنیاد کہیں گے چنانچہ اس باب کو ہم نے فوجی حکمت عملی کی کتابوں میں ایک خاص مقام دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لئے تو کوئی مشکل نہ تھا کہ وہ سارا قرآن، یا دین فطرت کی ہدایات ایک ہی دن میں ایک کتاب کی شکل میں نازل فرما دینا۔ جب ساری کائنات کو پیدا کرنے والا وہ ہے تو ساتھ ہی اپنے احکام کی ایک کتاب بھی پیدا کر دیتا۔ لیکن اُس نے اپنے بھید کسی کو نہیں

دینے جب کچھ ہو جاتا ہے تو ہم کچھ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ ہو گیا۔ تو قرآن پاک اور حضور پاک کے احکام سے کچھ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ کام عملی صورت میں کرنا چاہتا تھا۔ کہ احکام آہستہ آہستہ کسی ترتیب سے اتارے جائیں اور انسان ویسے بھی پیدا ہونے کے بعد عمل آہستہ آہستہ سیکھتا ہے۔ کوئی دنیاوی مثال اللہ تعالیٰ کے طریق کار کی صحیح نشاندہی تو نہیں کر سکتی لیکن کسی دنیاوی فوج میں جب آدمی بھرتی ہوتا ہے تو اس کی تربیت آہستہ آہستہ عملی طور پر کی جاتی ہے۔ اس طرح قرآن پاک میں احکام بتدریج نازل ہوئے کہ وقت کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ پیش رفت ہو۔

قرآن پاک کے حافظ

حضور پاک کی وفات سے پہلے دین مکمل ہو چکا تھا اور قرآن پاک بھی مکمل طور پر نازل ہو چکا تھا۔ متعدد صحابہ کرام قرآن پاک کو سینہ میں بھی اٹھائے ہوئے تھے اور قرآن پاک صحیفوں کی صورت میں لکھا ہوا بھی موجود تھا۔ لیکن ہر گھر یا ہر مسجد میں کسی مکمل کتاب کی شکل میں قرآن پاک اس طرح موجود نہ تھا، جس طرح آج گھر گھر موجود ہے تو وقت کی ضرورت تھی کہ امت میں وحدت فکر کے لئے ایک جامع شکل و صورت میں ایک جیسا قرآن پاک ہر مسلمان کے گھر یا مسجد میں موجود ہو۔ یہ بات ذرا مشکل تھی کہ ہر مسلمان قرآن پاک کو سینہ میں محفوظ کر سکے۔ ہر ایک کی یاد ایک جیسی نہ تھی۔ گو متعدد مسلمانوں نے قرآن پاک کے بڑے حصے کو حفظ کیا ہوا تھا اور کئی صحابہ کرام مکمل طور پر قرآن پاک کے حافظ تھے۔

ہمارے پاس کوئی واضح روایت موجود نہیں، جس کے ذریعہ سے ہم یہ ثابت کر سکیں کہ جناب صدیق اکبرؓ اور جناب عمر فاروقؓ بھی حافظ قرآن تھے۔ لیکن جناب عثمانؓ اور جناب علیؓ کا اس سلسلہ میں ذکر ضروری ہے۔ حضرت عثمانؓ کی یہ حالت تھی کہ کئی دفعہ عشاء اور فجر کی نماز کے درمیان کسی نفل نماز کی ایک دو رکعت میں پورا قرآن پاک زبانی پڑھ لیتے تھے۔ اپنی خلافت کے زمانے میں۔ آٹھ بج پر مکہ شریف تشریف لگے تو اکثر راتیں

اپنے ایک خادم کو مقتدی کے طور پر اپنے پیچھے کھڑا کر دیتے تھے، اور سارا قرآن پاک ختم کرتے تھے۔ علاوہ آپ کاتب وحی بھی تھے۔ جناب علی رضی اللہ عنہ کا مقام البتہ حفاظ میں بلند ترین مانا جاتا ہے کہ آپ ویسے بھی اُس علم کے دروازہ تھے جس کے حضور پاک شہر تھے۔ آپ بھی کاتب وحی تھے۔ لیکن جب سے آپ یمن جانے لگے اور حضور پاک نے آپ کی پھاتی پر ہاتھ پھیرا تو اس کے بعد قرآن پاک جناب علی رضی اللہ عنہ کے قلب میں سمودیا گیا۔ یہی وجہ تھی کہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن پاک کے نسخے اکٹھے کرتے تھے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ضرور دکھا دیا کرتے تھے۔

جنگ یمامہ اور حفاظ

بارہ ہجری میں جنگ یمامہ ہوئی۔ جس میں تین سو حفاظ قرآن شہید ہوئے۔ ان میں جناب سالم رضی اللہ عنہ کی شہادت کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بہت رنج ہوا۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت سالم رضی اللہ عنہ کے بہت مددگار تھے اور جناب عمر رضی اللہ عنہ کے لحاظ سے جناب سالم رضی اللہ عنہ کا حفاظ میں بہت اونچا مقام تھا چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ قرآن پاک کو لکھ کر کتابی صورت دی جاے جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور پاک نے یہ کام خود نہیں کیا تو پھر اس کی کیا ضرورت ہے۔ لیکن جب حضرت علی رضی اللہ عنہ وجہ اور باتی عظیم صحابہ سے مشورہ کیا گیا تو انہوں نے رائے دی کہ آخر اس میں ہرج ہی کیس ہے کہ اسے کتابی شکل دی جائے اُس زمانے میں کوئی اختلاف تو تھا نہیں اور فرق بھی صرف لفظوں کی ادائیگی اور لہجہ کا ہوتا تھا کہ کوئی "س" کو "ش" کی آواز کے ساتھ پڑھ جاتا تھا تو بعد میں آنے والوں کے لئے اختلاف پیدا ہو سکتا تھا۔

قرآن پاک کو جمع کرنا

چنانچہ فیصلہ ہوا کہ سینوں میں موجود یا کہیں کہیں متفرق طور پر لکھے ہوئے قرآن پاک کو کاغذ پر خوش خط لکھ لیا جائے اور خلیفہ وقت اپنے پاس رکھ لیں تاکہ اگر کہیں سے کوئی شک یا سوال ہو تو خلیفہ وقت اسے دور کر سکیں۔ قرآن پاک کے لکھنے کا یہ شرف ایک انصار جناب زید بن ثابت کو نصیب ہوا۔ آپ کاتب وحی بھی تھے اور خوش نویس بھی اور یہ قرآن پاک جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری دنوں میں مکمل ہوا۔ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کیا تو ساتھ قرآن پاک کا یہ نسخہ بھی جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔ جناب فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں یہ نسخہ

ان کے پاس رہا۔ لیکن انہوں نے چونکہ کسی کو خلیفہ نامزد نہ کیا تو قرآن پاک کا یہ نسخہ اپنی بیٹی اور ام المومنین حضرت حفصہؓ کو دے دیا۔

روایت ہے کہ اس وقت تک اس قرآن پاک سے کئی نسخے نقل کئے گئے اور آگے ان نقل کئے ہوئے نسخوں سے بھی کئی نسخے نقل کئے گئے ہوں گے۔ لیکن اکثر یہ ہوتا تھا کہ ہر جگہ حافظ موجود ہوتے تھے ان سے سن کر لوگ قرآن پاک کو لکھ لیتے تھے۔ یعنی قرآن پاک کی کوئی سورت یا آیت جو ان حفاظ سے سنی وہ لکھ لی۔ اب حفاظ سے سن کر لکھتے وقت کئی دفعہ لفظوں کے نیچے یا زیرہ دزبر کو اس طرح نہ لکھا گیا جیسے مدنیہ شریف کے نسخے میں موجود تھا۔

جناب خلیفہ بن ایمانؓ

قارئین کو یاد ہو گا کہ جناب خلیفہ بن ایمانؓ نے حضرت عمرؓ کے زمانے میں بھی شمالی اور شمال مغربی عراق میں سب سے سالاری کے فرائض انجام دیئے اور ملک شام کی حدود تک گئے تھے۔ پھر حضرت عثمانؓ کے زمانے میں بھی آپ لشکروں کے دستوں کو رے کر نہ صرف آذربائیجان تک گئے بلکہ جناب عبدالرحمن بن ربیعہ کے ساتھ مل کر شام کے کئی علاقوں اور خاص کر باب کی جنگ میں شرکت کی۔ بہر حال جب آپ کو فہ واپس آئے تو آپ نے جناب سعید بن العاص اور باقی صحابہ کرامؓ کے سامنے عرض کی کہ قرآن پاک کا محافظ اللہ ہے لیکن ایک چیز انہوں نے عجیب و غریب سنی کہ کچھ لوگوں نے کہا کہ وہ قرآن پاک صحیح پڑھتے ہیں۔ ان کا لہجہ صحیح ہے لیکن غلاں ملاتے کے لوگ ان کی طرح نہیں پڑھتے۔ اس بحث میں آگے یہ پتہ چلا کہ اس فرق کی وجہ مختلف علاقوں کے لوگوں کے لہجے کے ترقی کے علاوہ حفاظ کے لہجہ میں فرق بھی شامل تھا۔

کچھ صحابہ کرامؓ کو یہ بات معمولی نظر آئی کہ لہجہ میں فرق ہو سکتا ہے جناب سعید بن العاص اور کچھ صحابہ کرامؓ کا خیال تھا کہ اس سلسلے میں کسی وحدت کی ضرورت ہے لیکن جناب عبداللہ بن مسعود

علی ایمانؓ بھی صحابی تھے اور جنگ احد میں شہید ہو گئے
۲۱ اس کی تفصیل پچھلے ابواب میں موجود ہے

کا خیال تھا کہ قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری خود خدا تعالیٰ کی ہے۔ اتنے حفاظ قرآن پاک کو سینہ میں اٹھائے پھرتے ہیں۔ آج تک کبھی کوئی اختلاف سننے میں نہیں آیا۔ اس لئے اس سلسلہ میں کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن جو صحابہ کرام قرآن پاک کی تمام نقلوں کو ایک نسخہ کی نقل بنانا چاہتے ہیں وہ کہنے لگے کہ آخر قرآن پاک کے لکھنے میں ہرج ہرج ہی کیلئے جب حضور پاکؐ نے خود لکھنے کا حکم دیا اور اب سب لکھے ہوئے قرآن پاک کو لفظ بلفظ ایک جیسا ہونا چاہیے۔

مدینہ شریف میں مشاورت

کوئٹہ کی اس بحث میں اختلاف موجود تھا اور اسی نکتہ کو سمجھتے ہوئے جناب خدیفہ بن ایمانؓ مدینہ شریف روانہ ہو گئے۔ وہاں پر انہوں نے حضرت عثمانؓ کو اپنے مشاہدات اور کوئٹہ میں قرآن پاک کے سلسلے میں بحث سے متعلق باتوں سے آگاہ کیا جناب عثمانؓ نے مشاورت طلب کی جس نے صلاح دی کہ اب کاغذ کی کوئی کمی نہ تھی اور بہتر ہے کہ قرآن پاک جو صدیق اکبرؓ نے تیار کروایا تھا کی نقلیں بنا کر تمام ممالک میں بھیجی جائیں اور لوگوں پر واضح کیا جائے کہ آئندہ لکھا ہوا قرآن پاک سن لینے کے بعد جب بھی لکھا جائے تو نقلیں صرف اسی قرآن پاک سے بنائی جائیں جو حضرت عثمانؓ نے سب ممالک میں بھیجیں گے۔

کتابت اور اشاعت

چنانچہ اس کام کیلئے تین قریشی نوجوان جناب عبداللہ بن زبیرؓ، جناب عبدالرحمن بن عمارت اور جناب سعید بن العاص کو مقرر کیا گیا اور چوتھے جناب زید بن ثابت انصاریؓ تھے جو کاتب وحی تھے اور پہلا قرآن پاک جو صدیق اکبرؓ نے تیار کروایا تھا اور انہی نے لکھا تھا اور اس وقت ام المومنین حضرت حفصہؓ کے پاس موجود تھا۔ ظاہر ہے کہ اُس وقت جناب عبداللہ بن زبیرؓ انفریقہ کے جہاد سے واپس آچکے تھے اور جناب سعیدؓ کو بھی کوئٹہ سے بلا یا گیا ہوگا۔ ہمارے پاس یہ تفصیل موجود نہیں ہے۔ دراصل اُس زمانے کے لحاظ سے یہ ایک عام سی بات تھی کہ شاہد عظیم صحابہ کرام کو چھوڑ کر عام آدمیوں نے اس طرف زیادہ دھیان بھی نہ دیا کہ مسلمانوں میں کم از کم دس فی صدی لوگ حافظ



تھے اور یہ اندازہ جنگِ یامہ سے لگ سکتا ہے کہ بارہ سو مسلمان شہداء میں سے تین سو یعنی ایک چوتھائی تعداد حفاظ کی تھی۔ تو دس فی صد دلالت بات میں تو کوئی شک نہیں، بلکہ باقی مسلمانوں میں بھی اور ایسے صاحبانِ کانی تھے جن کو آدھا قرآن پاک یاد تھا۔ اور خیر کئی سورتوں کا یاد ہونا تو معمولی بات تھی۔

یہ جو نئے قرآن پاک لکھ کر بھیجے گئے تو ساتھ پرانے قرآن پاک ضائع کرنے کے احکام بھی تھے اور کچھ عرصہ کے لئے نئے قرآن پاک کا نام مصحفِ عثمانی ہو گیا۔ یہ صرف الفاظ کی بات تھی کہ پرانے قرآن پاک ضائع کئے جائیں اور ”مصحفِ عثمانی“ کو استعمال کیا جائے۔ ضائع کرنے کے بارے میں بھی کسی مبصرین نے جلادینے کے الفاظ استعمال کئے، لیکن ہم نے اپنے بزرگوں سے سنا تھا کہ پرانے قرآن پاک دفن کر دیئے گئے تھے اور اس کی روایت کے طور پر ہر محرم کے مہینے میں ہمارے مسجد کے مولوی صاحب ہیں ساتھ لے کر گھر گھر جاتے تھے کہ قرآن پاک یا عربی قاعدوں کے پرانے کاغذ ہم اکٹھے کرتے تھے پھر ان سب پرانے پاروں، یا کاغذوں کو ادب کے ساتھ لے جاتے تھے اور قبرستان میں ایک گڑھا کھود کر دبا دیتے تھے اور جب ہم نیا قرآن پاک یا سپارہ خریدتے تھے تو بھی ہمارے استاد حافظ اُس کا لفظ لفظ دیکھتے تھے کہ کہیں کوئی غلطی تو نہیں

قرآن پاک اور حضرت علیؑ

روایت ہے کہ حضرت علیؑ کی خلافت کے زمانے میں کوثر میں ایک شخص اٹھ کھڑا ہوا اور شکایت کی کہ حضرت عثمانؓ نے یہ مصحف کیوں جاری کیا۔ اُس کے شاید الفاظ یہ تھے کہ مصحفِ عثمانیؓ کی کیا ضرورت تھی۔ حضرت علیؑ نے اس شخص کو سختی کے ساتھ ٹوک دیا اور فرمایا کہ اللہ کے کلام قرآن پاک کو کسی ایک آدمی کے نام سے مت منسوب کرو۔ یہ کام حضرت عثمانؓ نے ہمارے مشورہ سے کیا اور اگر وہ یہ کام نہ کر جاتے تو حضرت علیؑ اپنی خلافت میں یہ کام از خود کرتے۔ اس کے بعد لوگوں نے لفظ ”مصحفِ عثمانی“ کو زیادہ استعمال نہ کیا، جس کسی نے یہ لفظ استعمال کیا تو وہ صرف سعادت کے لئے یا موازنے کے طور پر کیا کہ قرآن پاک ایک ہے ایک اللہ، ایک رسول، ایک قرآن اور ایک اُمت۔ ان چار چیزوں کو جدا نہیں کیا جاسکتا کہ یہ سب

تاریخ ابن خلدون سے کچھ لوگ مصحفِ صدیقی بھی کہتے تھے۔

ایک ہیں اور اللہ تعالیٰ کے بیان کے مطابق یہ لوح محفوظ میں ہے۔ لوح محفوظ کیا ہے ہم اس تفصیل میں نہ جائیں گے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے ان بیانات کو دنیادی زبان میں بیان کرنا ناممکن ہے جناب صدیق اکبرؓ کے زمانے میں جو قرآن پاک اکٹھا کیا گیا تھا اس کے بارے میں پوری امت کو معلوم تھا۔ اور اس زمانے میں ضروری نہیں کہ صرف ایک کاپی بنائی گئی ہو۔ کئی صاحبان نے اس سے نقل کی ہوگی۔ لیکن جب دوبارہ نقل کرنے کا سرکاری انتظام کیا گیا تو بہتر سمجھا گیا کہ اس قرآن پاک سے نقلیں تیار کی جائیں۔ جو جناب زید بن ثابتؓ نے لکھ کر جناب صدیق اکبرؓ کو پیش کیا اور جناب صدیق اکبرؓ، جناب عمر فاروقؓ کو دے گئے۔ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں امت میں وحدت رہی۔ یعنی سرکاری طور پر بھی وحدتِ فکر و وحدتِ عمل موجود تھی تو اللہ تعالیٰ نے جناب عثمانؓ کو یہ سعادت بخشی کہ یہ عظیم کام ان کے ہاتھوں سے کر دیا۔

یہاں ظاہر ہوتا ہے کہ چاروں خلفائے راشدین نے قرآن پاک کو ایک کر کے امت میں باقی رکھنے کی سعادت حاصل کرنی تھی۔ جناب صدیق اکبرؓ نے قرآن پاک کو ایک کتاب کی صورت دلوانا۔ جناب فاروقؓ اعظمؓ نے مشورہ دیا۔ جناب عثمانؓ نے اشاعت کرائی۔ جناب علیؓ نے پہلے ذاتی طور پر قرآن پاک اکٹھا کیا پھر جناب فاروقؓ کے مشورہ کی تائید کی کہ ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی تو تب جناب صدیق اکبرؓ نے یہ کام کیا۔ آخر میں جناب علیؓ کے مشورہ سے جناب عثمانؓ نے اشاعت کی اور کونہ میں ایک اعتراض والے کے اعتراض کو رد کر کے امت کے لئے وحدت کی نشاندہی کی۔

فوجی نظام سے موازنہ

یہ تھا اسلامی وحدتِ فکر کا عملی مظاہرہ۔ ہماری دنیادی فوج میں جب تک لوگ بھرتی ہو کر آتے ہیں تو ان کو ایک خاص تربیت دی جاتی ہے اور سبق ہوتا ہے "فوجی لفظوں کا ایک کرنا" یعنی سب جوانوں پر واضح کیا جاتا ہے کہ یہاں بھانت بھانت کی بولیاں نہ بولی جائیں گی ایک زبان ہوگی اور زبان اردو ہوگی۔ لہجہ فوجی ہوگا۔ ہر حکم یا کام کیلئے جو فوجی لفظ مقرر کیا جا رہا ہے وہی استعمال کئے جائیں گے۔ اور ساری فوج کو یہ عملی تربیت ڈرل کے طور پر پریڈ

گراڈڈ میں دسی جاتی ہے۔ اور احکام پر عمل کرنا سکھایا جاتا ہے۔ یہ ڈرل جرمنی کے اٹھارویں صدی کے بادشاہ فریڈرک اعظم نے مسلمانوں کی نماز، قرآن پاک کے امر بالمعروف، دہنی من المنکر سے اخذ کی۔ مسلمان میدان جنگ میں صف بندی اور حرکت کے جو طریقے اپناتے تھے، فریڈرک نے ان کو بھی ڈرل میں تبدیل کیا۔ بلکہ مسلمان امر اور جو تلوار ہاتھ میں لے کر اپنی صفوں کے آگے قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے۔ اس کی نقل کرتے ہوئے فریڈرک نے یہ طریقہ اپنایا کہ بڑی پریڈ جہاں جھنڈے وغیرہ عطا ہوتے تھے یا جھنڈوں کی عزت افزائی کی جاتی تھی وہاں اس نے افسروں کو حکم دیا کہ پریڈ سے پہلے افسر جب گراڈڈ میں اپنے دستوں کی کمانڈ سنبھال لیں گے تو بڑے افسر کے آنے تک تلوار ہاتھ میں لے کر ٹھٹھائی کریں گے۔ یہ طریقہ انگریزوں کی نقل میں آج بھی ہماری "ٹریننگ آف کمر" میں رائج ہے۔ تو ان تمام فوجی کارروائیوں میں مقصد فوجی لفظوں کو ایک کر کے وحدت کے طور پر اس پر عمل کرنا ہوتا ہے۔ یہی قرآن پاک سکھاتا ہے اور یہی اس کو ایک کرنے کا مقصد تھا۔ اسی وحدت کا اسلام کی ہر عبادت میں مظاہرہ ہوتا ہے۔

چنانچہ سورۃ بقرہ کی پہلی آیت ایسی ہے۔ جس میں ذکر ہے کہ یہ قرآن پاک ان پر ہیزگاروں کیلئے ہدایت ہے۔ جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ ایمان ایک اللہ، ایک سولہ اور ایک کتاب پر ہے۔ یہی وہ وحدت ہے جس کی قرآن پاک ہم کو ہدایت کرتا ہے کہ ہم ایک امت ہیں۔ اسلام نے کسی گروہ بندی کی اجازت نہیں دی۔ یہ بات ہم قارئین پر چھوڑتے ہیں کہ وہ فیصلہ کریں کہ آیا سیاسی پارٹیاں، مذہبی فرقے یا ٹریڈ یونینیں یا اس قسم کے دوسرے ادارے گروہ بندی کے تحت آتے ہیں یا نہیں؟ علامہ اقبالؒ نے تو اس سلسلہ میں یہ لکھا ہے۔

منعشت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک

ایک ہی سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک

نواں باب

آزادی فکر و آزادی عمل

اب ہم اسلام کی آزادی فکر اور آزادی عمل کے دور میں داخل ہوتے ہیں ہمارے
 والنور صبح دشام زور دے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرد کو آزاد پیدا کیا ہے۔ اس کے فکر و عمل
 میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالی جائے۔ اور جب کسی آدمی کو خراج تحسین پیش کیا جاتا ہے تو لکھا
 جاتا ہے کہ عجب آزاد مرد تھا۔ ہمارے عالم دین اپنے ناموں کے ساتھ "آزاد" کا لفظ ایک شخص
 کے طور پر شامل کرتے ہیں اور ہم اگر سیدھے طور پر یہ کہہ دیں کہ اسلام میں آزادی فکر و
 آزادی عمل کی حدود مقرر ہیں اور ہم ان سے باہر نہیں نکل سکتے، تو شور مچ جائے گا کہ یہ کون
 ہوتا ہے ہماری آزادی میں دخل دینے والا۔ بہر حال اپنا مدد کے لئے ہم علامہ اقبال کا سہارا
 لیتے ہیں کہ شاہد اس سلسلے میں ہمارے والنور اور نوجوان اس فلسفہ یا طریق کار کی گہرائیوں
 میں اتر سکیں۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں:

ہو فکر اگر خدام تو آزادی افکار

انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ !

بے شک حضور پاک محمد مصطفیٰ امین انسانیت ہیں اور آپ نے انسانوں کو انسان کی
 اسلامی سے نجات دلائی اور انسانیت کو اس کی عزت اور غیرت واپس دلائی۔ لیکن ساتھ
 ہی اللہ تعالیٰ کی حدود اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی نشاندہی بھی کر دی کہ انسان کو
 ان حدود کے اندر رہنا ہوگا اور فرد کی ذاتی ذمہ داریاں بھی اٹھانے کی گئیں کہ وہ معاشرہ میں کیسے کام
 کرے گا اور اس کے اصول مقرر کر دیئے اسلام نہ شتر بے ہمار بننے کی اجازت دیتا ہے نہ مادر پدر
 آزادی کی۔ لیکن جب انسانوں کو انسان کی غلامی سے چھکارا لیا گیا تو پہلے دو خلفائے راشدین کے
 زمانے میں تو لوگ من دین فطرت کی پابندی کرتے رہے لیکن حضرت عثمانؓ کے زمانے میں
 لوگ کچھ اپنے آپ سے باہر نکلنے شروع ہو گئے۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے پہلے آٹھ نو سال
 اسلام کا زریں دور تھا۔ مسلمان جب بھی کسی جنگ میں شریک ہوئے فتح یاب ہوئے۔ پریشانی

کا کوئی دور بھی نہ آیا۔ اور ہر لحاظ سے فکر مندی میں کمی آگئی۔ اگرچہ جناب صدیق اکبر کے زمانے میں سرحدیں کی وجہ سے مشکل وقت بھی آئے۔ پھر جب آپ بستر مرگ پر تھے تو اس زمانے میں جناب عثمانی قبضے حارت ایران کے محاذ سے آئے اور وہاں کے پریشان کن حالات بیان کئے۔ جناب عمرؓ کو نہ صرف ان حالات کے ساتھ بیٹھا پڑا، بلکہ بعد میں جس کی جنگ، قادسیہ کی جنگ اور یرموک کی جنگ وغیرہ بڑی مشکل اور صبر آزما کارروائیاں تھیں۔ حاکم وقت کے ساتھ مجاہدین بھی فکر مند ہو جاتے تھے لیکن حضرت عثمانیؓ کے زمانے میں حالات نے کبھی پریشان کن صورت اختیار نہ کی۔

زرا، زمین اور زنی تینوں کی بہتات تھی اور مسلمان اب حاکم تھے وہ ایسے مقامات اور محلات پر قبضہ کر چکے تھے، جہاں پر پہلی حکومتوں کے بادشاہ اور امراء رہتے تھے۔ قدرتی بات ہے کہ مسلمانوں کی طرز زندگی میں فرق آ رہا تھا ان کے لباس میں تبدیلی ہوئی اور کھانے پینے کے طریقوں پر اثر پڑا اور جب جہاد سے فراغت ہوئی، تو طرح طرح کی محفلیں لگنا شروع ہوئیں پھر ان محفلوں میں دہاں کے حالات واقعات پر تبصرے شروع ہوئے۔

آنے والے خطرات

حضرت عمرؓ ان خطرات کو بھانپ چکے تھے۔ وہ دولت کا سخت حساب رکھتے تھے جہاں پر کسی امیر کے پاس ایک پیسہ فالتو نظر آیا، اُس کو لے کر آپ بیت المال میں ڈال دیتے تھے۔ وہ ہر حکم نہایت سختی سے دیتے تھے۔ اور تمام امراء آپ کا نام سن کر کا پینا شروع کر دیتے تھے۔ دوسری کتاب میں ذکر ہو چکا ہے کہ جب لوگوں نے سنا کہ جناب ابو بکرؓ خلافت کے لئے جناب عمرؓ کو نامزد کر رہے ہیں تو وہ سخت گھبرا گئے تھے۔ اُس کتاب کے پانچویں باب میں ہم نے یہاں تک واضح کر دیا ہے کہ عظیم صحابی جناب طلحہ بن عبید اللہ جو عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ انہوں نے جا کر جناب ابو بکرؓ کے ساتھ سخت بحث کی کہ وہ مسلمانوں پر ایسے سخت آدمی کو امیر کیوں مقرر کر رہے ہیں۔

لیکن جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہوئے تو گھر گھر خوشی کی لہر دوڑ گئی اور یہی وجہ تھی کہ

حضرت عثمان رضی کی خلافت کے آٹھ سال کو زریں دور کہا جاتا ہے۔ کہ لوگ بے فکر ہو گئے جب بے فکری پیدا ہوئی تو ریے میں بھی تبدیلی آگئی۔ اس تبدیلی نے غور و فکر میں آزادی پیدا کر دی جگہ جگہ مجلس جمنہ شروع ہو گئیں۔ لوگوں نے گپ شپ لگانے کے طریقے وضع کر لئے اور ہر معاملے میں اپنی فکر کو خوب آزادی کے ساتھ استعمال کیا۔ کہیں سے کوئی پرستش نہ ہوئی اور لوگوں نے "افلاطون" بنا شروع کر دیا۔ ہر آدمی زندگی کے ہر پہلو اور ہر معاملہ پر رائے دینے لگ گیا اور اپنے آپ کو کچھ "سمجھنا" شروع کر دیا۔ دوسروں میں اس کو نقص نظر آنے لگے خاص کر امیر میں تو اسے کئی نقص نظر آتے اس نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اگر میں امیر ہوتا تو یہ کرتا۔ اب ان باتوں نے پھینا شروع کر دیا۔ کاناپھوسیاں اور چہ میگوٹیاں بحث و مباحثہ کی شکل اختیار کر گئیں۔

امراء کی تبدیلیاں

اس طرح ہر امیر کے خلاف جائز اور ناجائز شکایات کی بھرمار ہو گئی جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ جناب عثمان رضی نے امراء اور عاملوں میں تبدیلیاں بھی کیں۔ مصر میں جناب عمرو بن عاص کا حضرت عمر رضی نے پہلے محاسبہ کیا تھا ان کے پاس کچھ رقم نالتونکلی تھی وہ جناب عمر رضی نے بیت المال میں ڈال دی تھی اب حضرت عثمان رضی نے ان کو تبدیل کر دیا۔ کوفہ میں پہلے حضرت میسرہ بن شعبہ کو تبدیل کیا گیا۔ پھر جناب سعد بن ابی وقاص کو اور ان کے بعد جناب ولید بن عقبہ کے ساتھ جو کچھ ہوا اس کا ذکر بھی موجود ہے۔ تو اہل بصرہ نے سوچا کہ وہ پیچھے رہ گئے ہیں۔ انہوں نے جناب ابو موسیٰ اشعری کی تبدیلی کی گزارش کی تو وہ بھی حضرت عثمان رضی نے مان لیا۔ لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی کی خلافت کے آخری دنوں میں اہل کوفہ نے کہا کہ انہیں امارت کے لئے جناب ابو موسیٰ رضی چاہئیں۔ صرف امیر معاویہ رضی رہ گئے تھے کہ ملک شام میں کسی نے ان کے خلاف شکایت نہ کی۔ لیکن ایک گروہ مدینہ میں پیدا ہو گیا کہ آخر امیر معاویہ رضی کو شام میں اتنے عرصہ سے عامل کے طور پر کیوں رکھا جا رہا ہے اور جب امیر معاویہ رضی کے خلاف کوئی الزام نہ مل سکا تو لوگ کہنے لگے کہ وہ جو کچھ چاہتے ہیں کرتے ہیں اور حضرت عثمان رضی ان سے کوئی باز پرس نہیں

کرتے وہ کیا غلط کام کرتے تھے اس سلسلے میں کسی راوی یا مورخ نے کچھ نہیں کہا تو ظاہر ہے
یہ سب کچھ کسی سازش کا نتیجہ تھا۔

اعتراضات

اب حالات کچھ عجیب صورت اختیار کرتے جا رہے تھے۔ جہاں پر لوگوں کی بات مان لی جاتی
تو کچھ دن امن رہتا۔ لیکن پھر وہی بے ڈھنگی چال شروع ہو جاتی اور جہاں لوگوں کی بات نہ
مانی جاتی وہاں پر لوگ تمام تر ذمہ داری خلیفہ وقت کے سر تھوپ دیتے کہ خلیفہ بڑے کمزور ہیں
ہم نے واضح کر دیا ہے کہ جناب عثمان رضی تو جلد ہی تبدیلی بھی کر دیتے تھے۔ لیکن آخر خلیفہ کی
بھی کچھ ذمہ داریاں تھیں ان کے بھی ذرائع اور ضرورتیں تھیں۔ وہ ہر معاملہ میں لوگوں کے آگے
کیسے جھک جاتے۔ لوگ تو اعتراض کرتے ہی رہتے تھے۔ جناب عمرؓ نے جب جناب خالدؓ کو
بکھنسی کیا تو کچھ لوگوں نے مسجد نبویؐ میں اعتراض کیا تو حضرت عمرؓ نے ان کو خاموش کر دیا پھر
یمن سے چار روں کے سلسے میں حضرت عمرؓ پر اعتراض کیا گیا۔ اور یہ ہماری تاریخ کا حصہ ہے
لیکن راقم کو اس واقعہ کی صحت اور الفاظ پر شک ہے۔

تبصرہ علامہ عنایت اللہ مشرقی نے اس کہانی پر بہت کچھ لکھا ہے کہ وہ کون بد قسمت تھا

جس نے جناب فاروق اعظم رضی عظیم صحابی پر اعتراض کیا۔ اور راقم نے ساری تاریخیں
پہچان ماریں کہ کسی پرانی تاریخ میں اعتراض کرنے والے کا نام ل جائے۔ لہذا بعد کی تاریخوں میں
کسی ایک آدمی نے جناب سلمان فارسیؓ کا نام لیا ہے کہ یہ اعتراض انہوں نے کیا تھا۔ اول تو
حضرت عمرؓ کے خلیفہ بننے کے بہت بعد بعد جناب سلمانؓ ایران کے محاذ پر چلے گئے اور حضرت
عثمانؓ کے زمانے میں وہیں فوت ہوئے۔ آپ مائن کے نزدیک ایک جگہ دفن ہیں جو آپ ہی
کے نام سے آج سلمان پاک کے نام سے موسوم ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ کیا جناب سلمانؓ عظیم
صحابیؓ کو جناب عمرؓ کے انصاف پر شک ہو سکتا تھا۔ چنانچہ ہمارا خیال ہے کہ یہ کہانی آزادی
فکر والوں نے بعد میں گھڑ لی۔ کہ حضرت عمرؓ پر بھی اعتراض ہو سکتا تھا۔ اور ہم نے اس لئے مان
لی کہ اس میں جناب عمرؓ کی بڑائی تھی۔

دینِ فطرت کے اصول

چنانچہ دینِ فطرت نے اس سلسلے میں کچھ قوانین اور ضابطوں کی نشاندہی کی ہے اور حضور پاکؐ نے زندگی کے ہر معاملہ پر زبانی اور عملی روایات چھوڑی ہیں ان روایات کو صرف حکومت ہی جاری دساری کر سکتی ہے نہ کہ عوام۔ امیر کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کا پابند ہو۔ اس کے بعد امیر کے احکام کو بغیر کسی چون و چرا کے یا حجت کے مانا جائے۔ اگر حکومت کا فیصلہ صحیح نہ بھی ہو تو حکمِ عدول کی کوئی گنجائش نہیں۔ ہم مسلمان اُمّتِ صدقنا کے قائل ہیں اگر ہمیں حکومت کے احکام میں کوئی خالی نظر آتی ہے تو ہمارا کوئی حق نہیں کہ ہم ان احکام کا مذاق اڑائیں یا قانون کو اپنے ہاتھ میں لیں۔ اول تو عوام کو حکومت کے حالات کا پتہ ہی نہیں ہوتا اس لئے احکام کے فلسفہ کو سمجھنا عوام کے بس کی بات نہیں۔ اگر واقعی حکومت کا کوئی حکم ناقابلِ عمل ہو یا بالکل بوجہ ہو تو عوام حکومت کو آگاہ کریں ان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ حکومت کے احکام نہ مائیں۔

اسلام اس چیز کی بالکل اجازت نہیں دیتا کہ لوگ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ اسلام بنادت کی اجازت بھی نہیں دیتا۔ اسلام میں تمام اختلافات کو مسجدوں کے اندر بیٹھ کر نپٹانے کے احکام ہیں۔ اور اختلافات کو بازاروں میں لے جانے کی اجازت نہیں ہے۔ اسلام کے اجتماعی فلسفہ حیات کا ایک ستون اطاعت پر ہے اور دوسرا ربط و ضبط پر جس کی لاشیٰ اُس کی بھینس والا معاملہ اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔ اور اسلام میں کسی "یا کتٰن" کی اجازت نہیں۔

قارئین نے پچھلے ابواب میں ضرور اندازہ لگایا ہو گا کہ لوگ بے جا اور ناجائز اعتراضات کر رہے تھے۔ پہلے جگہ جگہ امراء کی تبدیلی کے لئے شور مچایا اور جب اس میں کچھ کامیابی ہوئی تو لوگوں نے خلیفہ وقت کو تبدیل کرنے کیلئے فتنہ شروع کر دیا۔ دراصل فتنہ پسند یا شرارت پسند لوگ تعداد میں زیادہ نہ تھے۔ لیکن سازش سخت گہری تھی اور عوام کو گمراہ کیا جا رہا تھا۔ کئی لوگ اسلام میں

م۔ ایک ایسا علاقہ ضلع ہزارہ سوات اور چلاس کے درمیان موجود ہے۔ ان کے

معاشرتی حالات کا مطالعہ بڑا دلچسپ رہے گا۔ اہل یورپ بھی دیکھ کر حیران رہ گئے

داخل ہو چکے تھے۔ لیکن دل سے مسلمان نہ تھے اور اندر ہی اندر ہی اسلام کی جڑوں کو کھوکھلا کرنا چاہتے تھے۔ ہرمزان اور حیرہ کے عیسائی جفینہ کا ذکر ہو چکا ہے۔ ابو زبیر شاعر نے جناب ولیدؓ کو ہدف بنوایا اور کوفہ کے گرد و نواح میں تو کافی لوگ پیدا ہو چکے تھے جو شہادت پر تلے ہوئے تھے اور ہر نساہ کی بنیاد وہی ہوتے تھے۔ لیکن ایک شخص خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ یہ عبداللہ بن سبا تھا۔

عبداللہ بن سبا

عبداللہ بن سبا جو السودا کے نام سے بھی مشہور تھا پہلے یہودی تھا اور حضرت عثمانؓ کے زمانے میں مسلمان ہو کر مدینہ شریف میں قیام پذیر ہوا۔ اس نے لوگوں کے عقائد کو خراب کرنے کی عجیب و غریب طرح سے کوشش کی۔ کہنے لگا کہ حضرت عیسیٰؑ اگر دینا میں واپس آسکتے ہیں تو حضور پاکؐ جو نبیوں کے سردار ہیں کیا وہ واپس نہ آئیں گے؟ نہیں حضور پاکؐ دنیا میں ضرور واپس آئیں گے اور ایسی باتوں پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ کئی لوگوں کو یہ بات پسند آئے اور انہوں نے اس بات کو مان لیا۔ گو عبداللہ کی حضور پاکؐ کے لئے غلامی اور عقیدت کی اس بات کو بڑا سراہا گیا کہ لیکن چونکہ ہمارے آقاؐ نے اپنے بارے میں کوئی ایسی بات نہ فرمائی۔ اور دینا کو قید خانہ سے تشبیہ دی۔ تو ہم یہ بات کیسے مانیں۔ کہ ہمارے آقاؐ نے فرمایا۔ موت کے بعد مومن کی طاقتیں ستر گنا بڑھ جاتی ہیں۔ تو اس دینا میں کیا رکھا ہے۔ علاوہ صحیح بخاری کی احادیث سے واضح ہے کہ حضور پاکؐ حاضر و ناظر ہیں تو پھر اور کیا ضرورت ہے۔

عبداللہ بن سبا کو پہلی سازش میں کچھ کامیابی ہوئی تو اس نے ایک اور شورش چھوڑا۔ کہ حضرت علیؓ و ابیہ الارض ہیں اور آخر زمانے میں زمین سے نکلیں گے۔ اسی وجہ سے حضور پاکؐ نے ان کو ابوتراب کا خطاب دیا۔ خیر یہ بات تو صحیح ہے کہ العیشرہ کی مہم میں حضور پاکؐ نے حضرت علیؓ کو ابوتراب کے نام سے پکارا کہ پسینہ آیا ہوا تھا کہ حضرت علیؓ ایک جھاڑی کے

سایہ میں سو گئے۔ ہوا چلی تو چہرہ اور بدن پر مٹی کی تہ جم گئی۔ حضور پاک کا دہاں سے گزر رہا تو حضرت علیؓ کو جگایا اور فرمایا کہ اے ابو تراب۔ یعنی مٹی کے باپ یہ اپنے ارد گرد اتنی مٹی کیسے اکٹھی کر لی۔ یہ تو ایک واقعہ تھا۔

دَابَّةُ الْأَرْضِ

دَابَّةُ الْأَرْضِ کا ذکر قرآن پاک میں ہے۔ لیکن جہاں تک ہم نے اس لفظ کو سمجھنے کی کوشش کی ہے اور مفسرین کے بیان پڑھے ہیں تو قرآن پاک کے الفاظ دَابَّةُ الْأَرْضِ کی تفسیر یہ ہے ”کہ جب لوگ آیات ربانی سے روگردانی کر جائیں گے تو زمین سے ایک جانور نکلا جائے گا جو لوگوں سے باتیں کرے گا“ مفسرین نے تو استعاروں کے ذریعے آخری زمانے کی مخلوق کی طرف اشارے کیے ہیں کہ یہ اُن کا ذکر ہے۔ اسلام نے انسان کو اشرف المخلوقات کے نام سے یاد کیا اور انسان کو جانور یا حیوان لغوی طور پر کبھی نہ کہا گیا۔ ہاں البتہ خراب کردار کی صورت میں تو انسان کو جانور سے بدتر بھی کہا گیا ہے۔ لیکن پھلی کئی صدیوں سے اہل مغرب تو انسان کو حیوان یا جانور ہی کہہ رہے ہیں۔

تنبہ مغربی تعلیم کے ایسے بُرے اثرات ہونے ہیں کہ ہمارے لوگوں میں بھی اسلام سے نابلد لوگ، اسی رویہ میں بگئے ہیں۔ اور ہمارے علماء ہمارے نلسفہ حیات کو موجودہ سائنس اور ٹیکنیکی زبان میں بیان نہیں کرتے سورۃ رَحْمٰن میں ہے۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ۔ اب اسی ترتیب سے ان آیات کے معنی کریں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قرآن پاک کا علم یا روشنی پیدا کی۔ جس کے لئے ہمارے نقرانے حضور پاکؐ کا نور پاکؐ کی آمد کی روشنی کے الفاظ استعمال کئے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کی کہ انسان ہی کائنات کا مرکز ہے جب انسانی تافلہ اس دنیا یا کائنات سے گزر جائے گا تو یہ دنیا پیٹ لی جائے گی۔ اس کی تفصیل چوتھی کتاب میں ہے۔ لیکن یہاں پر ہم یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ اہل مغرب یا ہندو انسان کو کائنات کا مرکز نہیں مانتے بلکہ ایک عام حیوان سمجھتے ہیں اور اس چھوٹی سی دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ اور اپنے ملک کو مادرِ وطن کہتے ہیں۔ دنیا کی ارد دھرتی کی پوجا کرتے ہیں اور

میری ماں دھرتی کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اُن کے حباب سے انسان زمین کا ایک کیرا ہے۔ ہمارے بزرگوں نے روحِ انسانی کو ایک پرندے سے تشبیہ دی ہے۔ جس کا آشیانہ عرش پر ہے۔ اور جو موت پر اپنی منزل کی طرف پرواز کرتا ہے۔ اس خاکدان میں اُس کا بسیرا عارضی ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو منطق الطیر کی تعلیم دی گئی۔ حضرت زبیر الدینؓ مطار رحمۃ اللہ نے اپنی ایک کتاب کو منطق الطیر کا نام دیا۔ اسلام کی ساری تعلیمات کو منطق الطیر کہا جاسکتا ہے کیونکہ ان تعلیمات کے مطابق عابد و معبود کے درمیان ایک تعلق استوار کرنا ہوتا ہے تاکہ موت کے بعد انسان اپنی منزلیں خوش اسلوبی سے طے کرے۔

امام حسنؓ کی رائے

زمین یا مادہ پرستی کو اسلام نے ناپسند کیا اور خالص دابۃ الارض یعنی زمین کے اندر سے پیدا ہونے والی چیز کو جانور کے نام تو دیئے جاسکتے ہیں لیکن اس کو انسان کے ساتھ تشبیہ دینے والی بات کو ہمارے بزرگوں نے پسند نہیں کیا۔ اس لئے ہم نہیں چاہتے کہ جناب علی المرتضیٰؓ کو اس سے تشبیہ دی جائے۔ لیکن عبداللہ بن سبائے جناب علی المرتضیٰؓ کی وفات کے بعد ایک نیا شوشہ اور چھوڑا کہ جناب علیؓ کے ساتھ لوگوں نے انصاف نہیں کیا۔ اُن کو زمین سے بھرنے والا جلائے گا اور دوسری دفعہ اُن کو اُن کے پورے حقوق ملیں گے اور وہی دابۃ الارض ہیں۔ لوگوں نے اس بات پر یقین کر لیا اور امام حسنؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو طبری کے مطابق امام حسنؓ یہ سب بات سن کر سخت ناراض ہوئے۔ اور یہاں تک فرمایا کہ حضرت علیؓ کی وفات کے بعد ان کی بیویوں نے دوسرے نکاح کر لئے ہیں۔ اگر کوئی ایسی بات ہوتی تو وہ کیسے دوسرا نکاح کرتیں یا ہم ایسا کرنے کی اجازت دیتے۔ بلکہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جناب علیؓ نے کبھی اس شخص یعنی عبداللہ بن سبا کو منہ نہ لگایا تھا۔

عبداللہ بن سبا کی سازش

عبداللہ بن سبا نے جب سازش شروع کی۔ تو پہلے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حقوق کی بات کی

اور اس بات کو اس طرح آگے بڑھایا کہ حضرت عثمانؓ اور ان کے خاندان کو غاصب قرار دینا شروع کر دیا۔ اور قبیلوں یا خاندانوں میں جھگڑا کرنے والا پہلو جو زمانہ جہالت میں موجود تھا اُس کو عبد اللہؓ نے دوبارہ شروع کر دیا۔ حالانکہ جنگِ بدر نے سب نیلے کر دیئے تھے اور باقی جو کس تھی وہ حضور پاکؐ نے آخری خطبہ میں پوری کر دی تھی کہ تمام خاندان برتریوں کو ختم کرنے کا اعلان فرمایا تھا۔ عبد اللہ بن سبا کی سازش حضرت عثمانؓ کے خلاف تو خوب چلی کیونکہ لوگ فطرتاً حکومت کے خلاف بات سننے کو تیار ہو جاتے تھے۔ لیکن عبد اللہ کو معلوم تھا کہ نفرت کو مکمل کرنے کے لئے پہلے دو خلفائے راشدین کو بھی غاصب کہا جائے تو تب معاملات اس کی مرضی کے مطابق ہوں گے اور وہ مسلمانوں میں کفر سے تفرقہ پیدا کر سکے گا۔ چنانچہ اس نے گڑے مڑے اکھاڑنے شروع کر دیئے۔ کہ حضور پاکؐ کی وفات کے وقت سے لوگ گمراہ ہو گئے تھے۔ کہ حضرت علیؓ کو ان کا حق نہیں دیا اور بنو امیہ کو آگے لانے والے جناب عمرؓ ہیں کہ انہوں نے جناب علیؓ کو شام کی امارت دی۔ عبد اللہ بن ابی سرح کو مصر میں ایلیات کے کام پر لگایا۔ ولید بن عقبہ کو جزیرہ کی امارت دی۔ سعید بن العاص کی پرورش پر توجہ دی۔ وغیرہ اس لئے عبد اللہ بن سبا ملک شام کی طرف چلا گیا کہ سب سے پہلے جناب معاویہؓ کے خلاف وہاں پر ایک محاذ تیار کرے۔

عبد اللہ کی جناب ابوذر غفاریؓ سے ملاقات

جناب ابوذر غفاریؓ عرصہ سے ملک شام میں جہاد میں مصروف تھے۔ دوسری کتاب میں بھی آپؓ کا ذکر ہو چکا ہے۔ اور قبرص کی فتح میں بھی آپؓ شامل تھے۔ بلکہ سکندریہ کی پہلی فتح کے وقت آپؓ مصر کی فوج میں شامل تھے۔ لیکن اب جہاد میں جمود آ گیا تھا۔ لیکن جناب ابوذر غفاریؓ نے ایک اور محاذ پر جہاد شروع کر دیا تھا۔ جناب ابوذرؓ تقویٰ میں اپنی مثال نہ رکھتے تھے اور پہلی دو کتابوں میں جب آپؓ کا ذکر آیا تو گزارش کی تھی کہ آپؓ کے سلسلہ میں تفصیلی حالات تیسری کتاب میں لکھے جائیں گے۔ اب جناب ابوذر غفاریؓ نے لوگوں کو جہاد بالنفس کی تلقین کرنے کے لئے ایک محاذ کھول دیا تھا کہ مال و دولت کا طمع نہ کیا جائے وغیرہ۔

ابن ماجہ شام پہنچا تو اُس کی ملاقات جناب ابوذر غفاریؓ کے ساتھ ہوئی۔ اور جب

جناب ابوذرؓ نے بتایا کہ لوگ کس طرح طمع میں پڑ چکے ہیں تو ابن سبیت خوش ہوا اور کہنے لگا کہ اس کے ذمہ دار امیر معاویہؓ ہیں۔ وہ جو بیت المال میں دولت اکٹھی کرتے ہیں اُس کو بعد میں اپنے خاندان کے لئے استعمال کریں گے اور عام مسلمانوں کا حق ختم کرنے کے لئے اس کا نام اللہ کا مال رکھا دیا ہے۔

جناب ابوذرؓ کا غصہ

جناب ابوذرؓ نے جب یہ سنا تو اُن کو غصہ آگیا اور وہ فوراً جناب معاویہؓ کے پاس پہنچے اور اُن کے ساتھ الجھ پڑے۔ لیکن جناب معاویہؓ اولین صحابہ کرام کی بہت زیادہ عزت کرتے تھے۔ انہوں نے جناب ابوذرؓ کو عرض کی کہ آئندہ اس کو مال المسلمین کہ دیں گے۔ ویسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اللہ کا مال بھی مسلمانوں کا مال ہے اور مسلمانوں کے مال دجان بھی اللہ کے ہیں۔ جناب ابوذرؓ کو کچھ تسلی تو آئی لیکن ابن سبائے نے کہا کہ یہ سب کہنے والی باتیں ہیں۔ دل میں کچھ اوجھ ہے۔ لوگوں کو دیکھو تو سہمی وہ کس شان و شوکت سے رہتے ہیں۔ ابوذرؓ پہلے بھی لوگوں کو سادگی اختیار کرنے کی تبلیغ کرتے رہتے تھے۔ اور جناب فاروقؓ جو جناب خالدؓ اور جناب یزیدؓ پر برس پڑے تھے اس کا حوالہ بھی دیا کہ ایسا نہ کیا جائے۔ لیکن لوگوں کا کہنا تھا کہ جناب خالدؓ اور جناب یزیدؓ نے اپنی حالت کی رخصت کر دی تھی اور اس کے بعد حضرت عمرؓ نے کچھ نہ کہا تھا۔ لیکن ابوذرؓ کو یہ طور طریقے ناپسند تھے۔ کچھ ابن سبائے نے کام کیا اور جناب ابوذرؓ نے لوگوں کے ساتھ الجھا شروع کر دیا۔ یعنی زیادہ سختی سے منع کرنے لگے۔ چنانچہ امیر معاویہؓ کی سفارش پر جنابؓ نے جناب ابوذرؓ کو مدینہ طلب کر لیا اور انہوں نے اسلام میں اطاعت امیر کے اصول کے تحت یہ حکم مان لیا۔ اب ابن سبائے نے سازش کو اور آگے بڑھایا کہ سبھی بات کرنے والے کیلئے کوئی ٹھکانہ بھی نہیں ہے کہ دیکھو جناب ابوذرؓ کو شام سے نکال دیا گیا ہے۔

جناب ابوذرؓ مدینہ میں

بہر حال جب جناب ابوذرؓ مدینہ شریف پہنچے تو حیران رہ گئے یہاں پر بھی حالات اور معاملات تبدیل ہو چکے تھے۔ مدینہ وہ پہلا مدینہ نہ تھا۔ بہت کم صحابہ کرامؓ مدینہ شریف

میں باقی رہ گئے تھے اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا ان کے خاندان کے لوگ دوسرے ملکوں میں جا چکے تھے۔ کافی غیر ملکیوں اور کارگیروں نے مدینہ میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ غلاموں کی تعداد کافی تھی اور محباً ہدین مسلمانوں کو آزاد کرتے رہتے تھے لیکن غازی سے پھرتے ہی اور غلام آجاتے تھے۔ آزاد شدہ غلام بھی مدینہ ہی میں رہائش اختیار کر چکے تھے۔ مال و دولت کا بھی کوئی کمی نہ تھی۔ کچھ لوگ بہت امیر ہو چکے تھے لیکن غریب لوگ بھی تھے۔ جو چیز جناب ابوذرؓ کو سخت ناپسند آئی وہ یہ تھی کہ لوگ مال و دولت اکٹھا کرتے تھے اور اپنے غریب ہمسایہ کی پروا نہ کرتے تھے۔ غریب بھی کچھ خود غرض تھے اور ان کے دلوں میں اپنے ہمسایوں کی یا مہربانی کرنے والوں کی وہ عزت نہ تھی۔ یعنی جناب ابوذرؓ نے حضور پاکؐ کے زمانے میں مسلمانوں میں جو ربط و ضبط دیکھا تھا یا جس طرح مسلمانوں کے دل جڑتے ہوئے تھے وہ بات ختم ہوتی نظر آتی تھی۔ چنانچہ جناب ابوذرؓ نے کھلم کھلا تبلیغ شروع کر دی کہ مسلمانو! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ اور حضرت عثمانؓ کے سامنے جب مجلس میں یہ بات کی۔ تو جناب کعبؓ نے کہا کہ ”جس نے اپنے فرائض ادا کر دیئے اس نے گویا کل حقوق اللہ ادا کر دیئے“

کعب پہلے یہودی تھے اور نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے وہ بڑے اعلیٰ پایہ کے عالم تھے۔ تو جناب ابوذرؓ سخت ناراض ہوئے اور اس کو دبوچ لینے پر بھی تیار ہو گئے تھے کہ یہ اسلام کے چند فرائض پر اکتفا کرنے والا کون ہوتا ہے۔

لیکن جس چیز سے جناب ابوذرؓ غفارؓ کی کو زیادہ تکلیف ہوئی وہ کاناپھوسیاں اور نجی مجلسیں تھیں۔ اس سلسلے میں کچھ لوگوں کے خفیہ اڈے بھی تھے کہ وہاں ہر قسم کی مجلسیں لگائی جاتی تھیں۔ اور کوئی چیز حکومت سے حاصل کرنا ہوتی تھی تو وہاں کچھ عیسیٰ پکتی تھی کہ کیا طریقہ اختیار کیا جائے کسی کے خلاف محاذ بنانا ہوتا تو بھی ایسے مقامات پر صلاح و مشورہ ہوتا اور تمام گروہ بندیوں کی بنیاد لیے ہی خفیہ اڈوں میں باندھی جاتی۔ عبداللہ بن سبا کے پھیلائے ہوئے عقائد بھی وہاں پر زیر بحث آتے تھے۔

چنانچہ جناب ابوذرؓ نے جناب عثمانؓ سے عرض کی کہ ان کو مدینہ سے باہر رمدہ کے مقام پر رہنے کی اجازت دی جائے کہ حضور پاکؐ نے فرمایا تھا کہ جب مدینہ کے مکانات سلج پہاڑی

تک پہنچ جائیں یا مدینہ کی عمارتیں خفیہ اڈے بن جائیں تو تم وہاں سے نکل جانا۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ اپنے آقاؐ کا حکم سر آنکھوں پر اور اُس کی ضرورتیں کی جائے گی لیکن لوگ کہیں گے کہ خلیفہ نے جناب ابوذرؓ کو جلا وطن کر دیا یا مدینہ بدر کر دیا۔ لیکن جناب ابوذرؓ نے فرمایا لوگ خواہ کچھ کہیں وہ مدینہ میں نہیں رہ سکتے۔ تو حضرت عثمانؓ نے پھر بھی کوشش کی۔ جناب ابوذرؓ مدینہ میں رہیں اور فرمایا کہ لوگ یہ تو کہیں گے، کہ حکومت کے حالات اتنے خراب تھے کہ جناب ابوذرؓ جیسے آدمی گوشہ نشین ہو گئے۔ لیکن جناب ابوذرؓ نے فرمایا کہ وہ اپنے آقاؐ کا حکم مانیں گے اور مدینہ کو چھوڑنے پر تیار ہو گئے جناب عثمانؓ نے جناب ابوذرؓ کا وظیفہ مقرر کیا، در خدمت گارا اور ایک ادب دیا اور جناب ابوذرؓ رتبہ چلے گئے۔ اور وہیں پر آپؐ نے دنات پائی جس کا ذکر جلال مصطفیٰ میں موجود ہے۔

جناب ابوذرؓ اور اسلام

دیے تو سارے صحابہ کرامؓ چلتا پھرتا اسلام تھے۔ اور تاریخ کے اس با مقصد مطالعہ اور تحقیق میں ہم نے ان چاروں کتابوں میں صحابہ کرامؓ کی کارکردگی سے عملی اسلام پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اُن میں کوئی سپہ سالارِ اعظم تھا اور کوئی سپہ سالار۔ کئی امرا تھے اور کئی دستوں کے امیر تھے۔ لیکن اب ہم ایک سپاہی کی کہانی پیش کر رہے ہیں۔ اور عظیم سپاہی کی کہانی۔ انصاف تو یہ تھا کہ آپؐ کے احوال کو بھی جناب شعیب بن حارث کی طرح ایک الگ باب میں بیان کیا جاتا۔ لیکن آپؐ چونکہ ہماری ہر کتاب میں ایک طرح سے چھائے رہے کہ عاشقِ رسولؐ تھے۔ تو ہم نے آپؐ کے حالات کو واقعات کے تحت بیان کیا ہے۔ اور یہاں پر وہ واقعات بیان کریں گے جہاں مختلف حالات میں آپؐ نے ایک عملی مسلمان دالے رویہ کا مظاہرہ کیا۔ اور گہرے مطالعے اور تحقیق کے بعد ان عملی مثالوں سے امت کی کئی تفرقہ داری باتوں کو بھی ختم کیا جاسکتا ہے کہ ابوذرؓ بھی چلتا پھرتا اسلام تھے۔

جناب ابوذرؓ کی شان
آپؐ کے بارے ہمارے آقاؐ نے فرمایا "کہ ابوذرؓ سے زیادہ

سچے آدمی کو نہ زمین نے اٹھایا اور نہ آسمان نے سایہ ڈالا " آپ جناب ناظمہ زہرہ کے علاوہ دوسری شخصیت ہیں۔ جن کے کان میں بھری مجلس میں حضور پاکؐ نے سرگوشی کی۔ حالانکہ حضور پاکؐ نے ایسی سرگوشی سے منع فرمایا۔ لیکن ساتھ ہی فرمایا " کہ ہاں! میری بیٹی ناظمہ اور ابوذرؓ اس سے مبرا ہیں۔ جب جناب ابوذرؓ کسی گلی سے گزر رہے ہوتے اور جناب عمرؓ کا ان کے ساتھ سامنا ہو جاتا تو حضرت عمرؓ گلی میں دبک کر ایک طرف کھڑے ہو جاتے اور آپؐ کو پیچھے گزرنے کی گزارش کرتے۔

جناب ابوذرؓ کا اسلام لانا

جناب ابوذرؓ کا تعلق قبیلہ غفارت سے تھا۔ آپؐ نے اسلام سے پہلے کبھی کسی بت کی پوجا نہ کی تھی۔ آپؐ جب مکہ شریف! حضور پاکؐ کی تلاش میں آئے تو کئی روز بغیر کچھ کھائے آپؐ نے آب زمزم پر گزرا دیا۔ خانہ کعبہ میں جب جناب ابوذرؓ نے حضور پاکؐ اور جناب صدیق اکبرؓ کو دیکھا۔ تو آپؐ نے ان کو اسلامی طریقہ سے سلام کیا۔ یعنی "سلام علیکم" کے الفاظ کہے۔ حضور پاکؐ نے "وعلیکم السلام" کے الفاظ فرمائے اور ساتھ ہی مسکرا بھی دیئے۔ اور جناب صدیق اکبرؓ کو فرمایا کہ وہ ان کو مہمان ٹھہرائیں۔ جناب صدیقؓ نے آپؐ کی تواضع کشمکش سے کی۔ جو ابوذرؓ کے لئے ایک ماہ میں پہلا کھانا تھا۔ روایت ہے کہ آپؐ کا اسلام چوتھا یا پانچواں ہے کہ آپؐ تلاش میں مکہ شریف آئے تھے۔ باقی لمبی کہانی ہے۔ البتہ حضور پاکؐ نے فرمایا کہ اب کھجوروں دلی زمین میں مٹا اور جناب ابوذرؓ جنگ اُحد کے بعد مدینہ شریف پہنچے۔

جناب ابوذرؓ اور جہاد

اُس کے بعد حضور پاکؐ کے زمانے میں جہاد میں باقاعدگی سے شرکت کی۔ ایک دفعہ امارت طلب کی۔ حضور پاکؐ نے فرمایا "اے ابوذرؓ! جس نے اسلام میں امارت طلب کی۔ اُس کو نہ ملی" اُس کے بعد جناب ابوذرؓ ہمیشہ سپاہی رہے۔ دوسری کتاب اور اس

کتاب کے پہلے ابواب میں آپؐ کی جہاد میں بھرپور شرکت کا ذکر ہو چکا ہے۔

اطاعتِ امیر

آپؐ نے جہاد کے دوران نوجوانوں کے ماتحت کام کیا۔ اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ جب حضرت عثمانؓ کا حکم ملا کہ شام کے ملک سے واپس آجائیں تو ذرا دیر نہ لگائی اور آگے حالات کی وجہ سے مدینہ شریف کو بھی چھوڑ کر ربہہ کے مقام پر مد گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ ویسے اسلام گوشہ نشینی کے حق میں نہیں۔ لیکن جب نتنہ فسادات بہت زیادہ ہو جائے تو اس کی اجازت ہے۔ جناب ابوذرؓ خود بھی صاحبِ نظر تھے اور حضور پاکؐ آپؐ کے لئے اس زمانے کی نشاندہی بھی فرما گئے تھے۔

حضور پاکؐ اور خلفائے راشدینؓ کے زمانے میں ہر محلہ، ہر بستی اور ہر گاؤں کا ایک امیر ہوتا تھا جو مسجد میں نماز کی امامت بھی کرتا تھا۔ ربہہ کے امیر جناب جاسعؓ تھے جو آزاد کردہ غلام تھے۔ جب جناب ابوذرؓ اس مسجد میں پہنچے تو جناب جاسعؓ پیچھے ہٹے اور جناب ابوذرؓ کو گزارش کی کہ وہ نماز کی امامت کرائیں۔ جناب ابوذرؓ نے فرمایا "آپ میرے بھی امیر ہیں آپ ہی امامت کرائیں میرے آقاؐ اور مجز صادقؓ حضرت محمد مصطفیٰؐ فرما گئے ہیں کہ امیر کی اطاعت کرو۔ خواہ کان اور ناک کس حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو!"

انہی دنوں حج کا وقت آگیا۔ جناب ابوذرؓ نے حضرت عثمانؓ سے اجازت چاہی کہ ان کو بھی حج پر جانے کی اجازت دی جائے۔ جناب عثمانؓ نے خود اس سال حج پر جا رہے تھے۔ اور مفسدین نے یہ بات پھیلادی تھی کہ حضرت عثمانؓ نے جناب ابوذرؓ کو مدینہ شریف سے دیس نکالا دے دیا ہے۔ اس لئے حضرت عثمانؓ یہ نہ چاہتے تھے کہ مکہ شریف میں حج کے دوران مفسدین اس بات کو اور اچھالیں۔ اس لئے انہوں نے جناب ابوذرؓ کو مشورہ دیا کہ وہ حج کی بجائے چند ماہ بعد عمرہ کر لیں۔ جناب ابوذرؓ نے اس مشورہ کو حکم کے طور پر مان کر اطاعتِ امیر کا ایک اور منطاب ہرہ کیا۔

فلسفہ نماز اور امت میں وحدت

چند ماہ بعد جناب ابوذر عمرہ کے لئے مکہ شریف گئے تو آپ کے گرد لوگوں کا جمگھٹا ہو گیا۔ اور باتوں ہی باتوں میں نماز عصر کا وقت ہو گیا۔ زائرن اور مشائخین نے آپ سے گزارش کی کہ آپ عصر کی نماز پڑھائیں۔ آپ نے فرمایا۔ وہ مسافر ہیں دو رکعت پڑھیں گے اور آپ میں سے اکثر لوگ متسامی ہیں۔ ان کو دو رکعت بغیر جماعت کے پڑھنا ہوگا۔ لوگوں نے عرض کی کہ جناب عثمانؓ تو مکہ شریف میں بھی چار رکعتیں پڑھ گئے کہ یہ بھی اپنا گھر ہے۔ آپ نے فرمایا۔ آپ لوگوں کو انہیں منع کرنا چاہیے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے جو چھوٹ دی ہے اس پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ بہر حال کافی باتیں ہوئیں اور آخر لوگوں نے آپ ہی کو امامت کے لئے کھڑا کر دیا۔ لیکن لوگوں کی حیرانگی کی کوئی حد نہ رہی جب آپ نے بھی چار رکعتیں پڑھیں۔ لوگوں کی پرسش پر آپ نے جواب دیا "اب غلیفہ وقت جو چار رکعتیں پڑھ گیا تو امت میں وحدت کے لئے ضروری ہے کہ میں بھی ایسا کروں ہاں یہ الگ بات ہے کہ میں اگر اس دن ہوتا تو حضرت عثمانؓ کو ایسا کرنے سے ضرور روکتا اس سلسلہ میں جنگ خندق کے بعد کا ایک بیان ضروری ہے۔ حضور پاکؐ نے صحابہ کرامؓ کو اسی دن بنو قریظہ کا محاصرہ کرنے کا حکم دیا۔ کہ گو عصر کی نماز کا وقت قریب تھا لیکن حکم تھا کہ اتنی تیزی سے جائیں کہ عصر کی نماز بنو قریظہ کے قلعوں کے باہر پڑھیں اب سورج غروب ہونے والا تھا اس لئے وقت کا لحاظ رکھتے ہوئے کچھ صحابہ کرامؓ نے عصر کی نماز راستہ میں پڑھ لی اور کچھ نے بنو قریظہ کے قلعوں کے باہر۔ بعد میں حضور پاکؐ سے پوچھا گیا کہ کون صحیح تھا۔ آپ نے فرمایا "دونوں گروہ ٹھیک تھے کہ دونوں کی نیت ٹھیک تھی۔ ہاں البتہ مشورہ کر کے ایک فیصلہ کر لیتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔"

یہ ہے اسلام کا فلسفہ نماز اور اطاعت امیر۔ ہم اس پر مزید تبصرہ نہ کریں گے سوائے اس کے کہ بروئے اس سلسلہ میں امت میں تفرقہ ڈالتے ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ نراط مستقیم پر لگائے۔

عبداللہ بن سبا اور ملک شام

ظاہر ہے کہ ملک شام سے جناب ابوذر غفاریؓ کے آجانے کے بعد۔ ابن سبا نے اور لوگوں کے سامنے فتنہ فساد کو بڑھانے کی کوشش کی۔ لیکن عظیم صحابی جناب عبادہؓ بن صامت اور جناب الوالدؓ نے اس کو پکڑ کر جناب معاویہؓ کے سامنے پیش کر دیا۔ تو جناب معاویہؓ نے ابن سبا کو شام بدر کر دیا۔ اور اس کے بعد ابن سبا کو فہ روانہ ہو گیا۔

کوفہ میں فساد

کوفہ کے بارے میں کوئی صحیح رائے قائم کرنا مشکل ہے کہ اس جگہ کی مٹی ہی ایسی ہے کہ وہاں ہمیشہ فساد ہوتا ہے۔ لیکن وہاں ہی پر حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہؓ جیسے عظیم صحابہ نے اسلامی درسوں کی بنیاد رکھی۔ اور امام اعظمؒ سمیت متعدد فقہانے وہاں سے اسلام کی روشنی کو پھیلایا۔ البتہ حضور پاکؐ نے جناب سعدؓ کے لئے فرمایا تھا کہ ان کی زبان بھی ملواری ہے اور انہی کو حق کے راستے میں پہلا تیر چلانے کی سعادت بھی حاصل ہوئی شاید جناب سعدؓ کی زبان سے یہ نکل گیا "کہ اہل کوفہ تم فتنہ سے باز نہ آد گے" تو اس کے اثرات بھی ہو سکتے ہیں کہ اہل کوفہ نے جناب سعدؓ جیسے عظیم صحابی کے خلاف غلط الزام لگائے۔ اس لئے کوفہ میں ہمیشہ کچھ نہ کچھ فسادات ضرورت ہوتے رہے۔ ہم جیسے باب میں لکھ چکے ہیں کہ کوفہ میں فتنہ و فساد شروع ہو چکا تھا۔ جناب سعیدؓ نے حضرت عثمانؓ کو اطلاع بھی دی تھی اور جہاد پر جانے کی وجہ سے حالات کچھ ٹھنڈے پڑ گئے تھے۔ لیکن جہاد سے واپسی کے بعد مجلسوں اور محفلوں میں بحث اب تفرقہ کا رخ اختیار کر چکی تھی۔ جناب سعیدؓ نے خلیفہ سوم کے پاس چند لوگوں کے نام لکھ کر بھیجے کہ وہ فتنہ سے باز نہیں آتے۔ ان میں اشتر نخعی، ابن ذی الجبکہ، جندب، صعصعہ، ابن الکواہرہ وغیرہ

یہی ابن الکواہرہ جیوں کا امیر بن گیا

شامل تھے۔ ان لوگوں کی آزادی فکر کی یہ حالت تھی کہ ہر بات کو بحث کا موضوع بنا لیتے تھے اور ہر چیز میں کیڑے نکالنا ان کی عادت میں شامل ہو چکا تھا

جناب عثمانؓ نے حکم دیا کہ ان تمام لوگوں کو ملک شام میں جناب معاویہؓ کے پاس بھیج دیا جائے۔ جو ان کی اصلاح کریں اور نگرانی بھی کہ دراصل یہ لوگ چاہتے کیا ہیں اور ان کے دل میں کیا بات ہے اگر یہ لوگ ٹھیک ہو جائیں تو بہتر در نہ ان کو شام سے میرے پاس مدینہ شریف بھیج دیا جائے۔ چنانچہ ان سب لوگوں کو ملک شام بھیجا گیا۔ اور جناب معاویہؓ ان کے ساتھ بڑے اخلاق کے ساتھ پیش آئے۔ ان کی خاطر مدارات کی اور ان کو اپنی مجلس میں شریک کیا۔ ان سے بات چیت کے بعد پتہ چلا کہ ان لوگوں کا خیال تھا کہ اہل قریش یا انصار اسلام میں اولین حیثیت تو ضرور رکھتے ہیں۔ لیکن زیادہ ملک اس وقت فتح ہوئے جب عراق اور کوفہ کے گرد نواح کے لوگ مسلمان ہوئے اور ان کے اسلام پر بڑے احسان ہیں۔ جناب معاویہؓ نے ان کو سمجھایا کہ اسلام پر احسان مت جاؤ۔ اللہ کا شکر کرو کہ اُس نے تمہیں اسلام کی خدمت کا موقع دیا ہے۔ یہ بات سن کر معصہ جناب معاویہؓ پر جھپٹ پڑا اور ان کی ڈاڑھی پکڑ لی جناب معاویہؓ نے اس کی حرکت پر درگزر کی اور فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے اہل شام نے یہ شہادت نہیں دیکھی

امیر معاویہؓ ویسے بھی بہت سنجیدہ انسان تھے۔ انہوں نے ان کی خوب نگرانی کی اور آخر اس نتیجہ پر پہنچے کہ ان لوگوں کے سر پہ بھوت سوار تھا۔ فتح اور کامیابیوں نے ان کے دماغ خراب کر دیئے تھے علم الکلام کے وہ پہلے ہی ماہر تھے۔ لیکن آزادی فکر کی یہ حالت ہو گئی ہے کہ وہ اپنے آپ کو انداطوں سمجھتے تھے اور ہر معاملہ میں اپنی ٹانگ ضرور اڑاتے۔

جناب معاویہؓ سمجھ چکے تھے کہ یہ لوگ لاعلاج ہیں۔ لیکن انہوں نے ایک اور کوشش کی کہ ان کو حمص میں جناب عبدالرحمنؓ بن خالد بن ولید کے پاس بھیج دیا۔ آپ حمص کے امیر تھے۔ اور جزیرہ اور رقبہ کے حاکم جن کا نام حراں تھا۔ ان کا بھی جناب عبدالرحمنؓ کے ساتھ رابطہ تھا۔ جناب معاویہؓ نے دونوں امراء کو خط لکھا کہ میں آپ کے پاس کچھ لوگوں کو بھیج رہا ہوں۔ ان کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کریں۔ یہ لوگ جاہلیت کے زمانے کے

باتوں کی طرف جارہے ہیں اور انہوں نے اپنی فکر کو آزاد کر دیا ہے۔ اور ہر بات کو بغیر سوچے سمجھے اس پر رائے دینا شروع کر دیتے ہیں۔ کسی چیز کی گہرائی میں بھی نہیں جاتے اور ہر بات میں ان کے ردِ عمل غلط اور تیز ہوتے ہیں۔ میں نے بہت کوشش کی کہ یہ لوگ اپنے آپ کو سمجھیں۔ اور اپنے آپ کو دینِ فطرت کی اجتماعی مفادات کے تابع کریں یہ لوگ حقوق العباد کو غلط معنی پہنائے پھرتے ہیں۔ ان کا یہ خیال ہے کہ بغاوت، سازش گتافی، فتنہ و فساد یا شور و غل سب حقوق العباد کے تحت آتے ہیں۔ اور کسی کے ساتھ الجھ پڑنے کو یہ غلط نہیں سمجھتے۔ احکام کو نبھانا یا ذمہ داری کو پورا کرنے والی بات ان کے ذہنوں سے نکل گئی ہے۔

جناب عبدالرحمنؒ کی شخصیت سے البتہ یہ لوگ کچھ مرعوب تھے کہ اللہ کی تلوار کے بیٹے ہیں۔ اور چونکہ جناب امیر معادؒ نے جناب عبدالرحمنؒ کو مکمل تصویر سے آگاہ کر چکے تھے۔ اس لئے جناب عبدالرحمنؒ نے بھی جب وہی باتیں کہیں جو جناب معادؒ نے کہ چکے تھے تو ان لوگوں پر کچھ اثر ہو گیا۔ اور سب سے توبہ کی۔ اشتر کو جناب عثمانؒ کے پاس بھیجا گیا کہ سب کی طرف سے معافی مانگے اور باقی کو ذمہ چھین گئے۔ اشتر مدینہ شریف میں حضرت عثمانؒ کے پاس حاضر ہوا۔ اور اپنے کئے پر پچھتایا۔ جناب عثمانؒ نے ان سب کو معاف کر دیا اور اشتر کو ذمہ چھینا گیا۔

یہ سب نتیجہ ہے غلط آزادیِ فکر اور آزادیِ عمل کا۔ اور بد قسمتی یہ ہے کہ جب زر زن اور زمین تینوں چیزیں میسر ہو جائیں تو لوگ اپنے آپ سے باہر نکل جلتے ہیں۔ اور وہ ضرور کچھ نہ کچھ کرنا چاہیں گے۔ یا تو وہ لیڈر بننے کی کوشش کریں گے۔ یا کوئی فساد کریں گے۔ یعنی ان میں "میں" آجاتی ہے اور وہ اپنی "میں" کو کسی طرح ضرور ظاہر کرنے کی کوشش کریں گے۔ علاوہ اس کے وہ زر، زمین اور زن حاصل کرنے کے زیادہ مشتاق نظر آئیں گے۔ اور جن لوگوں کے پاس یہ تینوں چیزیں ہوں تو دل سے وہ ایک دوسرے کے دشمن ہوتے ہیں ہر وقت ایک دوسرے کے خلاف حسد کی آگ میں جلتے رہتے ہیں اور سازش میں لگے رہتے ہیں۔ اور چھپے ہاتھوں سے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے میں لگ پڑیں گے وغیرہ۔ حضرت عمرؓ ایسے لوگوں پر کڑی نظر رکھتے تھے۔ حضرت عثمانؓ خود بہت دلدل

تھے اور ان کے دل میں کسی دوسرے کے لئے حسد نہ ہو سکتا تھا۔ وہ ہر ایمہ آذن کو اپنے معیار سے پرکھتے تھے۔ اور ان کی شرافت کو لوگوں نے کمزوری سمجھ لیا۔ اصل بات یہ تھی کہ حضرت عثمانؓ کو عضو آتا ہی نہ تھا۔ اس لئے وہ نہ تو سختی کرتے تھے اور نہ ہی سختی کرنا چاہتے تھے۔ بد قسمتی سے پچھلے چودہ سو سالوں سے یہ مسئلہ زیر بحث ہے اور ہمارے بیچ تفرقہ ڈالنے والے اس اختلاف کو آگے ہی بڑھا رہے ہیں اور جناب عثمانؓ کی شان کو سمجھنے کی بہت کم کوششیں ہوئی ہیں۔

جناب عثمانؓ کی شان

جناب عثمانؓ کی شان کو کوئی قلم بیان نہ کر سکے گا۔ حضرت علیؓ اس بات کے راوی ہیں کہ حضرت اُمّ کلثومؓ کی وفات کے بعد ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰؐ نے فرمایا کہ "بخدا اگر میری چالیس بیٹیاں ہوتیں اور ایک کے بعد دوسری کی وفات ہوتی رہتی تو میں ان کو یکے بعد دیگرے جناب عثمانؓ کے نکاح میں دیتا رہتا۔" یہی الفاظ آئی وسعت رکھتے ہیں کہ اور کچھ بیان کرنا سورج کو چراغ دکھانا ہے۔ کہ یہ ہمارے آقاؐ کے اپنے الفاظ ہیں۔ لیکن ذرا بیعت رضوان پر دھیان دیں جس کا نتیجہ فتح مبین کی صورت میں نکلا۔ حضور پاکؐ نے اور تو کسی کا بہ یا صحابیؓ کے لئے کبھی بیعت نہ لی۔ صرف اللہ اور رسولؐ کے احکام کی پابندی کے وعدہ کی بیعت لی۔ یا حضرت عثمانؓ کی شہادت کا بدلہ لینے کے سلسلہ میں بیعت لی۔ پھر جناب عثمانؓ کا مدینہ شریف میں بے پردہ کو خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دینا۔ جہاد کے لئے سامان مہیا کرنا وغیرہ۔ آپؐ کے ایک ایک عمل پر کئی مضامین لکھے جاسکتے ہیں۔ جہاں تک حیا کا تعلق ہے تو یہ لفظ ہی حضرت عثمانؓ کے نام سے وابستہ ہو گیا کہ ہمارے آقاؐ بھی حضرت عثمانؓ کے حیا کی وسعتوں کو بیان کر گئے۔ بہر حال حضرت عثمانؓ کے آخری زمانے کے واقعات اور آپؐ کی شہادت بھی اسی طرح بڑے وسیع مضامین ہیں اور اس پر ایک الگ کتاب لکھنے کی ضرورت ہے کہ کیا ہوا اور

ایسا کیوں ہوا؟۔ انوس کہ ایسے تجزیے کی طرف بہت کم دھیان دیا گیا ہے۔

حضرت عثمانؓ نے اپنی خلافت کے آخری سال اور آخری ماہ جس صبر کا مظاہرہ کیا اس کی تفصیل میں جانے کے بعد ہر مسلمان پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتا ہے۔ کہ حضور پاکؐ کے ایک عظیم رفیق کے ساتھ یہ برتاؤ کیا گیا اور وہ صبر کرتے رہے۔ آپؐ نے جو تکالیف برداشت کیں۔ ایسی تکالیف دینا کا کوئی حاکم بھی برداشت نہیں کر سکتا اور اس وقت دنیاوی لحاظ سے بھی وہ دنیا کے عظیم ترین بادشاہ تھے۔ اگر وہ چاہتے تو فتنہ فساد والوں کو ایک دن میں ختم کر سکتے تھے۔ کچھ مورخین اور راوی یہ تاثر بھی دیتے ہیں کہ شاید آخری دنوں میں حضرت عثمانؓ بے یار و مددگار ہو گئے تھے۔ مادر باغیوں کے خلاف کچھ نہ کر سکتے تھے۔ تو یہ بھی غلط ہے۔ اگر حضرت عثمانؓ جنگ کی اجازت دیتے تو اہل مدینہ تمام باغیوں کو تہس نہس کر دیتے۔ باغی یافتہ والوں کی تعداد ہزار ڈیڑھ ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ باقی سب تماشہ بین تھے یا تالیاں بجانے دلے تھے گو ان لوگوں کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ جب گڑ بڑ شروع ہوتی تو کس طرف جاتے اور ایسے لوگوں کے بارے میں آج بھی یہی حال ہے۔ لیکن ہمارا تجزیہ ہے کہ مدینہ شریف میں کافی سے زیادہ صحابہ کرامؓ اور ان کے خاندان کے لوگ موجود تھے۔ اگر حضرت عثمانؓ جنگ کی اجازت دے دیتے تو یہ باغی چند لمحے بھی نہ ٹھہرتے اور آگے ہم واقعات کے ساتھ اس نظریہ کو ثابت کریں گے۔

یہ فقط مشیت ایزدی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ ہمارے لئے اسباق پیدا کر رہا تھا کہ ہم اپنے عمل کے بارے میں سوچیں۔ ویسے اگر حضرت عثمانؓ باغیوں کو تہس نہس کر دیتے تو پھر یہ ایک روایت بن جاتی کہ ہر مسلمان امیر اپنے مخالفین کو معمولی بات پر تہس نہس کر دیتا ہے۔ اور آئندہ لوگ ایسے ڈر جاتے کہ صحیح بات بھی حاکم وقت کے سامنے پیش نہ کرتے۔ لیکن اگر حضرت عثمانؓ سخت کار بردائی کرتے تو اسلام میں اندھی آمسویت یا فرعونیت کا رواج پڑ جاتا۔ اس لئے حضرت عثمانؓ نے صبر سے کام لے کر آئندہ کے مسلمان امیروں کے لئے ایک نمونہ پیش کیا۔ کہ لوگوں کو فتنہ سے باز رکھنے کے سلسلہ میں تبلیغ کرو۔ انہیں سمجھاؤ اور نرمی سے پیش آؤ۔ لیکن ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے یہ تمجہ بھی نکال دیا کہ ایسے فتنے کے نتائج کیا ہوتے ہیں اور ان نتائج کے اثرات

کتے بھیا تک ہوتے ہیں۔ نتیجہ ظاہر ہو گیا کہ جب عوام اٹھ کر قومی معاملات کو اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں تو داخلی انتشار کس طرح پوری قوم کو ہلا کر رکھ دیتا ہے۔ ہم خود اپنے ملک میں تجزیہ کر چکے ہیں یہاں بھی گھبراؤ اور جلاؤ کے نعرے لگے لوگوں کو مکمل آزادی تھی۔ اور نتیجہ قوم کے سامنے ہے کہ ملک دو تخت ہو گیا۔

جو لوگ حضرت عثمانؓ کو مٹانا چاہتے تھے، انہوں نے کبھی یہ نہ سوچا کہ آگے کیا ہوگا۔ اور فتنہ والوں یا سازشیوں کو چھوڑ کر جو لوگ بے وقوفی سے ایسا کر رہے تھے، انہوں نے اتنا بھی نہ سوچا کہ حضرت عثمانؓ تو آخری عمر میں پہنچ چکے ہیں، ان کی طبیعت بھی دور نہ تھی، تو وہ خواہ مخواہ ہڑ بونگ کیوں بجا رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں ہر روز حکومت کی تبدیلی کا فلسفہ موجود نہیں ہے۔ حضرت عثمانؓ امارت سے دستبردار ہونے کو تیار نہ تھے کہ حضور پاکؐ آپ کو آنے والے واقعات سے آگاہ فرما گئے تھے۔

کچھ روایات طبقات ابن سعد کے مطابق ام یوسف بن مالک نے اپنی والدہ سے روایت کی کہ لوگ اُس حالت میں حضرت عثمانؓ کے گھر جاتے تھے جب تقریباً وہ محصور حالت میں تھے اور کہتے تھے کہ لباسِ خلافت اتار دیجیئے۔ آپؓ فرماتے تھے کہ میں اس کرتے کو نہ اتاروں گا جو مجھے اللہ تعالیٰ نے پہنایا۔ البتہ اس چیز سے باز رہوں گا۔ جسے تم لوگ ناپسند کرتے ہو عبدالرحمن بن جبیرؓ سے مروی ہے کہ حضور پاکؐ نے جناب عثمانؓ سے فرمایا کہ اللہ تمہیں ایک روز ایک کرتہ پہنائے گا۔ اگر منافقین تم سے اترا نا چاہیں تو تم اُسے کسی ظالم کیلئے نہ اتارنا۔

ابوسہلؓ مولائے جناب عثمانؓ سے مروی ہے کہ حضور پاکؐ نے اپنی بیماری کے زمانے میں فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ بعض اصحاب میرے پاس ہوں۔ جناب عائشہ صدیقہؓ نے عرض کی "یا رسول اللہؐ کیا میں جناب ابوبکرؓ کو بلاؤں" تو حضور پاکؐ خاموش رہے۔ جناب عائشہؓ نے فرمایا کہ وہ سمجھ گئیں کہ آپؐ کے خیال میں کوئی اور صاحب ہیں۔ پھر عرض کی یا رسول اللہؐ کیا میں جناب عمر فاروقؓ کو بلاؤں تو حضور پاکؐ خاموش ہی رہے۔ تو تیسری بار میں نے عرض کی کہ "یا رسول اللہؐ! کیا میں جناب علی المرتضیٰؓ کو بلاؤں؟"

تو حضور پاکؐ سکوت ہی میں رہے۔ آخر میں نے عرض کی کہ "یا رسول اللہ! کیا میں عثمان بن عفان کو بلاؤں حضور پاکؐ نے فرمایا۔ ہاں"

"جب جناب عثمانؓ حضور پاکؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور پاکؐ نے مجھے اشارہ کیا۔ جس کا مطلب تھا کہ آپ حضرت عثمانؓ کے ساتھ تنہائی میں بات کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے میں وہاں سے ہٹ گئی۔ میں دور تھی اور حضرت عثمانؓ حضور پاکؐ کے پاس بیٹھے تھے اور حضور پاکؐ کی باتوں سے اُن کا رنگ متغیر ہو رہا تھا"

جناب عائشہ صدیقہؓ کی یہ روایت یہاں ختم ہوتی ہے۔ لیکن جناب ابوسلمہؓ نے جناب قیسؓ سمیت کئی لوگوں کو بعد میں بتلایا کہ جب حضرت عثمانؓ گوشہ نشین ہو گئے تو لوگ اُن کو کہتے کہ آپ جنگ کیوں نہیں کرتے؟ تو آپ فرماتے کہ حضور پاکؐ نے اُن سے ایک عہد لیا ہے اور وہ اُس پر صابر ہیں۔ یعنی اُس عہد کو پورا کرنے کے لئے انہوں نے اپنے ہاتھ ردم کے ہوئے ہیں۔ جناب ابوسلمہؓ کا خیال تھا کہ اکثر لوگ بعد میں کہتے تھے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے جو حضور پاکؐ کی حضرت عثمانؓ کے ساتھ تخیلہ میں بات کا ذکر کیا ہے۔ وہ شاید یہی وہ ہے تھا یا حضور پاکؐ نے حضرت عثمانؓ کو آنے والے واقعات سے آگاہ کیا۔

تبصرہ

ہم نے پہلی کتاب کے پیش لفظ میں گزارش کر دی تھی کہ ہمارے لحاظ سے حضور پاکؐ کے عظیم رزقائے کے تمام عمل قرآن پاک اور حضور پاکؐ کی سنت کے مطابق ہیں اور جو چیز ہم نہ سمجھ سکیں اُس میں کوئی راز ہوتا ہے۔ حضرت عثمانؓ نے گھر میں بیٹھ کر راضی برضا اپنے سے جان اللہ کے سامنے پیش کر دی اور بائیکاٹ نہ اٹھایا۔ جناب امام حسینؓ نے بھی اپنی جان اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کر دی اور شہادت اُن کو بھی نظر آ رہی تھی۔ لیکن آخری وقت تک وہ باطن کے مقابلے میں لڑتے رہے۔ حضرت عثمانؓ نے اسی طرح آگے سے لڑائی کیوں نہ کی حالانکہ مدینہ شریف میں اُن کے ساتھیوں کی تعداد اگر فدا یوں سے زیادہ نہ تھی تو کم بھی نہ تھی تو یہ مشیت ایزدی تھی۔

اللہ کا راز تھا۔ جس کو ہم صرف اتنا سمجھ سکتے ہیں کہ مسلمان امیر مگر اہوں کو سمجھنا کی بے شک اتنی کوشش کریں کہ اگر اس میں جان کے جانے کا خطرہ ہو تو پھر بھی پر داد نہ کریں ہم اس سلسلہ میں پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ حضرت شانؒ اگر باغیوں کو تہس نہس کر دیتے تو آئندہ کسی کو شاید سچی بات کرنے کی ہمت بھی نہ ہوتی اور اسلام میں اندھی آمریت کا رواج پڑ جاتا۔

ہم نے آنے والے حالات کے بیان سے پہلے کچھ روایتوں کو اس لئے لکھ دیا ہے کہ قارئین اُن واقعات کو ان روایت کے تحت اور ہمارے تجزیہ کو مد نظر رکھ کر جانچیں تاکہ خواہ مخواہ کسی عظیم صحابی کے بارے میں کوئی غلط تاثر قائم نہ کر لیں۔ یہ نکتہ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن حضرات کو اپنے حبیبؐ کی رفاقت کا شرف بخشا اُن کی شان کو ہم اپنے اوردے دینا دی پیمانوں سے نہیں ناپ سکتے۔ یہ عشق و محبت کے معاملات ہیں جو ہماری سمجھ سے بالاتر ہیں۔

ہوئی نہ عام جہاں میں کبھی حکومتِ عشق

سبب یہ ہے کہ محبت زمانہ ساز نہیں

(راقب ل)

تاریخ کے با مقصد مطالعہ میں ایک بہت بڑا مدعا یہ ہے کہ ہم حضور پاکؐ کے عظیم رزقا کی شان کو سمجھیں۔ مکمل ذات صرف حضور پاکؐ کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسولؐ ہیں اور انہوں نے وہی کچھ فرمایا جس کا اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا۔ آپؐ کو خیر البشر کے نام مبارک سے یاد کریں یا محسن انسانیت یا رحمۃ اللعالمین کے ناموں سے۔ آپؐ کے شان کو بیان کرنا ہمارے لئے بہت مشکل ہے۔ اب آپؐ نے جو رزقا چھنے ان کی شان کو بھی بیان کرنا ناممکن ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے کچھ بعید نہ تھا کہ وہ حضور پاکؐ کے رزقائے کو جس انسانی کمزوریوں سے بالاتر کر دیتا۔ لیکن یہاں امتیاز کی ضرورت تھی۔ حضور پاکؐ اور آپؐ کے رزقا میں جو حضور پاکؐ کے غلام اور فدائی تھے، کچھ فرق کی ضرورت تھی۔ اب ہم حضور پاکؐ کے غلاموں کے غلام بھی اگر ہو جائیں تو اس کو اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت

سمجھیں۔

حضور پاک کا فرمان ہے :- بہترین زمانہ میرا ہے۔ اس کے بعد بہتر زمانہ میرے رفقا کا ہے۔ اس کے بعد بہتر زمانہ میرے رفقا کے اور پھر تابعین اور تبع تابعین کا اور پھر اہل حق ہم تو درحقیقت بالکل گئے گذرے لوگوں میں آتے ہیں۔ سورۃ واقعہ میں صاف بیان ہے کہ مقربین میں زیادہ تعداد پہلے زمانوں کے لوگوں میں سے ہوگی۔ اور گنہگاروں میں زیادہ تعداد پہلے زمانے کے لوگوں کی ہوگی۔ اور ان کو اللہ تعالیٰ نے اصحاب شمال کا نام دیا۔ یعنی بائیں بازو والے۔ اور آج ہمارے ملک میں کئی آدمی خود تسلیم کرتے ہیں کہ وہ بائیں بازو والے ہیں اور ادھر اسلام کا لبادہ بھی اڑھتے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ لوگ فرد کے آزاد یا بائیس ہونے کا اعتراف کرتے ہیں۔ اور سب سے انوسناک پہلو یہ ہے کہ ہمارے علمائے کرام کچھ لوگ اپنی فکر اس قدر آزاد کر چکے ہیں کہ حضور پاک کے رفقا پر بھی تنقید کرتے ہیں۔

۲ ہر سینہ نشین تہیں جسیر ل امین کا

ہر فکر نہیں طاہر فسردوس کا بیاد

گو فکر خدا داد سے روشن ہے زمانہ

آزادی افکار ہے ابلیس کی ایجاد اقبال

مصر میں فتنہ و فساد

کوفہ کے فساد کا ذکر ہو چکا ہے۔ شام میں کوئی فساد نہ ہوا اور کوفہ سے جو لوگ وہاں آئے وہ بھی اُس وقت تو نادم ہو کر چلے گئے۔ لیکن کوفہ کی آب و ہوائ نے پھر ان کے اندر شر پیدا کر دیا۔ مصر میں البتہ فتنہ فساد والے کامیاب ہو رہے تھے۔ اور انوسناک پہلو یہ تھا کہ فتنہ و فساد والوں میں دو عظیم صحابہ کے بیٹے بھی شریک ہو گئے۔ ان میں ایک جناب صدیق اکبر کے بیٹے محمد تھے۔ محمد کی پرورش جناب علی کے گھر ہوئی تھی۔

جناب محمد بن ابوبکر کو شاید یہ رنجش تھی کہ حضرت عثمان نے ان کو کہیں امارت نہ دی تھی اس نے جناب محمد کا یہ ردیہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے اور اس سلسلے میں آگے واقعات بیان کرنے کے بعد ہم اپنا جائزہ پیش کریں گے۔

خیرانی کی بات یہ ہے کہ دوسرے صاحب جو مصر میں حضرت عثمانؓ کے خلاف باتیں کرنے والوں میں شامل تھے وہ محمد بن ابو خذیفہؓ تھے۔ جناب ابو خذیفہؓ اول مسلمانوں میں سے ہیں۔ جنگ بدر میں شرکت کی۔ جناب ابو خذیفہؓ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے تو ان کے بیٹے محمدؓ کی پرورش بھی حضرت عثمانؓ نے کی کہ وہ بھی بنو عبد شمس سے تھے۔ یہی نہیں بلکہ ہندہ زوجہ ابوسفیانؓ، محمد بن ابو خذیفہؓ کی پھوپھی تھیں اور ظاہر ہے کہ امیر معاویہؓ جناب محمد بن ابو خذیفہؓ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ ان کو شاید یہ تسکلت تھی کہ ان کو کوئی امارت نہیں ملی۔ اس لئے وہ بھی جناب عثمانؓ کے خلاف باتیں کرتے تھے۔ چلو اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے قرابت داروں کو بھی ان کے خلاف ”شکایات“ تھیں۔

جناب عمرو بن عاصؓ

اس کے علاوہ یہ بھی روایت ہے کہ جناب عمرو بن عاصؓ بھی حضرت عثمانؓ سے دلی طور پر خوش نہ تھے کہ ان کی جگہ جناب عثمانؓ نے جناب عبداللہ بن ابی سرح کو مصر کا گورنر بنا دیا جناب عمرو بن عاصؓ نے ایک شادی حضرت عثمانؓ کی اخیانہ یا سرتیلی بہن کے ساتھ کی ہوئی تھی اور روایت ہے کہ جناب عمروؓ کو جب گورنری سے ہٹایا گیا تو انہوں نے اس بیوی کو طلاق دے دی۔ طلاق کے سلسلے میں ہم تفصیل میں نہیں جانا چاہتے۔ طلاق دینے کے کئی اور واقعات بھی ہیں اور طلاق کے بعد ان خاندانوں کے تعلقات میں کوئی فرق نہ پڑا۔ بلکہ کبھی کسی نے سابقہ بیوی یا سابقہ خاندان کی برائی بھی نہ کی۔ اس سلسلے میں ہم معینہ بن شعبہ کی مثال پچھلی کتابوں میں دے چکے ہیں۔ اور اس سلسلے میں جناب امام حسنؓ کے زویہ کے بارے میں ہم چڑھی کتاب میں ذکر کریں گے۔ بہر حال جناب عمرو بن عاصؓ، حضرت عثمانؓ سے شاید زیادہ خوش نہ ہوں۔ لیکن ہم یہ روایت ماننے کو تیار نہیں کہ جناب عمرو بن عاصؓ نے خود تسلیم کیا کہ گورنری سے ہٹ جانے کے بعد انہوں نے حضرت عثمانؓ کے ہر کام پر نکتہ چینی کی۔ ایسی کارروائی کلمہ کے زمرہ میں آتی ہے۔ اور ہم نہیں سمجھتے کہ جناب عمرو بن عاصؓ نے ایسا کیا ہو کیونکہ آگے ذکر آئے گا کہ جناب عثمانؓ نے جناب عمرو بن عاصؓ کو مشورہ کیلئے بھی طلب کیا تھا۔ اور

جناب عثمانؓ کی شہادت کے بعد جناب عمرؓ بن عاص، حضرت عثمانؓ کے قریبی جناب معاویہؓ کے دائیں بازو بن گئے۔ جس کا ذکر چوتھی کتاب میں ہوگا۔ اس لئے ہم کو ان روایات پر یقین نہیں آتا کہ جناب عمرؓ بن عاص بھی حضرت عثمانؓ کے خلاف نفرت پھیلاتے رہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

خاتم مبارک کی گمشدگی

جب حالات خراب ہونے لگیں تو ہر طرف خرابی پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ حالات میں خرابی کی ابتدا ۳۱ ہجری میں ہوئی۔ ۳۰ ہجری میں حضور پاکؐ کی خاتم مبارک، جو حضرت عثمانؓ نے پہنی ہوئی تھی، وہ کنوئیں میں گر گئی۔ اس کنوئیں کو بیرادیس کہتے ہیں اور یہ کنواں مدینہ شریف سے باہر دوسیل دور تھا۔ جناب عثمانؓ اس کے کنارے پر کھڑے تھے اور خاتم مبارک پر ہاتھ لگا کر اس کو ڈھیلنا کرنے لگے تو وہ انگلی سے پھسل کر کنوئیں میں گر گئی۔ یہ خاتم مبارک چاندنی کی تھی جو حضور پاکؐ نے نبوائی تھی اس پر محمد رسول اللہ کے الفاظ کثندہ تھے۔ اور جو خط بھی حضور پاکؐ کی طرف سے کہیں لکھا جاتا تھا۔ اس پر یہی مہر لگا دی جاتی تھی۔ اسی خاتم مبارک کو جناب ابو بکر صدیقؓ اور جناب فاروق اعظمؓ نے بھی اپنے صلافت کے دوران استعمال کیا۔ وہ اس خاتم مبارک کو ہمیشہ اپنے ہاتھ میں پہنے رکھتے تھے اور جب کوئی خط باہر بھیجتے تھے تو اپنے دستخطوں کے علاوہ ہر خط پر یہ مہر مبارک یا خاتم مبارک لگائی جاتی تھی۔ حضرت عثمانؓ نے بھی یہی خاتم مبارک پہنے رکھی اور اس کو کبھی ہاتھ سے نہیں اتارتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ حضرت عثمانؓ نے ایک نیا کنواں کھدوایا کہ لوگوں کو پینے کے پانی کے دستیابی میں آسانی ہو۔ اور آپ اس کنوئیں پر بیٹھے ہی تھے اور شاید خاتم مبارک کو آگے پیچھے بلایا تو وہ انگلی سے گر گئی۔ بڑی تلاش کی گئی لیکن وہ خاتم مبارک دوبارہ نہ مل سکی۔ اس واقعہ نے کافی لوگوں کا سکون ختم کر دیا تھا اور کافی باتیں مشہور ہو گئیں کہ مشکل وقت آنے والے ہیں۔ فتنہ فساد لے تو پہلے ہی تیار بیٹھے تھے۔ انہوں نے طرح طرح کی کہانیاں گھڑنا شروع کر دیں اور اس فتنہ کی کوئی رنگ دیئے اور فتنہ کو خوب پھالا۔ البتہ ہم ایسی باتیں لکھنے سے گریز کر رہے ہیں

کہ وہ فضول باتیں تھیں۔ اور دراصل اعمال و احوال ظاہر کر رہے تھے کہ شکل و قوت آنے والا ہے۔

دندوں کی تشکیل

ہر ملک کے حالات کو بیان کر دیا گیا ہے اور کسی جگہ دراصل کوئی خرابی نہ تھی، لیکن مدینہ شریف میں ہر روز ایک نیا شوشہ چھوڑا جاتا تھا کہ فلاں جگہ یہ ہو گیا اور فلاں جگہ وہ ہو گیا۔ ایسی باتیں صحابہ کرامؓ تک پہنچائی جاتیں کہ حضرت عثمانؓ کے مقرر کردہ امراء لوگوں کے ساتھ انصاف نہیں کرتے۔ صحابہ کرامؓ یہ باتیں حضرت عثمانؓ تک پہنچا دیتے تھے۔ اور جب ایسی باتیں کچھ زیادہ بڑھیں تو حضرت عثمانؓ نے مشاورت طلب کی کہ لوگوں کی شکایات کی حقیقت میں جایا جائے تاکہ یہ معلوم ہو کہ ان الزامات میں کتنی سچائی ہے۔ چنانچہ چند عظیم صحابہ کو الگ الگ ملکوں میں بھیجا گیا تاکہ حالات کا مطالعہ کریں کہ امراء یا غافل لوگوں کو کون سے حقوق نہیں دے رہے۔ یا کسی قسم کی بے انصافی ہو رہی ہے اس وفد میں جن صحابہ کرامؓ کو بھیجا گیا ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ جناب عبداللہ بن عمر فاروقؓ آپ کو شام کی طرف بھیجا گیا۔ آپ کسی تعارف کے محتاج نہیں جلال مصطفیٰ اور پہلی دو کتابوں میں آپ کا ذکر کثرت سے ہے۔

۲۔ جناب اسامہ بن زیدؓ۔ آپ کو بصرہ کے عملداری میں بھیجا گیا۔ آپ حضور پاکؐ کے غلام جناب زیدؓ شہید کے بیٹے تھے۔ آپ کا ذکر بھی جلال مصطفیٰ اور پہلی کتاب میں ہو چکا ہے۔

۳۔ جناب محمد بن مسلمہؓ۔ آپ کو کوفہ کی طرف بھیجا گیا۔ آپ عظیم صحابی جناب محمودؓ کے بھائی تھے جو جنگ خیبر میں شہید ہوئے۔ آپ ہی نے کعب بن اشرف کو قتل کیا اور جنگ احد میں حفاظتی دستوں کے کمانڈر تھے۔ آپ کا ذکر بھی جلال مصطفیٰ میں کثرت سے آیا ہے

۱۔ صفحہ ۲۰۸، ۲۲۲، ۳۲۰، اور ۳۴۱

۲۔ صفحہ ۶۱، ۲۲۳، ۲۴۸، ۲۹۳، ۳۲۶، ۳۹۴، ۳۲۵

۳۔ صفحہ ۸۲، ۸۴، ۲۶۴، ۲۶۸، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۸، اور ۳۴۹

۴۔ جناب عمار بن یاسرؓ۔ آپ کو ملک مصر کی طرف بھیجا گیا۔ جناب عمارؓ کا ذکر پہلی کتاب میں کثرت کے ساتھ کیا گیا ہے۔ آپ کوفہ کے گورنر بھی تھے اور آپ ہی کے عہد میں حضرت نعمان بن مقرنؓ کو ایران میں نہادند کے مقام پر عظیم فتح نصیب ہوئی۔ آپ اول اسلام لانے والوں سے ہیں۔

جو عظیم صحابہ کرامؓ تحقیقاتی طور پر بھیجے گئے ان کی عظمت بیان کرنے میں ایک مقصد یہ ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کے رشتہ دار نہ تھے اور باقی صحابہ کرامؓ کی صلاح سے جناب عثمانؓ نے ان کو اس تحقیق کے لئے نامزد کیا یہ صحابہ کرامؓ جب ان ملکوں میں گئے تو انہوں نے لوگوں کو بلایا اور تفصیل سے تحقیقات کی کہ کس جگہ کیا خرابی ہے۔ لیکن کوئی خرابی کیسے بتاتا۔ خرابی تو کوئی نہ تھی بلکہ یہ مفسدوں کی شرارت تھی۔ اور تمام صحابہ کرامؓ نے واپس آکر اپنی رپورٹ پیش کی کہ کسی جگہ کوئی بے انصافی نہیں ہو رہی۔

حضرت عمار بن یاسرؓ کو البتہ مصر میں کچھ دیر لگ گئی۔ حضرت محمد بن ابوبکرؓ اور حضرت محمد بن ابوالخدیفہؓ نے کچھ شکایات کیں۔ البتہ خالد بن ولیدؓ، حجاج بن محمدؓ اور کعب بن بشرؓ کے قسم کے لوگوں کو آگے کر دیا گیا اور انہوں نے چیونٹی کو مالتھی بنا دیا جناب عمارؓ نے تفتیش پر کچھ وقت لگایا تو مشہور کر دیا گیا کہ مصر میں جناب عمارؓ کے پاس شکایات کے انبار لگا گئے ہیں۔ بہر حال وہاں بھی کوئی بات نہ نکلی اور حضرت عمارؓ واپس تشریف لائے اور انہوں نے بھی یہی رپورٹ پیش کی کہ وہاں کوئی خرابی نہ تھی۔

ان حالات میں ہم تو صرف یہ سمجھ کر سکتے ہیں کہ بات کوئی نہ تھی۔ سازش والے لوگوں کو گمراہ کر رہے تھے۔ خواہ مخواہ فضول باتیں پھیلانی جاتی تھیں اور لوگ ان پر یقین کر لیتے تھے کمال طور پر آزادی نکر تھی اور لوگ اپنے آپ سے باہر ہو رہے تھے۔ بقول جناب امیر مودعیہؓ جہالت والی باتیں لوگوں میں واپس آنا شروع ہو گئی تھیں۔ اب چونیتیں بھری بھی شروع ہو چکی تھی اور ہم نے واقعات کے ذریعے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ بات کچھ بھی نہ تھی۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ موثر نہ تھے۔ یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ حضرت عثمانؓ بہت موثر تھے صحیح دشاہ فتنہ کو ختم کرنے کی کوشش میں لگے تھے اور جتنی کوشش انہوں نے کی۔ شاید کوئی

دوسرا کر ہی نہ سکتا۔ یہ اُن کا صبر تھا کہ وہ ایسے حالات کو برداشت کر رہے تھے۔ ہاں وہ طبعاً سخت نہ تھے۔ اُن میں جیسا اس طرح کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی کہ وہ سختی کر بھی نہ سکتے تھے۔

ایک اور کوشش

حضرت عثمانؓ نے حالات کو سنبھال دینے کی ایک اور کوشش کی۔ آپ نے تمام عاملوں کو لکھا کہ ۳۴ ہجری میں حج کے موقعہ کے بعد وہ پہلے مکہ مکرمہ یا بعد میں مدینہ شریف میں اکٹھے ہوں اور وہاں ایک مشاہرت کے طور پر تمام عامل اپنے اپنے صوبوں کے حالات بتائیں گے اور یہ فیصلہ کیا جائے گا کہ ان حالات سے کیسے نپٹا جائے۔ اور کوئی لائحہ عمل تیار کیا جائے کہ اسلامی ملکوں میں جو فتنہ پھیل رہا ہے اُس کا قلع و قمع کیسے کیا جائے۔ چاروں صوبوں کے عاملوں یعنی جناب معاویہؓ، جناب عبداللہ بن ابی سرحؓ، جناب عبداللہ بن عامر اور جناب سعید بن العاص کو اس مشاہرت میں اکٹھا ہونا تھا یہ بھی روایت ہے کہ جناب عمرو بن عاص کو خاص طور پر طلب کیا گیا کہ وہ نہایت سلجھے ہوئے سیاستدان تھے اور وہ شاید اس سلسلہ میں کچھ بہتر اور صحیح مشورہ دیں۔

چنانچہ جب تمام عامل اکٹھے ہوئے تو سب عاملوں نے عرض کی کہ ”آپ تحقیقاتی طور پر عظیم صحابہؓ کو بھیج چکے ہیں۔ انہوں نے آپ کو حالات سے آگاہ کیا ہوگا۔ تو اُس سلسلہ میں آپ نے کارِ عمل کیا ہے“۔ جناب عثمانؓ نے فرمایا: ”کہ انہوں نے خبر دی ہے کہ سب انواہیں ہیں۔ اور تمام تر الزامات جھوٹے ہیں۔ لیکن لوگ ان پر یقین کر لیتے ہیں۔ اب آپ یہ مشورہ دیں کہ ان حالات سے کیسے نپٹا جائے“۔

جناب سعید بن العاص نے کہا ”یہ جعلی اور بناوٹی معاملہ ہے جو پویشید طور پر تیار کیا جاتا ہے۔ اور ایسی باتیں جب نادانوں یا جہالین کے پاس پہنچتی ہیں تو وہ ردِ عمل کے طور پر اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور خواہ مخواہ فتنہ میں شامل ہو جاتے ہیں“۔

حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہما کا علاج کیا ہے؟

حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہما کا علاج کیا ہے؟

جناب سعید بن العاص - یہ انواہیں پھیلانے والوں اور خواہ مخواہ ایسی باتوں پر یقین کرنے والے جیب کوئی غلط کام کریں تو ان سب کو قتل کر دیا جائے۔

تبصرہ :- جناب سعید کی رائے ٹھیک تھی اگر قتل نہ کرتے تو کم از کم کچھ سزا دیتے یا ڈر پیدا کرتے۔ اس لئے حضرت عثمان نے باقی لوگوں سے رائے پوچھی۔

جناب عبداللہ بن عامرؓ لے امیر المؤمنین! میری رائے یہ ہے کہ آپ لوگوں کو جہاد کا حکم دیں جس میں وہ مشغول رہیں گے۔ آپ انہیں فوجی لمبوں کی طرف آمادہ کریں تاکہ وہ آپ کے مطیع رہیں اور اپنے کاموں میں لگے رہیں!

جناب عبداللہ بن ابی سرحہ ابن خلدوں کے مطابق ابن ابی سرحہ نے کہا کہ یہ لوگ اکثر لالچی ہوتے ہیں ان کو مال دے کر اپنا بنالیا جائے لیکن ہبری کے مطابق الفاظ یہ ہیں "کہ آپ ان کو حقوق عطا کرتے ہیں تو ان سے انکے واجبات بھی وصول کریں" ہمارا خیال ہے کہ ہبری والا قول زیادہ صحیح ہے اور مقابلاً پورا نا بھی ہے۔

ہر حال جناب عثمانؓ پھر سعید بن العاص کی طرف متوجہ ہوئے کہ ان تجاویز کے بارے میں ان کی کیا رائے ہے۔ جناب سعید نے فرمایا "کہ ہر قوم کی قیادت کرنے والی چند شخصیتیں ہوتی ہیں جب وہ رخصت ہو جاتی ہیں تو قوم میں انتشار پیدا ہو جاتا ہے۔ اور پھر ان کی شراذہ بندی مشکل سے ہوتی ہے۔"

تبصرہ

جناب سعید کی رائے بڑی سلیجھ ہوئی تھی اور اصل بات یہ تھی کہ عظیم صحابہ کرامؓ کی وفات سے ایک غلطی پیدا ہو چکا تھا۔ اب نئی نسل کو کچھ نئی قسم کے لیڈروں اور امراء کی ضرورت تھی جو ان کو تالو میں رکھ سکتے۔ حضور پاکؐ نے جس بہترین زمانے کا ذکر کیا وہ ختم ہونے والا تھا۔ ہر حال حضرت عثمانؓ بھانپ چکے تھے کہ حالات کو سنبھالنا دنیا مشکل ہے اور سب سے بڑی چیزیں انہوں نے جناب معاویہؓ سے رائے پوچھی۔

جناب معاویہؓ

جناب معاویہؓ نے فرمایا :-

”اے امیر المومنین! میری رائے یہ ہے کہ آپ تمام معاملات کو اپنے حکام پر چھوڑ دیں میں اپنے علاقے کے معاملات کا ذمہ دار ہوں۔ میں اہل شام کو ہر طرح سے قابو میں رکھوں گا ان کے حالات ٹھیک کروں گا۔ اور ہر علاقے کا عامل یا سپہ سالار اپنے علاقے کا ذمہ دار اور موثر ہونا چاہیے۔“

جناب عثمانؓ نے یہ رائے پسند کی اور اسی پر فیصلہ ہوا کہ خلیفہ وقت فضول باتوں کو سننے کی بجائے اپنے اعمال پر بھروسہ کرے کہ وہ حالات کو ٹھیک کریں۔ لیکن اہل سازش زیادہ ہوشیار تھے اب انہوں نے اپنی سازش کا رخ مرکز کی طرف موڑ دیا جس کا ذکر اگلے باب میں آئے گا۔

جناب عمرو بن عاص

ادل تو جناب عمرو بن عاص کے بارے اختلاف ہے کہ آپ اس عیسیٰ شادرت میں شریک بھی ہوئے یا نہیں۔ اور طبری نے اپنی تاریخ میں اس سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ سب کافی شکہ باتیں ہیں۔ طبری کے مطابق جناب عمرو بن عاص نے یہ کہا :-

”میرا رائے ہے کہ آپ لوگوں پر بری طرح سوار ہو گئے ہیں۔ آپ اعتدال کے ساتھ کام کرنے کا قصد کریں۔ اگر آپ یہ نہ کر سکیں تو الگ ہو جائیں۔ اور اگر الگ نہیں ہونا چاہتے تو پھر مضبوطی اور سخت دلی سے کام کریں؟“

جناب عثمانؓ نے جناب عمروؓ سے پوچھا کہ کیا وہ سنجیدگی سے باتیں کر رہے ہیں اور اپنے چلے دل کے پھپھولے تو نہیں پھوڑ رہے؟

جناب عمروؓ اس وقت تو خاموش ہو گئے لیکن جب باقی لوگ چلے گئے تو عمرو بن عاص نے کہا۔ ”اے امیر المومنینؓ! آپ مجھے بہت عزیز ہیں۔ میرا مطلب یہ تھا کہ یہ بات لوگوں کے کانوں تک پہنچے گی کہ میں نے آپ پر تنقید کی اور اس کے بعد وہ لوگ مجھ پر اعتماد کریں گے کہ میں آپ کے کام آسکوں اور آپ کی طرف سے شرف ناسد کو دور کر سکوں“

اول تو یہ کہانی کسی زرخیز دماغ کی اختراع تھی۔ اور کیا حالات اس ڈگر پر پہنچ چکے تھے کہ لوگ صرف اس آدمی پر بھروسہ کرنے کو تیار تھے جو فیلفہ وقت کی تنقید کرتا۔ اور پھر لوگ کون تھے جن کے سامنے جناب ممبر ڈونے تنقید کی۔ یہ تو گورنروں یا غاملوں کا اجلاس تھا۔ تو ظاہر ہے کہ ہر جگہ مفسدین بات کا بتنگہ بناتے پھرتے تھے اور کچھ باتیں ایسے ہی تاریخ میں شامل کر دی گئیں۔

جناب معاویہؓ کی عظیم صحابہ کے ساتھ ملاقات

جناب معاویہؓ نے ملک شام واپس جانے کے لئے مدینہ شریف والا راستہ اختیار کیا۔ اور وہاں پر عظیم صحابہ کے ساتھ ملاقات کی اور ان کو اپنے جائزوں سے آگاہ کیا۔ اس سلسلہ میں دو روایات ہیں اور دونوں کا الگ الگ ذکر ضروری ہے۔

پہلی روایات

ایک روایت کے مطابق جب امیر معاویہؓ شام کی طرف کوچ کرنے والے تھے اور حضرت عثمانؓ کے گھر پر قیام پذیر تھے تو حضرت عثمانؓ نے عظیم صحابہؓ جناب علیؓ، جناب طلحہؓ، جناب زبیرؓ، جناب سعدؓ اور ان کے فرزندوں کو اپنے گھر بلایا کہ جناب معاویہؓ ان کے ساتھ کچھ بات کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ امیر معاویہؓ نے عظیم صحابہؓ کے سامنے یہ تقریر کی :-
 ”اے لوگ حضور پاکؐ کے صحابیؓ ہیں۔ کیونکہ آپؐ لوگوں کے علاوہ اور کون حکمران کی توثیح نہیں سکتا۔ آپؐ نے جناب عثمانؓ کا جبر اور طمع کے بغیر انتخاب کیا۔ جناب عثمانؓ من رسیہ ہو گئے ہیں۔ اور ان کی عمر ختم ہونے والی ہے۔ اور اگر آپؐ ان کے بڑھاپے کی انتہائی عمر کا انتظار کریں گے تو وہ بھی قریب ہے۔ تاہم مجھے توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ کو وہ اسی قدر عزیز ہیں کہ وہ انہیں اسی عمر یعنی بہت زیادہ بڑھاپے تک نہ پہنچائے گا۔“

” وہ انواہ بھی پھیل گئی ہے جس کا مجھے اندیشہ تھا۔ آپ لوگ اس کے لئے قابلِ ملامت نہیں ہیں۔ میرا یہ ہاتھ بھی تمہارے ساتھ ہے۔ تاہم آپ نے لوگ حرام کو اپنے بارے میں کوئی توقع نہ دلائی۔ کیونکہ اگر وہ اس چکر میں پڑ گئے تو آپ ہمیشہ اس میں منزل و ادبار دیکھیں گے“
(ظاہر ہے کہ جناب معاویہ کا مطلب آئندہ خلیفہ کے بارے کی انواہ سے تھا)

دوسری روایت

دوسری روایت یہ ہے کہ جناب معاویہ نے مکہ شام کی طرف جاتے وقت مدینہ شریف میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاں کافی روز قیام کیا۔ اور جب دمشق جانے لگے تو آپ نے سفری لباس پہنا ہوا تھا۔ گلے میں تلوار تھی۔ تیرکان سے لیس تھے کہ آپ کی نظر مہاجرین میں سے جناب علی رضی اللہ عنہ اور جناب زبیر رضی اللہ عنہ پر پڑ گئی۔ جناب معاویہ نے انہیں سلام کرنے کے بعد اپنی کمان کا سہارا لیا اور غلیم صبیحہ کے ساتھ یوں مخاطب ہوئے :-

” جاہلیت کے عہد میں چند گنتی کے لوگ حکومت کرتے تھے اور وہ کسی سے مشورہ نہ لیتے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے حضور پاک محمد مصطفیٰ کو مبعوث فرمایا۔ اور ان کی پیروی کرنے والوں کو عزت بخشی۔ اس کے بعد مسلمان باہمی مشورہ سے حاکم مقرر کرنے لگے۔ اور اس سلسلہ میں حاکم کے چناؤ کیلئے اس کی بزرگی، سابق اسلامی خدمات اور ذاتی صلاحیت و محنت کو ترجیح دیتے تھے۔ اگر آئندہ بھی ہم نے یہی طریقہ اختیار کیا اور اس پر قائم رہے تو ہماری حکومت برقرار رہے گی۔ اور لوگ ہماری پیروی کریں گے۔“

” اگر مسلمان دنیا دار بن گئے اور طاقت کے ذریعے دینا علی میں لگ گئے تو ان سے یہ نعمت چھین لی جائے گی۔ اور اللہ تعالیٰ ان پر ریمانہ نظام قائم کرنے لگا اور ہمیں غیر دین کے تسلط سے بھی ڈرنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تبدیل کرنے پر قادر ہیں اور اپنی خدائی سے اُسے ہر طرح کا اختیار حاصل ہے۔“

جناب معاویہ کے آخری الفاظ یہ تھے :- ” میں اس ”بوڑھے“ کو تمہارے پیروں کے جبار باپوں۔ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور ان کے ساتھ تعاون کرو

اور اس کی وجہ سے تم زیادہ خوشحال رہو گے۔ (ظاہر ہے کہ جناب معاویہؓ کا بڑھنے سے مطلب جناب عثمانؓ تھے۔)

تبصرہ اور ردِ عمل

ان دونوں روایتوں میں کچھ تضاد ضرور نظر آتا ہے۔ لیکن وہ ظہرِ نہ بیان بھی ہو سکتا ہے کہ اُس میں فرق ہو۔ پہلی روایت میں سنجیدگی زیادہ ہے۔ دوسری روایت میں جناب معاویہؓ کے تفاخر اور زبیرؓ کی کا اظہار کیا گیا ہے۔ بہر حال اگر دونوں روایات کے اندر سے جھانکا جائے تو دونوں ایک ہی مطلب کا اظہار کرتی ہیں۔ اب طبری کے مطابق جناب زبیرؓ نے جب امیر معاویہؓ کی تقریر سنی تو ان پر بڑا اچھا اثر ہوا اور کہنے لگے کہ اُن کے دل میں امیر معاویہؓ کی قدر اور زیادہ بڑھ گئی ہے۔

جناب علیؓ کا ردِ عمل

طبری کے مطابق جناب علیؓ نے جناب معاویہؓ کے پہلی روایت والے بیان کی اُن کے سامنے سخت تنقید کی۔ اور پوچھا کہ امیر معاویہؓ کو یہ بات کیسے اور کہاں سے معلوم ہوئی کہ کچھ لوگ خلافت کے دعویدار ہیں اور لوگوں کو اپنی طرف مائل کر رہے ہیں اور دوسری روایت کے بیان کے خلاف تو جناب علیؓ نے فرمایا۔

”اے ابن ابوسفیان! تمہاری اس تقریر میں کوئی بھلائی والی بات موجود نہیں۔“

تبصرہ

اب قارئین ضرور حیران ہوں گے کہ جناب زبیرؓ، امیر معاویہؓ کی باتوں سے اتنے متاثر ہو گئے اور جناب علیؓ نے پہلے بیان پر بھی تنقید کی اور دوسرے بیان کو تو بالکل رد کر دیا۔ تو یہ فرق اس وجہ سے ہے کہ جناب زبیرؓ جذباتی اور سادہ انسان تھے اور جناب معاویہؓ کے بیان میں ظاہر اُکوئی خرابی نہ نظر آتی تھی تو انہوں نے جناب معاویہؓ کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ جناب علیؓ اس علم کے شہر کے دروازہ تھے جس کے حضور پاک خود شہر تھے۔ آپ امیر معاویہؓ

کے بیانات کے لفظ لفظ کی تحقیق کر رہے تھے۔ اور قارئین خود سوچیں گے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جان کو نصیحتیں کر رہے تھے۔ اور وہ کیسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ”رکھوالے“ بن گئے کہ جو عظیم صحابہؓ کو کہہ رہے تھے۔ کہ میں اس ”بوڑھے“ کو آپ کے سپرد“ کے جا رہا ہوں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تو امیر معاویہ اور ان کے والد کے مسلمان ہونے سے پندرہ سال پہلے اپنے آپ کو سرکارِ دو عالم کے سپرد کر چکے تھے۔ جاں پر آپ جناب علیؓ، جناب طلحہؓ اور جناب زبیرؓ کے ساتھ صفِ بندھے کئی سال امیر معاویہ اور ان کے والد کے خلاف جنگ کرتے رہے۔

پھر جناب معاویہ کا یہ کہنا بھی جناب علیؓ نے ناپسند کیا کہ عظیم صحابہؓ لوگوں کو یقین دلائیں کہ وہ خلافت کے دعویٰ دار نہیں۔ ہمارے لئے جناب معاویہؓ بھی ہمارے سردار ہیں اور ہم صرف واقعات کو دہرائیں گے اور اس سلسلہ میں ایک اور واقعہ لکھنا ضروری ہے کہ مکہ شریف میں حضرت عثمانؓ نے اپنے مشرقی صوبوں کے عاملوں کو الوداع کیا۔ اور جناب معاویہؓ کے ساتھ مدینہ شریف روانہ ہونے لگے تو کسی نے ایک شعر پڑھ دیا۔ جس کے معنی یہ تھے۔

”یہ سب لاغر سواریاں ہیں اور لوگ جلتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علیؓ خلیفہ ہوں گے۔ جناب زبیرؓ بھی پسندیدہ جانشین ہیں اور جناب طلحہؓ بھی اس کے حق دار ہیں۔“

یہ شعر پڑھنے والا کون تھا۔ اس میں کچھ طنز تھی اور کچھ حقیقت کہ حضرت عثمانؓ کی عمر کافی ہو چکی تھی اور فتنہ فساد والوں نے سراٹھایا ہوا تھا۔ اور امرا کو لوگ کمزور کرنے کی کوشش میں لگے رہتے تھے۔ کعب اخبار حضرت عثمانؓ کے ہم سفروں میں سے تھا اور مجدد بھی اُس نے جو اباً یہ شعر پڑھ دیا۔

”بجز اتم جھوٹ بولتے ہو۔ اس کے بعد سفید خچر والے خلیفہ ہوں گے۔“

کعب کا اشارہ جناب معاویہؓ کی طرف تھا اور قارئین خود اندازہ لگا سکتے تھے کہ خلافت کا جانشینی کی بات کس طرح کھل کر کی جاتی تھی اور اس میں کوئی شک نہ تھا کہ کچھ پہلی بیٹیوں کی وجہ سے اور کچھ حالات کی وجہ سے جناب معاویہؓ کو امید تھی کہ وہ ایک نہ ایک دن خلیفہ ضرور بن جائیں گے۔ لیکن ساتھ ہی ان کو خطرہ بھی تھا کہ اگر حضرت عثمانؓ کے بعد جناب علیؓ یا جناب

طلحہ یا کوئی اور عظیم صحابی خلیفہ بن گیا تو وہ اُن کو شام کی امارت سے سکدوشی کر دے گا تو پھر اُن کو موقع نہ ملے گا۔ علاوہ بنو امیہ میں ایک گروہ تھا جو چلتے تھے کہ حضرت عثمانؓ کے خلاف جتنا خسار زیادہ ہوگا۔ بنو امیہ بعد میں جناب عثمانؓ کو "مظلوم" ظاہر کر کے خود نائدہ اٹھائیں گے۔ تاریخ میں یہ سب باتیں ذہن میں رکھنا تو اگلے جائزے سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

نتیجہ و اسباق

تیس جبری سے لے کر چونتیس جبری تک آزادی فکر اور آزادی عمل کا یہ باب ہر لحاظ سے بڑا اہم ہے۔ جس کا مطالعہ تاریخ کے سامنے جگہ جگہ نتائج اور اسباق ظاہر کرتا رہا ہے۔ اس کا صرف ایک علاج تھا کہ فتنہ پھیلانے والوں کو قتل کر دیا جاتا۔ جناب سعید بن العاص نے یہ رائے دی تھی۔ لیکن جناب عثمانؓ نے یہ بات نہ مانی۔

۲۔ اگر فتنہ کرنے والوں میں سے چند کو قتل کر دیا جاتا تو بھی حالات ٹھیک ہو سکتے تھے لیکن یہ جس حد تک تھا کہ فتنہ اور پھیل جائے اور یہ بڑے مشکل معاملات ہوتے ہیں۔

۳۔ حضرت عثمانؓ از خود فتنہ پھیلانے والوں کو قتل اس لئے نہیں کرتے تھے کہ یہ روایت نہ بن جائے کہ ہر امیر آئندہ ذرا بھی سراٹھانے والے کو تہ تیغ نہ کر دے عظیم صحابہؓ میں کوئی بھی حضرت عثمانؓ کو ایسا مشورہ دینے کو تیار نہ تھا اور اگر وہ خود ان حالات میں ہوتے تو بھی یہی کرتے جو حضرت عثمانؓ نے کیا ہے۔ جو تھی کتاب میں حضرت علیؓ خود ایسے واقعات سے دوچار ہوئے۔

۴۔ آگ اندر ہی اندر سلگتی رہی۔ اہل سازش، چوری چھپے کام کرتے تھے۔ اُن کو پکڑنا تو آسان تھا لیکن اُن پر یہ جرم ثابت کرنا مشکل تھا کہ یہ لوگ سازش کر رہے ہیں کیونکہ زبانی بات چیت ہوتی تھی اور وہ لوگ انواہیں پھیلاتے تھے۔ یا غلط قسم کی الزام تراشی ہوتی تھی۔ لوگ ان باتوں پر یقین کر لیتے تھے اور حکومت کے خلاف مجاز بنالیتے تھے۔ اُن کا پکڑا بھی نہ جاسکتا تھا کہ تماشہ میں زیادہ تھے اور جیب ان کو کچھ کہا جاتا تھا کہ تہاری غلطی ہے تو وہ خاموش ہو جاتے تھے

لیکن فادوائے پھر ان لوگوں کو استعمال کر لیتے تھے۔

۵۔ خلاہر جگہ پیدا ہو گیا تھا۔ ایک زمانہ گزر گیا۔ وہ لوگ جنہوں نے جاہلیت کا دور بھی دیکھا تھا اور پھر اسلام میں آئے تھے ان میں سے چند لوگ باقی رہ گئے تھے جو موازنہ کرتے کہ اللہ نے ان پر کتنی رحمت کی ہے۔ نوجوان لوگ تھے اور اپنے حقوق کے غلط چکر میں پڑ کر ہر بات پر شہتر بے ہمار کی طرح الجھ جاتے تھے۔ تو ظاہر ہوا کہ اسلام کسی ایسی آزاری فکر یا آزابی عمل کی اجازت نہیں دیتا۔ کہ اُس کے نتیجے بڑے بھیانک ہوتے ہیں۔

۲۔ اسباق حسب ذیل ہیں

۱۔ جہاد بالنفس کی جناب ابوذر غفاریؓ کی علی کہانی میں ہمارے لئے نشانِ راہ ہے۔
 ۲۔ تو پھر کیا اسلام میں گوشہ نشینی کی اجازت ہے؟ بے شک جب معاملات اس حد تک پہنچ جائیں کہ انسان دلوں کچھ نہ کر سکے تو پھر گوشہ نشینی کے بغیر چارہ نہیں
 ۳۔ حکومت کا ہاتھ بٹانا اہمیت ہمارا فرض ہے۔ اور اطاعتِ امیر کے فلسفے سے روگردانی کی اجازت نہیں۔ لیکن اگر حکومت ایسے لوگوں کے ہاتھ میں پل جائے جو اللہ اور رسولؐ کے احکام کو پورا نہیں کرتے تو پھر حکومت کی مخالفت کی اجازت ہے۔ اس کی تفصیل چوتھی کتاب میں آئے گی۔

۵۔ اب یہ نیصلہ کون کرے گا کہ حاکم اللہ اور رسولؐ کے احکام کو مان رہا ہے یا نہیں تو اسلام کے لحاظ سے یہ نیصلہ عدلیہ کتی ہے یا ادنیٰ سطح کے علمایا اہلِ فکر یا مجلسِ مشاورت۔ قارئین کو یاد ہو گا کہ جناب مغیرہؓ اور جناب ولیدؓ جو گورنر تھے ان کے خلاف الزامات کی چھان بین مدینہ شریف میں خود قلیفہ وقت کی۔

۶۔ آزاری فکر کی وجہ سے پہلے خارجی گردہ پیدا ہوا۔ پھر معتزلہ اور ساتھ ہی کئی اور گردہ پیدا ہوئے جو اپنے آپ کو جبر یا قدریہ وغیرہ کہتے تھے۔ ایسے سب گردہ ہوں گے عقائد پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور اب یہ لوگ خود بخود ختم ہو گئے ہیں۔ لیکن اپنے زمانے میں ان لوگوں نے قرآن پاک کے مخلوق یا غیر مخلوق ہونے۔ تضادِ قدر کے مباحثوں اور اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے باطنی بحثوں کے ذریعہ سے امت میں ایسا تفرقہ پھرایا

کہ ہم اب تک ان تفرقوں اور گروہ بندیوں کی سزا بھگت رہے ہیں۔
 سہ - اسلام کسی دو عملی کا قائل نہیں۔ یہاں دین و دنیا ایک ہی اور احکام حکومت کے چلنے
 چاہئیں۔ عوام اپنی الگ بفسری تہیں بجا سکتے۔

ہوئی دین و دولت میں جس دم جدائی
 ہوس کی امیری ! ہوس کی دزیری
 دوئی ملک دین کے لئے نامسراوی
 دوئی چشم تہذیب کی نابصیری !
 یہ اعجاز ہے ایک عمر انشین کا
 بشری ہے آئینہ دار نذیری !
 (اقبال)

دسواں باب

فتنہ و فساد کا مرکز اسلام کی طرف رخ

ہر فتنہ و فساد کا اصلی ہدف کوئی مرکز ہی ہوتا ہے۔ عام طور پر فتنہ و فساد کی بنیاد بھی اسی مرکز میں ہی رکھی جاتی ہے۔ اگر اس فتنہ کو باہر سے کسی ملک یا قوم کی امداد بھی حاصل ہو، تو پھر بھی ضروری ہے کہ اس فتنہ کی بنیاد کو اپنے اصلی ہدف کے مرکز کے ساتھ وابستہ کیا جائے۔ دوسری جنگ عظیم سے تھوڑا پہلے جب سپین میں خانہ جنگی شروع ہوئی تو جنرل فرانکو میڈرڈ شہر کی چار اطراف سے پیش قدمی کر رہا تھا۔ اجباراً نو بیسوں کو اپنی تجاویز بتاتے ہوئے اُس نے کہا کہ اس کی فوج کی چار کالمیں چاروں اطراف سے پیش قدمی کر رہی ہیں اور پانچویں کالم شہر کے اندر ہے۔ ظاہر ہے کہ جب تک مرکز کے اندر کوئی چوٹ نہ ماری جائے تو مرکز کو ختم کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اور پانچویں کالم "کالغظا المدردنی چوٹ یا جاسوسی یا اندرونی سازش کیلئے استعمال ہونا شروع ہو گیا ہے

چنانچہ حضرت عمرؓ کی شہادت ایسی ہی سازش کے تحت ہوئی لیکن سازشیوں کا جلد قلع قمع ہو گیا پھر عبداللہ بن سبا بھی مدنیہ شریف میں ظاہر ہوا۔ بعد میں مصر، بصرہ، کوفہ اور شام ہر جگہ پر گیا۔ ملک شام میں تو اس کو کامیابی نہ ہوئی۔ لیکن مصر، کوفہ اور بصرہ میں ہر جگہ اُس کو کچھ نادان اور کچھ شریپند لوگ مل گئے۔ اب اگلا مرحلہ یہ تھا کہ ان گمراہوں، نادانوں اور شریپندوں کا کوئی استعمال کیا جائے اور ان کو اسلام کے مرکز مدنیہ شریف بھیجا جائے کہ وہاں پر شر پھیلائیں۔ بہر حال مرکز کی حفاظت اسی زمانے میں بھی ایک الگ کتاب کا مضمون ہے جس سلسلہ میں چند اشارے چوتھی کتاب میں موجود ہیں اور اُس زمانے کے حالات تو یہ تھے کہ حلیفہ دلت اپنی حفاظت کا بندوبست بھی نہ کرتا تھا۔

مدنیہ شریف میں اُس وحدتِ فکر اور مرکزیت کو دھچکا لگ چکا تھا۔ اول تو صحابہ کرامؓ کی نظری کم ہو گئی تھی اور مدنیہ شریف میں غلاموں یا غلامی سے تازہ آزاد شدہ لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی تھی۔ ان میں شاہد کچھ غیر مسلم بھی ہوں لیکن اکثر کی مسلمانی نہی اور دلتی تھی لیکن

زیادہ بد قسمتی کی بات یہ تھی کہ پرانے مسلمان بھی گردہوں میں بٹ چکے تھے۔ کاناپھویریاں شروع تھیں۔ نادالوں کی تعداد کافی تھی۔ اور صحابہ کرامؓ میں سے اکثر دروازہ سلکوں میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔

فتنہ والوں کا بدن جناب عثمانؓ تھے۔ جو لوگ حضرت عثمانؓ کے امراء کے خلاف الزامات کی بھرمار کر رہے تھے، دراصل وہ فکری اور ذہنی طور پر حضرت عثمانؓ کو مفلوج کرنا چاہتے تھے۔ عام آدمی کو یہ بات سمجھ نہ آئی کہ حضرت عثمانؓ کے خلاف سازش دراصل اسلام اور اسلام کے مرکز کے خلاف سازش تھی۔ حضرت عثمانؓ کے اس طرح منظر سے ہٹ جانے سے اسلام کی مرکزی وحدت پارہ پارہ ہو رہی تھی اور قوم بڑے بڑے گردہوں میں بٹ رہی تھی بد قسمتی سے کئی صحابہ کرامؓ بھی سازش کے اس پہلو کو نہ سمجھ سکے۔ کہ ان کو فتنہ والوں کے اصل ارادوں کے بارے میں صحیح خبر نہ تھی۔ ودم ان کو یہ خیال بھی نہ تھا کہ فتنہ پر واز اس طرح حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیں گے۔

فتنہ برپا کرنے والے تو بڑے مظلوموں کی طرح آگے بڑھ رہے تھے "کہ ان کے ساتھ بڑا ظلم ہو رہا ہے۔ بڑی بے انصافی ہو رہی ہے اور یہ ظلم ختم ہونا چاہیے" اور ہر جگہ فتنہ پر واز ایسا ہی کرتے ہیں۔ ہمارے ملک میں بھی یہی ہو چکا ہے کہ کچھ لوگ بڑے مظلوم بن کر آگے آئے اور اس ملک کی جڑیں اکھیڑ کر رکھ دیں۔ یہ لوگ جو اپنے آپ کو مظلوم ظاہر کرتے ہیں۔ ان کی مدد کرنے والا ایک گروہ آجکل بڑا مشہور ہے جس کو "سیاتہ الفتن کا گروہ" کہتے ہیں "مظلوم" کی مدد ان کا حق ہے اور ملک کی جڑیں اکھیڑنے کے بعد بھی ان لوگوں کی "حسب" پر حرف نہیں آتا۔ ان لوگوں کو کھل چھٹی ہوتی ہے کہ وہ غیروں کا باطل فلسفہ پیش کر کے قوم کو "گمراہ" کریں۔ یہ ان کا حق ہے کہ میکا ویلی یا چاکیا کے طریقے اپنا کر یہ لوگ قوم پر مسلط ہو جائیں۔ ذرائع ابلاغ ان لوگوں کے پیچھے پیچھے پھر رہے ہوتے ہیں کہ ان کا دانت جی دکھ جائے تو اخبار میں خبر شائع ہو جاتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان کی وجہ سے شیطان کو بھی کافی آرام ہو گیا ہے اور وہ پکارا مٹھا ہے :-

جمہور کے ابلیس میں اور بابِ ریاست
باقی نہیں اب میری ضرورت تہِ افلاک !
(اقبالؒ)

مفسدین کی تجویز

اب اندر ہی اندر ایک تجویز بنائی گئی اور تمام مفسدین ایک ہی وقت شمال کے پہنچنے میں مصر کو ذہ اور بصرہ سے نکل کھڑے ہوئے کہ حج کو جا رہے ہیں اور حج سے پہلے یا بعد حضرت عثمانؓ کو ملیں گے اور اپنے امراء کی شکایات بیان کریں گے۔ اہل مصر نے تو مدنیہ شریف والاراستہ استعمال کرنا تھا اور وہ مدنیہ شریف کے نزدیک آکر ذوالمرہ میں رُک گئے اُن لوگ کے پاس ایسے خطوط تھے جو اُن کے مطابق حضرت علیؓ کی مرضی سے لکھے گئے تھے اور حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علیؓ خلیفہ بننے پر تیار تھے۔ اسی دوران بصرہ سے ایک گروہ دار و دیوار اور ذوحشب کے مقام پر آکر ٹھہر گیا۔ ان کے پاس ایسے خطوط تھے جو اُن کے مطابق جناب طلحہؓ کی مرضی سے لکھے گئے تھے اور جناب عثمانؓ کے بعد جناب طلحہؓ خلیفہ بننے پر تیار تھے۔ اب تیسرا گروہ کونہ سے آیا اور انہوں نے اعوص کے مقام پر پڑاؤ کیا۔ ان کے پاس ایسے خطوط تھے جو اُن کے مطابق حضرت زبیرؓ کی مرضی سے لکھے گئے تھے اور وہ جناب عثمانؓ کے بعد خلیفہ بننے پر تیار تھے۔ طبری کے مطابق عبداللہ بن سبا بھی ان لوگوں میں شامل تھا۔ لیکن اسے اندر ہی اندر کام کرنا تھا۔ کسی جگہ سامنے ظاہر نہ ہوا۔

اہل مدنیہ کا ردِ عمل

جب اہل مدنیہ کو پتہ چلا کہ اس قسم کے گروہ مدنیہ کے گرد و نواح میں پہنچ چکے ہیں اور ان کی نیت کچھ فساد کی ہے تو اہل مدنیہ تیار ہو گئے کہ ان فسادیوں کو مدنیہ میں داخل نہ ہونے دیا جائے اور اگر انہوں نے کوئی ایسی کوشش کی تو ان کا سخت مقابلہ کیا جائے گا۔ لیکن مفسدوں کی باگ ڈور عبداللہ بن سبا اور اس کے بنائے ہوئے گروہ کے ہاتھ میں تھی کہ اُن کی ہر کاروائی کسی تجویز کے تحت ہوتی تھی۔ وہ پہلے کاری حاصل کر چکے تھے اور ان میں اتحاد اور مدد سے فکر تھی گو یہ وحدتِ فکر

بڑی رفتی قسم کی تھی اور منصفی بنیادوں پر قائم تھی۔ لیکن پھر بھی ایسی صورت میں وحدتِ فکر کے تحت تباہی اور فساد تو بچایا جاسکتا ہے، صرف کوئی ٹھوس کام نہیں کیا جاسکتا۔ تمام مفسد حضرت عثمانؓ کو خلافت سے ہٹانا چاہتے تھے۔ آگے کیا ہوگا اس سلسلہ میں وہ خود گرد رہیں۔ یہ بٹے ہوئے تھے اور یہ بھی فسادوں کو شہ دینے والے سازشیوں نے جان بوجھ کر کیا تھا کہ فساد سے فساد نکلے۔ بہر حال ان کی اس وحدتِ فکر نے ان کو پہل کاری ضرور دی

اور حضرت عثمانؓ یا مدنیہ کے رہنے والے عظیم صحابہؓ اپنی وحدتِ فکر کھوپکے تھے۔ ان کی تمام تر کارروائیاں ردِ عمل کے طور پر تھیں اور ردِ عمل کسی وحدتِ فکر کے تحت نہ تھا۔ ہر صحابی کا ردِ عمل مختلف رُخ میں تھا اور یہ نکتہ یاد رکھنے سے تعلق رکھتا ہے کہ جب کسی جگہ کسی قوم کی وحدتِ فکر کو دھچکا لگ جائے تو کبھی بھی کوئی طے جلے یا متحدہ ردِ عمل نہیں ہو سکتے۔ اور زوال چند دنوں کی بات ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسلام کے لحاظ سے آزادیِ فکر کو حدود کے اندر رکھا جاتا ہے

اہل مدنیہ کے ردِ عمل کے بعد مفسدین کی کارروائی

تمام مفسدین کی باگ و ڈور جس کے ہاتھ میں تھی وہ بڑی ہوشیاری سے اپنا کام کر رہا تھا جب اس کو پتہ چلا کہ اہل مدنیہ کا ردِ عمل بڑا سخت ہے اور وہ ان کو مدنیہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ تو انہوں نے دو نمائندے چنے جن کا نام زیاد بن السنفر اور عبداللہ بن اسلم تھے۔ یہ دونوں آدمی باری باری جناب علیؓ، جناب طلحہؓ، جناب زبیرؓ اور جناب اہبات المومنینؓ میں سے کسی ایک کے خدمت میں حاضر ہوئے اور مظلوم بن کرم رض کی کہ دراصل وہ توجیح پر جا رہے تھے اور راتہ میں ایسے ہی رک گئے ہیں۔ تاکہ آپ لوگوں کو اپنی تکالیف سے آگاہ کریں کہ ہم حضرت عثمانؓ کے عاملوں سے بہت تنگ ہیں۔ آپ مہربانی فرما کر کسی طرح سے ان عاملوں سے ہمارا چھٹکارا کرائیے تمام صحابہ کرامؓ اور اہبات المومنینؓ نے مفسدین کو بڑے سخت جواب دیئے۔ کہ ابھی ابھی تحقیقاتی وفد گئے تھے اور وہاں تمہارا کوئی الزام بھی صحیح ثابت نہیں ہوا۔ ہر ملک سے عظیم صحابہ کرامؓ نے آکر رپورٹ دی ہے کہ ہر جگہ حالات ٹھیک ہیں اور پھر یہ شکایات کسی سلسلہ میں ہے بہر حال مفسدین کے وفد کے یہ دونوں آدمی ناکام لوٹے۔

۱۔ اسلام کبھی منصفی بنیادوں پر کسی اتحاد کی اجازت نہیں دیتا

اب مفسدین نے پختہ تبدیل کر لیا اور مصر کے مفسدین سے ایک وفد حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ وہ حضرت عثمانؓ کو معزول کر کے آپ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت علیؑ نے ان پر لعنت بھیجی اور فرمایا کہ تم لوگ ذمہ ، ذرخشب اور اعوص میں قیام پذیر ہو اور حضور پاکؐ نے اس جگہ قیام کرنے والے لشکروں پر لعنت بھیجی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تمہارے وہی لشکر تھے اور اب تمہارا قتنہ ظاہر ہو گیا ہے۔ اہل مصر میں سے کچھ لوگ یہ سن کر حیران رہ گئے اور کہنے لگے کہ پھر آپ ہمیں خط کیوں بھیجتے رہے۔ حضرت علیؑ یہ سن کر حیران ہو گئے اور انہوں نے فرمایا کہ انہوں نے کبھی کوئی خط نہ بھیجا اور نہ کسی کو اجازت دی کہ وہ ان کے نام کو استعمال کرے۔ یہ سب سازش ہے پھر آپ نے اہل مصر کے وفد کو منتشر کر دیا۔

مفسدین کی پہلی کامیابی

بعینہ ہی واقعات جناب طلحہؓ اور بصرہ والوں کے درمیان ہوئے اور اسی طرح کے واقعات جناب زبیرؓ اور کوفہ والوں کے درمیان ہوئے تینوں عظیم صحابہؓ نے نہ صرف مفسدین پر لعنت بھیجی بلکہ اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ وہ شہر پسندوں کے مدنیہ شریف میں داخلہ کو روکیں اور حضرت عثمانؓ کی حفاظت کریں۔ لیکن شہر پسند اپنا کام کر گئے تھے۔ وہ تفرقہ کا بیج بونا چاہتے تھے۔ وہ یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ اہل مصر حضرت علیؑ کے ساتھ ہیں۔ اہل بصرہ حضرت طلحہؓ کے ساتھ اور اہل کوفہ حضرت زبیرؓ کے ساتھ۔ وہ حضرت عثمانؓ کے دل میں بھی شکوک پیدا کرنا چاہتے تھے۔ اب ایک طرف حضرت عثمانؓ کی معزولی کی باتیں ہو رہی تھیں۔ تو دوسری طرف خلافت کے زیادہ امیدوار پیدا کر کے مفسدین نے اہل مدنیہ کی رہی سہی وحدتِ فکر کو بھی پاش پاش کر دیا۔ بلکہ یہ خبر بھی پھیلائی گئی کہ حضرت عثمانؓ جناب معاویہؓ کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں۔ یا ان کے حق میں خلافت سے دست بردار ہو رہے ہیں۔ اور امیر سادیہؓ ہی ایک دن مسلمانوں کے خلیفہ ہوں گے۔ اس سلسلہ میں حضور پاکؐ کی کسی پیشگوئی کو بھی آگے لایا گیا اور پچھلے باب میں ہم کعب اجبار کے ایک شعر کا بھی ذکر کر چکے ہیں۔

جناب عثمان رضی اللہ عنہ اور جناب علی رضی اللہ عنہ کی بات چیت

اب فقہ مرکز اسلام میں داخل ہو گیا تھا تو عظیم صحابہ کرام جناب عثمان رضی اللہ عنہ اور جناب علی رضی اللہ عنہ نے الجھنے ہوئے معاملات کو سلجھانے کیلئے ایک کوشش کی۔ ان کے درمیان جو بات چیت ہوئی اس کے کچھ اقتباسات حسب ذیل ہیں :-

جناب علی رضی اللہ عنہ : آپ کے امرا میں سے اکثر وہ کچھ کرتے ہیں جو وہ چاہتے ہیں۔
 جناب عثمان رضی اللہ عنہ : ان عاتقوں اور امرا میں سے اکثر کو جناب عمر رضی اللہ عنہ نے بھی کچھ عہدہ دیا اور اس وقت بھی دور دراز ہونے ہوئے زیادہ کام اپنی مرضی سے کرتے تھے۔
 حضرت علی رضی اللہ عنہ : یہ صحیح ہے لیکن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے آنا ڈرتے تھے جتنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا غلام بڑھا بھی نہیں ڈرتا تھا۔ لیکن آج امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جو کچھ چاہتے ہیں کرتے ہیں اور نام آپ رضی اللہ عنہ کا استعمال کرتے ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ : یہ صحیح ہو سکتا ہے لیکن جہاں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ موجود ہیں وہاں کوئی گڑبڑ نہیں اور باقی جگہوں پر فتنہ ہی فتنہ ہے۔ میں ہر جگہ حاضر تو نہیں ہو سکتا۔ مجھے تو نتائج دیکھنے ہوتے ہیں جس جگہ نتائج اچھے نکل رہے ہیں وہاں داخل اندازی پسند نہ کروں گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ : یہ آپ کی مرضی۔ میں نے حقیقت بتا دی ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ : اے ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ! حکومت کے اندر اور باہر کے حالات میں کچھ فرق ہوتا ہے جس ناملے میں میں بھی خالی مشیر تھا۔ تو میرا حالات کا اندازہ کچھ اور قسم کا تھا۔ لیکن اب حالات کی شکل و صورت ہی مختلف نظر آتی ہے بہر حال میں بہت جلد سب لوگوں کے اعتراضات کے جواب مسجد نبوی میں دوں گا؟

جناب عثمان رضی اللہ عنہ کے جوابات

جناب عثمان رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن اعتراضات کا جواب دینے کی ٹھانی اور مفسدین یعنی باہر

سے آئے ہوئے لوگوں میں سے بھی چند کو اجازت ملی گئی کہ وہ مسجد میں آکر حضرت عثمانؓ کے جوابات سنیں اور فیصلہ ہوا کہ اُس کے بعد حضرت علیؓ اور مدنیہ سے باقی صحابہ کرامؓ مفسدین کو تتر بتر کرادیں گے۔ چنانچہ جمعہ کے اجتماع میں حضرت عثمانؓ نے جو وصا حیتیں بیان کیں۔ وہ حسب ذیل تھیں۔

۱۔ نماز قصر

لوگ کہتے ہیں کہ میں نے سفر میں پوری نماز پڑھی۔ یعنی مکہ شریف میں میں نے نماز قصر پڑھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اُس شہر میں میرے اہل و عیال تھے تو میں نے گھر سمجھ کر پوری نماز پڑھی اور یہ میرا ذاتی اجتہاد بھی تھا کہ میں نے کچھ لوگ جو اب مکہ شریف میں آباد ہو گئے ہیں اب بھی نماز قصر پڑھتے ہیں۔ میں اس کو رد کرنا چاہتا تھا۔

۲۔ محفوظ چراگاہ

لوگ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے لئے کوئی چراگاہ محفوظ کر لی ہے۔ یہ غلط الزام ہے صدقہ کے جانوروں کے لئے میں نے کچھ علاقہ مخصوص کیا۔ اور مسلمانوں کو جو جانور حج کے لئے صدقہ پر دیئے جاتے ہیں وہ جگہ اُن مخصوص جانوروں کے لئے حج سے چند ماہ پہلے استعمال ہوتی رہتی ہے۔

۳۔ مال و دولت

کہا جاتا ہے کہ میں نے بہت مال اکٹھا کر لیا ہے۔ بخدا میں جب خلیفہ بنا تو میرے پاس تمام مسلمانوں سے زیادہ بھیڑ اور بکریاں تھیں۔ لیکن اب حج کی سواری کے لئے دو اونٹوں کے بغیر کچھ بھی نہیں ہے۔

۱۔ حضرت عثمانؓ کی ایک بڑی محترمہ بھی مکہ شریف رہتی تھیں اس سلسلہ میں جناب ابوذرؓ کے فتوے اور عمل کا ذکر پہلے ہو چکا ہے

۲۔ قرآن پاک کی اشاعت

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن پاک کی کئی کئی ہیں تھیں میں نے ایک قرآن کر دیا۔ قرآن پاک ایک ہے جو ایک خدا کی طرف سے نازل ہوا۔ یہ میرے سابقہ رفقا اکٹھا کر گئے اور میں نے آپ لوگوں کے ساتھ مشاورت کے بعد اس کی اشاعت کی۔

۳۔ میرے چچا حکم کا معاملہ

میرے چچا حکم کو مکہ سے حضور پاکؐ نے جلا وطن کر دیا تھا۔ پھر حضور پاکؐ ہی نے اپنے زمانے میں اُس کی جلا وطنی ختم کر دی تھی حضور پاکؐ ہی نے اُن کو مکہ سے طائف بھیجا اور طائف سے پھر مکہ جانے کی اجازت دے دی۔ حضور پاکؐ کی ذات ان معاملات کو بہتر سمجھتی تھی۔ لیکن اب بہتان میرے اوپر لگ رہا ہے کہ میں نے اُن کی جلا وطنی ختم کی۔ لغو و بالہ۔ میں کون ہوتا ہوں کہ حضور پاکؐ کے احکام میں تبدیلی کروں۔

۴۔ نو عمر حکام

لوگ کہتے ہیں کہ میں نے نو عمر لوگوں کو حاکم بنایا۔ بے شک میں نے سعید بن العاص اور عبد اللہ بن عامر کو حاکم بنایا جو نو عمر تھے لیکن انہوں نے جو فتوحات حاصل کیں وہ بھی آپ لوگ دیکھ چکے ہیں۔ حضور پاکؐ نے جب اسامہ بن زیدؓ کو حاکم بنایا تھا تو بھی لوگوں نے اعتراضات کئے۔ لیکن اسامہؓ نے بڑی کامیابی دکھائی۔ تو لوگ تو ایسی باتیں کرتے رہتے ہیں۔

۵۔ عبد اللہ بن ابی سرحہ کو انعام

بے شک میں نے افریقہ کے مالِ غنیمت سے ایک لاکھ روپیہ کا انعام افریقہ کی مہم کے سالار عبد اللہ بن ابی سرحہ کو دیا تھا۔ لوگوں نے اس پر اعتراض کیا۔ میں نے یہ رقم اُن سے واپس لے کر اہل شکر میں بانٹنے کا حکم دے دیا۔

تبصرہ :- اس سلسلہ میں کچھ مورخین نے مروان کا نام لیا ہے کہ اُس نے ایک لاکھ روپے کی رقم لے لی۔ کچھ کا خیال ہے کہ افریقیہ کا سارا مال غنیمت مروان نے سستے داموں یعنی پانچ لاکھوں میں خرید لیا۔ یہ سب کہانیاں ہیں۔ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ مال غنیمت لے کر ہی جناب عبداللہ بن زبیر مدینہ آئے تھے۔

۸۔ رشتہ داروں کو عطیات

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ میں نے عطیات دے کر اپنے رشتہ داروں کے دماغ خراب کر دیئے ہیں۔ اور کچھ یہ کہتے ہیں کہ میں سرکاری خزانے سے رشتہ داروں کو انعامات دیتا ہوں بخدا سرکاری خزانہ یا بیت المال تو میرے ہاتھ میں ہے بھی نہیں۔ یہ مسلمانوں کا مال ہے اور کسی کو اگر میں یہ مال دوں گا تو یہ اُن پر حلال نہ ہوگا۔ ہاں البتہ میں نے اپنا مال اپنے رشتہ داروں میں بانٹ دیا ہے میں نے اپنی اراضی بھی اُن کو دے دی ہے۔ آپ اس سلسلے میں یہ کہیں کہ میں نے گھردالوں یا رشتہ داروں سے زیادہ محبت کرتا ہوں یا جو کچھ بھی کہیں میرے لئے یہ سب ہمارے آقا حضور پاکؐ کی تعلیم کے تحت ہے اور میں اس کو صلہ رومی کہوں گا۔

خطبہ کے اثرات

اسی طرح سے روایت ہے کہ حضرت عثمانؓ نے کئی اور باتیں بھی کہیں۔ اور سارے جوابات بڑی عاجزی کے ساتھ دیئے۔ لوگوں پر اتنا زیادہ اثر ہوا کہ کئی لوگ اتنے روئے کہ آئندوں سے اُن کی داڑھیاں تر ہو گئیں۔ مفسدین بھی ٹھنڈے پڑ گئے اور اُن کو کچھ خطوط بھی دیئے گئے جو ان کے حکماء کے نام تھے، کہ اُن لوگوں کی شکایات کا ازالہ کریں۔ لیکن قارئین یہ یاد رکھیں کہ وہ "مفسدین" ٹھنڈے پڑے جو نادان تھے۔ سازش والوں پر اس کا کیا اثر ہونا تھا۔

حضرت علیؓ و مہاجرین و انصار کا وفد

چنانچہ حضرت علیؓ تیس چیدہ چیدہ مہاجرین اور انصار کے ساتھ مفسدین کے پاس گئے ان

صحابہ کرام میں سے کچھ نام یہ ہیں۔ جناب محمد بن مسلمہ۔ جناب سعید بن زید (حضرت عمرؓ کے بہنوئی)۔
 جناب زید بن ثابت جو کاتب وحی تھے جناب سعید بن العاص (سابق گورنر کوفہ) اسلام کے عظیم شاعر جناب
 حسان بن ثابت عالم دین جناب کعب بن لکھ۔ عظیم صحابی جناب جبر بن مسلم اور حکیم بن واصل
 کچھ مورخین نے مردان بن حکم، عبدالرحمن بن عتاب، ابواسید ماعدی ابو حمید اور نیاز بن کرز
 کے نام بھی لکھے ہیں۔ بہر حال چونکہ قیس کا ذکر ہے اس لئے صحابہ کرام اور بھی ہو سکتے ہیں اور روایت
 ہے کہ سب سے پہلے اس دند میں سے جناب علیؓ اور محمد بن مسلمہ نے مصریوں سے بات کی اور مصری
 واپس جانے پر تیار ہو گئے۔ اور پھر باقی مفسدین بھی جانے پر تیار ہو گئے۔ اور ایسے معلوم ہوتا
 تھا کہ فتنہ ختم ہو گیا ہے۔ کیونکہ مفسدین نے اپنے پڑاؤ چھوڑ دیئے اور ظاہر کیا کہ وطن واپس جا
 رہے ہیں۔ لیکن یہ دھوکہ اور سازش تھی۔ سازش والوں میں زیادہ تعداد مصریوں کی تھی ان کی
 تعداد کم سے کم چھ سو اور زیادہ سے زیادہ ایک ہزار بتائی جاتی ہے۔ بصرہ اور کوفہ سے سازش
 والوں کی تعدادنی مقام تقریباً دوسو تھی۔ اور سازشیوں کی کل تعداد ڈیڑھ ہزار کے لگ بھگ
 تھی۔ پہلی دنوہ مدینہ میں داخل نہ ہو سکے۔ اب وہ کسی اور طریقہ کو اختیار کرنے والے تھے
 جن کا ذکر اگلے باب میں ہو گا۔

نتیجہ و اسباق

اس باب میں مفسدین کی تجویز اور اس پر عمل پیرا ہونے کے لئے جو تہمتیں لگائیں گے انہوں
 نے استعمال کئے خاص مطالعہ کا موضوع ہے ہمارے سرسری مطالعہ کا مقصد صرف یہ تھا کہ بات
 سمجھ آ جائے کہ یہ ایک سازش ہے۔ اور مفسدین بڑے منجھے اور سلجھے ہوئے طریقے سے
 اپنی تجویز کو آگے بڑھا رہے تھے۔ شیطان ان کو کوئی بڑے چنے ہوئے ”ابو جہل“ دے دیئے کہ
 ان کی ہر کار روائی سے وہ اسلام کے مرکز پر چوٹ کر رہے تھے۔ اور یہ سب کچھ عبداللہ بن سبا

طریقے نے ایک جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ ہر مقام سے سازشیوں کی تعداد تقریباً برابر تھی تو پھر
 مفسدین کی کل تعداد اٹھارہ سو سے اڑھائی ہزار تک ہو سکتی ہے۔

کے اٹکے پر ہوتا تھا۔ جو خود آگے نہ ہوتا تھا۔

۲۔ ایک آدمی کو نظر آئے گا اور مدینہ میں بھی اکثر سادہ لوگوں نے یہ تاثر لیا کہ مفسدین نے کچھ مطالبے صحیح کئے تھے یا وہ غلط نہیں کا شکار تھے۔ اور جب حضرت عثمانؓ نے مسجد میں وصیّت کر دی اور حضرت علیؓ نے مفسدین کو تسلی کر دی تو وہ واپس چلے گئے۔ لیکن یہ ڈرامہ تھا جس کا ذکر آگے آئے گا۔

۳۔ مفسدین اپنا پہلا وار کر چکے تھے وہ مدینہ کی ”دیکھ بھال“ کر گئے تھے۔ اُن کو اُس وقت کسی نے مدینہ میں داخل نہ ہونے دیا۔ لیکن اب وہ مدینہ کے اندر ”منظوم“ بن کر داخل ہونے کا ڈرامہ رچانے والے تھے۔ اگر مفسدین پر انہی دنوں کوئی کاری ضرب پڑ جاتی تو شاید سازش ختم ہو جاتی۔

کھلتے نہیں اس قلزم خاموش کے اسرار

جب تک تو اسے ضربِ کلیمی سے نہ چیرے

(اقبال)

لیکن ہمارے اللہ کو ایسے ہی منظور تھا

گیارہواں باب

مفسدین کا مرکز اسلام میں داخلہ
اور

حضرت عثمانؓ کی شہادت

مفسدین کی سازش اتنی گہری تھی کہ اُس کو سمجھانا جاسکا۔ وہ اپنی قیام گاہوں کو چھوڑ گئے تھے لیکن کس طرف گئے؟

روایت ہے کہ مصر والے مصر کی طرف روانہ ہو گئے اور کوئٹہ دلبصرہ والے کوئٹہ اور بصرہ کی طرف۔ اور ان لوگوں کو مکہ شریف سے گزر کر جانا تھا۔ لیکن مصر والے مصر کی طرف کیوں روانہ ہو گئے؟ وہ بھی توضیح کرنے آئے تھے اور ان کو بھی مکہ شریف جانا چاہیے تھا۔ کسی مورخ نے آج تک اس پہلو پر روشنی نہیں ڈالی کہ مفسدین کب اور کس وقت اور کس سمت کو روانہ ہوئے۔ صرف اتنا لکھا ہے کہ حضرت علیؓ اور باقی صحابہ کرامؓ کے سمجھانے پر وہ اپنی قیام گاہوں کو چھوڑ گئے اور تین دن اہل مدینہ نے امن کا سانس لیا۔

لیکن چوتھے دن مدینہ کی گلیوں میں مفسدین ایک ایک کر کے داخل ہو رہے تھے۔ انہوں نے بڑی منظومانہ شکل بنائی ہوئی تھی۔ اور ایک تجویز کے تحت شور مچ گیا۔ ”کہ دیکھو جی ظلم کی کوئی حد ہوتی ہے۔ وعدہ کا کوئی پاس ہوتا ہے۔ دغا بازی کی کوئی وجہ ہوتی ہے۔ خلیفہ وقت نے ہمارے ساتھ دھوکا کیا ہے۔ وہ ہماری جان کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ وہ ہمیں قتل کر دینا چاہتے ہیں۔ یہ دیکھو یہ خط ہے۔ یہ حاکم مصر کے نام ہے۔ اس خط پر خلیفہ وقت کی مہر لگی ہوئی ہے آپ خط کا مضمون پڑھیں۔ اس میں یہ لکھا ہے کہ فلاں فلاں کے مصر پہنچتے ہی ان کو قتل کر دیا جائے۔ خلیفہ وقت کی دو زبانیں ہیں۔ خلیفہ وقت بہرہ دیا ہے۔ ہمیں کچھ کہتا ہے اور اندر اندر کچھ اور کرتا ہے یہ خط ہم نے ان کے ایک تیز رفتار قاصد سے چھینا ہے۔ اور وہ قاصد مصر جا رہا تھا۔ اور ہم سے پہلے مصر پہنچ جاتا۔“

اور پھر ایک گروہ آگے نکلا اور کہنے لگا یہ نہیں! نہیں۔ حضرت عثمانؓ ایسے نہیں ہو سکتے۔ وہ کمزور طبیعت ضرور ہیں لیکن اس حد تک نہیں جا سکتے۔ یہ سب شرارت مروان کی ہے۔ اس میں حضرت عثمانؓ کا قصور اتنا ضرور ہے کہ مروان جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے اور انہوں نے مروان کو اتنا سر پر چڑھا دیا ہے یا اتنے اختیار دے دیئے ہیں کہ مروان اس حد تک جا سکتا ہے لیکن خلیفہ سوم کو ان کا رد ایسوں سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔“

”کہاں ہیں جناب علیؓ؟ کہاں ہیں جناب طلحہؓ و زبیرؓ۔ اے حضور پاکؐ کے عظیم صحابہ! ہم انصاف چاہتے ہیں۔ آپ لوگوں نے ہمیں واپس کیا تھا۔ اور اب ہمیں آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔ ہمارے ساتھ بڑا دھوکا ہوا۔ اچھا ہوا۔ دقت پر پتہ چل گیا۔ لیکن اب ہم دھوکا کھانے والے نہیں ہیں۔ مومن ایک سوراخ سے صرف ایک دفعہ ڈسا جا سکتا ہے۔ اب نہ ہمیں حضرت عثمانؓ پر بھروسہ ہے اور نہ ان کے امراء پر۔ اب ہم خود فیصلہ کریں گے کہ ہمارا خلیفہ کون ہو اور ہمارے باقی امراء کون ہوں۔ اے اہل مدینہ! آپ پر فرض ہے کہ آپ ہماری مدد کریں“

مفسدین مدینہ شریف میں

اور اس قسم کی مظلومیت اور آہ دیکار کر کے تقریباً ڈیڑھ دو ہزار مفسدین مدینہ شریف میں داخل ہو گئے۔ مدینہ شریف کے حالات ہم بیان کر چکے ہیں کہ کچھ غلام یا غلامی سے تازہ تازہ آزاد شدہ لوگ بھی آباد تھے۔ ان میں سے اکثر ”ماشہ بین“ بن کر مفسدوں کے ساتھ شامل ہو گئے دیئے بھی کوئی گروہ کسی دقت حاکموں کے خلاف اٹھ کھڑا ہو تو کسی لوگ ہڑ بونگ میں شامل ہو جاتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ حیران تھے کہ کیا ماجرا ہے۔ لیکن کچھ روایات کے مطابق جناب محمدؐ بن ابوبکرؓ جیسے لوگوں کی مفسدین کے ساتھ شرکت یا حوصلہ افزائی کا ذکر ضرور ہے۔

جعلی خط

وہ خط جس کا ذکر اہل مصر کرتے تھے۔ اس کا کوئی وجود بھی تھا یا نہیں سے مورخین اس نکتہ کو واضح نہیں کر سکے۔ کہ یہ خط ایسا تھا یا اس کا متن حسب ذیل تھا: اس لئے خط کے وجود سے بھی انکار ہو سکتا ہے۔ کچھ لوگ کہتے تھے کہ خط میں لکھا تھا کہ مصریوں میں سے

عبدالرحمن بن عدیس عمرو بن الحق اور عمرو بن ابیہام کو در سے لگائے جائیں اور قید کر کے لے کر
سراور ڈاڑھیاں ٹوڑنی جائیں۔ اور بعضوں کو سولی بیٹے کے بارے میں لکھا تھا۔ وہ کون تھے
مورخیں اس سلسلہ میں خاموش ہیں۔ خط لے جانے والا کون تھا۔ کچھ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان
کا کوئی غلام تھا بعض کہتے ہیں کہ جناب ابولاعور اسمعیٰ تھے۔ بطری اور ابن خلدون تو خط کے
سلسلہ میں صرف یہ کچھ لکھتے ہیں۔

البتہ کچھ مبصرین اور مغربی مورخین نے متعدد دوسرے مسلمان مورخین کے حوالے سے یہ بات بھی
لکھی ہے کہ یہ سارا خط جناب محمد بن ابوبکرؓ کے خلاف لکھا گیا تھا۔ کہ حضرت عثمان نے جناب عبداللہؓ
کو لکھا کہ وہ مجبوری کے تحت محمد بن ابوبکرؓ کو عامل مقرر کر رہے ہیں اور جیسے وہ مصر پہنچے
اُس کو قتل کر دیا جائے۔

ہم اس کا جائزہ نہ پیش کریں گے۔ ہمارے لحاظ سے خط کا کوئی وجود ہی نہیں اور اگر کوئی
کاغذ کا ٹکڑا مفسدین اٹھائے پھرتے تھے تو وہ جعلی یا جھوٹا خط تھا۔ تمام مورخین نے یہ لکھا ہے
کہ جناب علیؓ اور جناب محمد بن مسلمہ نے تمام مفسدین کے سامنے یہ صفائی پیش کی کہ یہ خط حضرت
عثمانؓ نے نہیں لکھوایا۔ لیکن مفسدین نہیں مانتے تھے۔ تو حضرت علیؓ نے پوچھا کہ ذرا یہ تو بتاؤ کہ
اہل مصر کو تو یہ خط واپس لے آیا۔ کوفہ اور بصرہ والے جو مشرق یا جنوب مشرق کی طرف دوسرے
راستے پر جا رہے تھے۔ وہ کیوں واپس آگئے۔ لیکن مفسدین کا طریقہ سب دینا کو معلوم ہے کہ وہ
کہتے تھے کہ فلاں سے پوچھو یا یہ بات فلاں کو پتہ ہے۔ اب ہر بڑے بڑے پٹی تھی کوئی کسی سے کیا پوچھتا
اور جہاں ان حالات میں مردان کو ایسا خط لکھنے کی کیا ضرورت تھی۔

بطری کے مطابق جب مصری واپس جا رہے تھے تو انہوں نے ایک سوار کو دیکھا۔ جو کبھی اُن کے
سامنے آتا تھا اور کبھی الگ ہو جاتا تھا پھر لوٹ کر آتا تھا۔ اور پھر چلا جاتا تھا۔ جب اس سوار
سے پوچھا گیا۔ تو اس نے بتایا کہ وہ امیر المؤمنین کا قاصد ہے اور ایک اہم کام پر جا رہا تھا۔
جب اس کی تلاشی لی گئی تو یہ خط ملا۔

عبدالرحمن بن الحق کو میسرہ بھی کہتے تھے اور اس نے بعد میں جناب عثمانؓ پر حملہ کیا

تبصرہ

طبری یا کسی پرانے مورخ نے اس بات پر تبصرہ نہیں کیا۔ تو کیا یہ قاصد خط کو ظاہر کرنے کے لئے مفسدین کے قافلہ کے آگے پیچھے پھرتا تھا؟ دراصل ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مفسدین یا سازشی تو ہوتے تھے۔ نادانوں کو بتانے کے لئے قاصد کا ڈرامہ بھی رچایا گیا۔ اور مصر کے قافلہ کے ساتھ یہ ڈرامہ اس لئے کیا گیا کہ کوفہ میں لوگوں کی مرضی کے حاکم جناب ابو موسیٰ بن عامل بن چکے تھے بصرہ میں جناب عبداللہ بن عامر کے خلاف کوئی خاص شکایت نہ تھی۔ اور مصر میں جناب عبداللہ بن ابی مروح کے خلاف ہی شکایات تھیں اور صرف انہی کو تبدیل کرنے کی تگ و دو ہو رہی تھی۔ کچھ مورخین کے لحاظ سے مصر کے اندر بھی نساد تھا۔ اور جناب عبداللہ مصر سے فرار ہو کر فلسطین پہنچ چکے تھے۔ والد اعلم۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو پھر تو خط یقینی طور پر جعلی معلوم ہوتا ہے۔

ایک ڈرامہ

ہمارے لحاظ سے یہ سب ڈرامہ تھا اور اس ڈرامے کا ایک ایک منظر ایسا چچا تھا کہ کسی کو کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ کیا ہو رہا ہے۔ مفسدین چلے گئے تو کہاں اور کس سمت؟ تو کوئی جواب نہیں! مفسدین واپس آگئے؟۔ سارے کیسے واپس آگئے؟ کوئی جواب نہیں؟ معلوم یہ ہوتا ہے کہ مفسدین کا کنٹرول ایک آڈنی کے ہاتھ میں تھا اور آگے اس کے ماتحت مفسدین اندر ہی اندر کام کر رہے تھے۔ مفسدین نے اپنے پڑاؤ پھوڑے ضرور، لیکن زیادہ دور نہ گئے۔ راستے بھی الگ الگ اختیار کئے گئے اور مصر والے حج کے لئے مکہ نہ گئے کہ خط کا ڈرامہ بنانا تھا۔

مصر والے قافلہ کے ڈرامہ کی خبر کوفہ اور بصرہ کے مفسدین کے لیڈروں کو پہلے سے تھی اور شاید کوئی تیز رفتار قاصد بھی بھیج دیا ہو گا۔ مفسدین مدینہ شریف چوتھے دن آگئے لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ مدینہ سے ڈیڑھ دن کے فاصلہ پر سے واپس آئے۔ ایک دن سفر کیا۔ دوسرے دن

نہ اور یہ ایک آڈنی عبداللہ بن سبا ہی ہو سکتا ہے۔

جبلِ خط کا ڈرامہ کیا اور مہری واپس ہوئے اور کوئٹہ و لہرہ والوں کو خبر دے دی گئی کہ وہاں بھی کوئی ڈرامہ کیا جائے۔ تینوں گروہ تیسرے دن شام کو اپنے پرانے پڑاؤ میں ہوں گے اور چوتھے دن ایک ایک کر کے مدینہ شریف میں مظلوموں کی صورت بنا کر داخل ہو گئے۔

مفسدین کی پہلی بڑی کامیابی

مفسدین نے مدینہ شریف کے اندر داخل ہو کر ایک بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی تھی۔ وہ مظلوموں کی صورت میں مدینہ شریف داخل ہوئے تھے۔ مدینہ شریف کے ماشہ بن بھی ان کے ساتھ شریک ہو گئے۔ عظیم صحابہ کرامؓ کو بات سمجھ نہ آ رہی تھی کہ کیا کیا جائے۔ اور مفسدین لوگوں کے جذبات بھڑکا رہے تھے کہ خلیفہ وقت نے مہد شکنی کی ہے۔ اس لیے ان کا خون حلال ہو گیا ہے۔ اگر ایسا نہیں تو یہ کام مردان نے کیا ہے اس خط پر خلیفہ وقت کی مہر ہے اور یہ مہر مردان کے پاس ہوتی تھی۔ تو خلیفہ وقت مردان کو ان کے حوالے کریں اور ان کو اجازت دیں کہ وہ مردان کے خلاف کارروائی کریں اب ادل تو خط بھی کوئی تھا یا نہیں اور مہر کیسی تھی۔ کہ ان کو تو کوئی پوچھ بھی نہ سکتا تھا کہ بھائی کیا بات ہے؟ اور وہ ہڑ بونگ پچائے پھرتے تھے۔

واقعات کا تسلسل

یہاں سے آگے کے واقعات بڑی میں اتنے زیادہ لکھے گئے ہیں کہ اگر تمام واقعات کو لکھ دیا جائے تو آدمی بھول بھلیوں میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ کیونکہ نہ صرف بیانات اور روایات میں تضاد ہے بلکہ واقعات میں تسلسل بھی نہیں اور آگے کی بات پیچھے۔ اور پیچھے کی آگے لکھی ہے ان خلدون کچھ بہتر ہیں۔ بلقیات ابن سعد میں بھی ذکر کا سلسلہ کچھ بہتر ہے۔ اور ان واقعات کے سلسلہ میں کئی مورخین نے بھی کچھ تجزیے پیش کئے ہیں۔ ان سب کتابوں کو پڑھنے کے بعد ہمارا تجزیہ یہ ہے۔

مفسدین کے سامنے دو مقصد تھے۔ اول مقصد یہ تھا کہ ان کو مدینہ میں داخلہ مل جائے اور دوم حضرت عثمانؓ کو وہ تصور وار کہہ سکیں یا ان پر الزام لگا سکیں کہ سب تصور ان کا ہے۔ انہوں

نے یہ دونوں مقصد حاصل کر لئے۔ اس کے بعد انہوں نے تین شرطیں پیش کر دیں۔ وہ شرطیں پیش کرنے کے پوزیشن میں ہونگے تھے اور من مانی کر سکتے تھے جس کو موجودہ زمانے میں **DICTATING TERMS** کہتے ہیں۔ وہ تین شرطیں کیا تھیں؟

- ۱۔ حضرت عثمانؓ مستعفی ہو جائیں۔ اگر یہ منظور نہیں تو:-
- ۲۔ حضرت عثمانؓ تمام ممالک کو معزول کر دیں۔ اور نئے ممالق مقرر کرنے کا حق مفسدین کو دے دیا جائے۔ اگر یہ بھی منظور نہیں تو:-
- ۳۔ جنگ کے لئے تیار ہو جائیں۔

مردان کا حصہ

کچھ روایات میں یہ بات بھی لکھی ہے کہ مفسدین کہتے تھے کہ خطا اگر حضرت عثمانؓ نے نہیں لکھا تو مردان نے لکھوایا یا مردان کا اس میں ہاتھ ہے اس لئے مردان ان کے حوالے کر دیا جائے اور وہ اس سے نپٹ لیں گے۔ ہمارے تجزیہ کے مطابق یہ بات کچھ صحیح نہیں۔ مردان کھلم کھلا حضرت عثمانؓ کی حفاظت کرتا رہا۔ اور آپؓ کی حفاظت کرتے ہوئے زخمی بھی ہوا۔ بعد میں جناب عثمانؓ کے جنازہ میں بھی شریک ہوا۔ مردان کے اوپر تمام تر ذمہ داری عباسی خاندان کے زمانہ خلافت میں ڈالی گئی۔ کہ انہوں نے مردان کی اولاد سے حکومت لی تھی اور ایسی روایتیں گھڑ لیں اور مردان کو اتنا بدنام کیا گیا کہ ہر برسی بات اس کے ذمہ لگادی گئی اور پھر سارا بوجھ حضرت عثمانؓ پر پڑ گیا کہ انہوں نے ایسے خراب آدمی کو مشیر رکھا ہوا تھا۔ مردان اگر اتنا ہی بُرا آدمی ہوتا تو جنگ جمل کے بعد حضرت علیؓ اس کو اس طرح نہ پھوڑ دیتے۔ جس کا ذکر آگے چوتھی کتاب میں آئے گا۔ ہمارا تجزیہ یہ ہے کہ سازشیوں کے لئے مردان ایک چھوٹا آدمی تھا۔ ان کے ہدف جناب عثمانؓ تھے اور وہ اسلام کے مرکز پر وار کو ناپلہتے تھے۔

مدنیہ شریف میں ہٹلر بونگ

مورخین نے مدنیہ شریف میں سازشیوں کی ہٹلر بونگ کا عرصہ چالیس دن تک بتایا ہے۔ کہ

تیس دن تک حضرت عثمانؓ امامت کرتے رہے اور آخری دس دن آپ نے اپنے گھر میں محصور ہو گئے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ مورخین اور مفسرین نے بائینوں کی مدنیہ میں پہلی بار آمد اور دوسری بار آمد کو آپس میں ملا دیا ہے۔ مفسدین شوال کے مہینہ میں اپنے گھروں سے نکلے اور شوال کے آخر میں یا ذی قعد کے شروع میں مدنیہ شریف پہنچے اگر پہلے ایک مہینہ مدنیہ کے باہر ٹھہرے اور دوسری دفعہ مدنیہ شریف کے اندر چالیس دن لگائے تو پھر حضرت عثمانؓ کی شہادت کا واقعہ نئے سال محرم میں ہوتا۔

ہمارا تجزیہ یہ ہے کہ مفسدین نے پہلی دفعہ مدنیہ شریف کے باہر کوئی ایک مہینہ کا عرصہ گزارا اور دوسری دفعہ مدنیہ شریف کے اندر کوئی پندرہ یا بیس دن ہڑ بونگ پھاتے رہے زباں و مکاں کا حساب کچھ اس طرح بتا رہا ہے پہلی دفعہ جب بائنی آئے تو کافی لوگ ڈالواں ڈول ہو گئے۔ یہ بھی روایت ہے کہ بائینوں کے مدنیہ کے اندر داخل ہو جانے کے بعد بھی کچھ روز حضرت عثمانؓ خود امامت کرتے رہے۔ اور پھر جب آپ گھر میں "محصور" ہو گئے تو آپ نے ابوالیوب انصاریؓ (میزبان رسولؐ) کو امامت کرنے کا حکم دیا۔ یہ بھی روایت ہے کہ کچھ روز حضرت علیؓ نے امامت کی اور پھر آپ نے سہیل بن حنیف کو کہا کہ وہ امامت کیا کریں۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس دوران بلوایوں یا بائینوں کے لیڈروں عافقی بن حرب امامت کر رہا تھا۔ اگر یہ ٹھیک ہے تو اس وقت تک تمام عظیم صحابہ گوشہ نشین ہو چکے تھے۔ اور ان میں سے کوئی بھی مسجد نبوی میں نہ آتا ہوگا۔

اس امر انفری کو مورخین نے جس طرح بیان کیا ہے۔ اس سے کسی صحیح صورت حال تک پہنچنا مشکل ہے۔ لیکن جو روایات ہیں صحیح نظر آئیں ان کے مطابق جب بائنی اور مفسدین مدنیہ شریف میں داخل ہو گئے۔ تو انہوں نے حضرت علیؓ کے سامنے شکایت کی کہ وہ ان کی مدد کریں۔ جناب علیؓ نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ ملاقات کی اور فیصلہ ہوا کہ حضرت عثمانؓ مسجد نبوی میں ایک اور خطبہ دیں اور مفسدین کی تسلی کریں۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے پھر مسجد نبوی میں خطبہ دیا اور جب مسلمانوں کی ایک جہتی کا ذکر کیا تو کئی لوگوں پر رقت طاری ہو گئی۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ

ملا یہ آدمی آگے اُن لوگوں میں بھی شامل تھا جو دیوار توڑ کر حضرت عثمانؓ کے گھر میں گھر گئے تھے

اس خط کے سلسلہ میں وہ تفتیش کریں گے اور اگر مروان کا اس خط میں کوئی حصہ ثابت ہوا تو اس کے خلاف کارروائی کریں گے۔

مسجد میں فتنہ

اب یہاں ایک فکری اختلاف واضح ہوتا ہے۔ حضرت عثمانؓ کو مروان کے سلسلہ میں یہ بات شاید اس لئے کہنا پڑی کہ مدینہ میں کچھ سنجیدہ لوگ بھی سمجھتے تھے کہ مروان کا اس خط میں ضرور کچھ نہ کچھ حصہ ہے۔ جناب علیؓ اور جناب محمد بن مسلمہ نے بھی جناب عثمانؓ کے بارے میں اعلان فرمادیا کہ ان کا اس خط کے ساتھ کوئی واسطہ نہ تھا۔ لیکن مروان کی بریت کا انہوں نے بھی ذکر نہ کیا۔ بات اتنی بڑی نہ تھی جیسا کہ حضرت عثمانؓ فرما رہے تھے کہ اس خط کی کوئی حقیقت نہ تھی تو معاملہ ختم ہو جانا چاہیے تھا لیکن لوگ انہیں دہے تھے چنانچہ کچھ دن بعد حضرت عثمانؓ نے مسجد کے مینار پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ انہوں نے تفتیش کی ہے کہ مروان کا بھی ایسے کسی خط کے ساتھ واسطہ نہیں۔ آپ کا یہ کہنا تھا کہ فسدین نے مینار پر بل بول دیا۔ جناب محمد بن مسلمہ اور جناب زید بن ثابت نے لوگوں کو صبر کی تلقین کی۔ لیکن مسجد میں بلوائیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ کو دھکے دے کر مسجد سے نکال دیا۔ اور پھر حضرت عثمانؓ پر پتھر پھینکنے شروع کر دیے اس وقت جناب علیؓ یا جناب طلحہؓ یا جناب زبیرؓ تو مسجد میں نہ تھے۔ لیکن مورخین کے مطابق جناب سعد بن ابی وقاصؓ جناب حسینؓ بن علیؓ، جناب زید بن ثابتؓ اور جناب ابوہریرہؓ نے اہل مدینہ کے ساتھ مل کر باغیوں پر بل بول دیا اور ان کو دہاں سے بھگا دیا۔ اور حضرت عثمانؓ کو اٹھا کر ان کے گھر لے گئے جناب علیؓ، جناب طلحہؓ اور جناب زبیرؓ جو باہر تھے جب ان کو یہ خبر ملی تو وہ بھاگتے ہوئے حضرت انؓ کے گھر پہنچے۔ تاکہ حضرت عثمانؓ کی عیادت کریں اور ان کے ساتھ صلاح و مشورہ کریں۔ بلوں پر دامیہ کے کافی لوگ بیٹھے تھے۔ گو مورخین نے ان کے نام نہیں لکھے۔ انہوں نے تینوں عظیم صحابہؓ کے خلاف بڑے سخت الفاظ استعمال کیے اور کہا ”

تم نے ہم کو ہلاک کر ڈالا۔ تمہاری ہی یہ ساری کارروائیاں ہیں۔ واللہ تم لوگ اگر اپنے مقصد کو پہنچ گئے۔ تو دیکھیں گے کہ تم دنیا کو صحیح کر لو گے۔“

باغیوں کی ایک اور کامیابی

عظیم صحابہ یہ باتیں سن کر کچھ حیران ہوئے۔ جناب معاویہؓ بھی کچھ اس قسم کے اشارے کر گئے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ تینوں صحابہ کرام کو یہ باتیں بہت ناگوار گزریں اور وہ اپنے گھر چلے گئے۔ درمیان اس سلسلہ میں خاموش ہیں کہ حضرت عثمانؓ کا کیا رد عمل تھا۔ یا یہ باتیں انہوں نے سنی یا نہ سنی۔ اب باغیوں نے تیسرا مقصد بھی حاصل کر لیا۔ کہ حضرت عثمانؓ اپنی مجلس شاورت کی مدد سے بھی محروم ہو گئے۔ تو باغیوں نے جناب عثمانؓ کے گھر کے باہر ڈیرے ڈال دیئے اس کو محاصرہ کہیں یا جو کچھ مناسب سمجھیں۔ لیکن میرا ذاتی تجزیہ ہے کہ ابھی تک محاصرہ والی بات کوئی نہ تھی حضرت عثمانؓ کچھ زخمی تھے وہ گوشہ نشین ہو گئے اور باغی جو اپنے آپ کو نسطورم بتاتے تھے وہ دھڑا مار کر حضرت عثمانؓ کے گھر کے باہر بیٹھ گئے۔ تو اس کی ”گھیراؤ“ کہہ لیں۔

جناب عثمانؓ کی حفاظت

اب باغی چونکہ حضرت عثمانؓ پر ایک دنہ ہاتھ اٹھا چکے تھے۔ اس نے حفاظتاً مقدم کے طور پر چند مہاجرین اور انصار اور خاص کر بنو امیہ کے خاندان کے لوگ حضرت عثمانؓ کے گھر پہنچ گئے اور ان کی حفاظت کرنے لگے۔ حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ خود تو جناب عثمانؓ کے گھر نہ گئے مگر پہلے اُن کے ساتھ برتاؤ اچھا نہ ہوا تھا تو انہوں نے اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ حضرت عثمانؓ کی حفاظت کریں۔ اس سلسلہ میں جناب امام حسنؓ، جناب عبداللہ بن زبیرؓ اور جناب عثمانؓ بن طلحہؓ کا نام لیا جاتا ہے۔ لیکن یہ نہ حالت جنگ تھی اور نہ ایسا محاصرہ کہ باغی حضرت عثمانؓ کے گھر میں نہ بروستی داخل ہو کر حضرت عثمانؓ پر حملہ کرنا چاہتے ہوں۔ اگر ایسا ہوتا تو فیصلہ پیسے بن ہوتا۔ یہ ایک عجیب و غریب حالت تھی کہ نہ جنگ تھی اور نہ صلح۔ یہ محاصرہ بھی نہ تھا۔ بلکہ آج کل کی زبان کے مطابق ”گھیراؤ“ تھا۔

اس دوران حج کا وقت بھی آ گیا۔ اور حضرت عثمانؓ نے جناب عبداللہ بن عباسؓ کو امیر ہجرت مقرر کیا۔ تو ظاہر ہے کہ حضرت عثمانؓ کا ردِ بابر حکومت کو چلا رہے تھے۔ اور جناب عبداللہ بھی اُن

پر پہرہ بے رہے تھے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی حج پر جا رہی تھیں۔ انہوں نے جناب عبداللہؓ کو مشورہ بھی دیا کہ وہ حج پر نہ جائیں۔ وہ اچھے مقررہ ہیں اور بلند آواز ہیں اور وہ بھی حضرت عثمانؓ کی حفاظت پر ہی قائم رہیں۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ مکہ شریف میں بھی جناب عبداللہؓ کے خطبہ کی ضرورت ہے۔ اب ہم ایک چھوٹا سا تبصرہ کریں گے کہ جن لوگوں کے مطابق یہ نبو امیہ اور نبو ہاشم کی رتات تھی۔ ان کے پاس کیا جواب ہے کہ حضرت علیؓ کے چچے بھائی کو حضرت عثمانؓ ان حالات میں بھی امیر حج بنا کر بھیجے رہے تھے۔ تو ظاہر ہے کہ یہ الفاظ اور تفرقات بعد میں تراشے گئے۔ غیظ صحابہ ان باتوں سے بہت بلند تھے۔

یہ بھی روایت ہے کہ جناب عبدالرحمنؓ بن ابوبکرؓ نے جناب عائشہؓ کو رائے دی کہ وہ اپنے بھائی جناب محمدؓ کو بھی حج پر ساتھ لیتی جائیں کہ جناب عبدالرحمنؓ کو ڈر لگ رہا تھا کہ جناب محمدؓ اپنے آپ کو فدا لیں گے ہاتھ میں کھوٹا بنا دیں گے۔ اور روایت ہے کہ جناب عائشہؓ نے کوشش بھی کی لیکن جناب محمدؓ نہ مانے۔

جنگ کی اجازت

اُس وقت تک حالات اتنے خراب نہ ہوئے تھے۔ جناب عبداللہؓ بن زبیرؓ نے جناب عثمانؓ کو عرض بھی کی کہ اجازت دی جائے تاکہ اہل مدینہ کو دعوت دے کر مدینہ شریف کو بلوائیوں سے پاک کیا جائے حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ وہ مدینہ النبیؐ (حضور پاکؐ کے شہر) میں خون خرابہ کی اجازت نہیں دے سکتے۔ تو ان حالات میں جو بلوائی نزدیک آئے تھے۔ ان کو وہاں سے مزور بھگا دیا جاتا تھا اور گونچند مفسدوں نے زیادتیاں بھی کیں لیکن حضرت عثمانؓ نے جنگ کی اجازت نہ دی۔ ان زیادتیوں میں یہ بات بھی شامل تھی کہ مفسدین جناب ام المومنین ام حبیبہؓ سے بھی بد تمیزی سے پیش آئے۔

کچھ مورخین نے لکھا ہے کہ مکہ شام میں خبر دے دی گئی اور وہاں سے نوح مدینہ شریف کی طرف روانہ بھی ہوئی۔ لیکن ان کے پہنچنے سے پہلے حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے تھے اور وہ لوگ واپس مڑ گئے۔ اسی طرح یہ بھی لکھا ہے کہ بصرہ میں جناب عبداللہؓ بن عامر نے ایک نوح تیار کی۔ ان میں چیدہ مجاہدین کے نام گرامی بھی تاریخوں میں موجود ہیں کہ وہ بصرہ سے چل پڑے تھے

لیکن ہم یہ ماننے کو تیار نہیں کہ حضرت عثمانؓ نے کسی فوج کو کوئی دعوت دی۔ اگر وہ اہل مدینہ کو جنگ کی دعوت دینے پر آمادہ نہ تھے تو باہر سے فوج کیسے منگواتے۔ ممکن ہے کہ مدینہ کے حالات سن کر کوفہ فوج دمشق اور بصرہ سے چل پڑی ہو۔ لیکن یہ بھی یاغی لوگوں کی پھیلائی ہوئی افواہ معلوم ہوتی ہے اور مورخین نے بعد میں اس کو سچ سمجھ کر تاریخ کا حصہ بنا دیا۔

باغیوں کا نیا ہتھکنڈہ

اصل بات یہ تھی کہ مفسدین اس حد تک جا چکے تھے کہ اب اگر وہ حضرت عثمانؓ کو شہید کئے بغیر یا شرطیں منوائے بغیر مدینہ سے چلے جاتے تو ان کی خیریت نہ تھی۔ ان کی تمام سازش ظاہر ہو جاتی۔ اس سچ سے بھی لوگ واپس آنے والے تھے۔ اس لئے باغی جلدی میں تھے۔ وہ اہل مدینہ کے تیر بھی دیکھ چکے تھے اس لئے مفسدین کے اندر سازشیوں نے ایک نیا ہتھکنڈہ استعمال کیا۔ اپنے لوگوں کو کہا کہ دمشق اور بصرہ سے افواج چل پڑی ہیں۔ سچ والے واپس آنے والے ہیں۔ اب ہم حضرت عثمانؓ سے اپنے مطالبات منوالیں۔ ورنہ ہماری خیر نہیں۔ انہوں نے جنابؓ بن ابوبکرؓ کو بھی ساتھ ملا لیا۔ کہ تمہارا بھی خیر نہیں۔ سامنے سے ہم اندر داخل نہیں ہو سکتے کہ متعدد لوگ دروازہ پر پہرہ دے رہے ہیں حضرت عثمانؓ کے مکان کا گھیرا دیا جائے اور کچھ لوگ عقب سے داخل ہو کر ان سے اپنی شرطیں منوالیں۔ ورنہ وقت ہمارے خلاف جارہا ہے۔

حالات میں بھیانک تبدیلی

اب حالات میں بھیانک تبدیلی آگئی۔ مفسدین جلدی میں تھے اور کچھ کرنا چاہتے تھے حضرت عثمانؓ اہل مدینہ کو جنگ کی اجازت نہ دے رہے تھے کہ وہ اپنی قوم کو جنگ و جدل سے بچانا چاہتے تھے کہ ان پر الزام آتا کہ انہوں نے اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے قوم میں خانہ جنگی کی بنیاد رکھی۔ اور شاید یہی دعدہ تھا جو حضور پاکؐ نے حضرت عثمانؓ سے لیا تھا۔ جس کے بعد آپ کا رنگ متغیر ہو گیا تھا اور جس کا ذکر پہلے باب میں ہو چکا ہے کہ حضور پاکؐ یہ نہ چاہتے تھے کہ ان کی قوم میں خانہ جنگی کی بنیاد ان کے ایک رفیقِ خاص کی طرف سے رکھی جائے۔

دوسری طرف حضور پاک کے باقی عظیم رفیق، عجیب تذبذب میں گرفتار تھے۔ ایک روایت ہے کہ جناب طلحہؓ، جناب زبیرؓ اور جناب سعد بن ابی وقاصؓ گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ اور مدینہ سے باہر جا کر کسی مقام پر قیام پذیر تھے۔ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ حالات کو بھانپ چکے تھے اور انہوں نے جناب علیؓ کو مشورہ دیا کہ وہ بھی مدینہ سے باہر چلے جائیں۔ ورنہ حضرت عثمانؓ کے خلاف جو کچھ ہونے والا ہے اس کا الزام ان کے سر آ جائے گا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میرا معاملہ میرے اللہ کے سپرد ہے۔ دلچسپی اگر میں آج سے چھ ماہ پہلے بھی مدینہ چھوڑ چکا ہوتا تو بھی جو کچھ حضرت عثمانؓ کے خلاف ہو رہا ہے۔ ان کے رشتہ دار اس تمام کارروائی کے ذمہ دار مجھے ہی ٹھہرتے۔

یہ بھی روایت ہے کہ جناب سعد بن ابی وقاصؓ مدینہ ہی میں تھے اور جب انہوں نے دیکھا کہ حالات بہت خراب ہو گئے ہیں تو وہ حضرت علیؓ کے پاس آئے اور کہا کہ اے ابن ابی طالبؓ۔ اب اگر ابن عثمانؓ اجازت نہ بھی دیں تو ہماری عزت کا سوال ہے اور جنگ کے بغیر چارہ نہیں آئیں لکر باغیوں کی سرکوبی کریں اور ان کو مدینہ شریف سے جس طرح بھی ممکن ہو نکال دیا جائے

جناب عثمانؓ کی شہادت کی اچانک خبر

جناب علیؓ اور جناب سعدؓ ابھی صلاح دمشقہ کو رہے تھے کہ جناب محمد بن ابوبکرؓ درڑتے ہوئے ان کے پاس پہنچے اور کہا کہ معاملات ہاتھ سے نکل گئے ہیں اور حضرت عثمانؓ شہید ہو چکے ہیں۔ جناب محمدؓ نے تسلیم کیا کہ وہ ان تیرہ افراد میں شریک تھے جو حضرت عثمانؓ کے گھر داخل ہو گئے تھے۔ یہ داخلہ عمرؓ بن حزم انصاری کے گھر کی طرف سے تھا کہ انہوں نے در سے دروازہ کھول دیا اور اس طرف سے دیوار پھاڑ کر ہم لوگ اندر چلے گئے۔ لیکن ہم تو حضرت عثمانؓ کے ساتھ صرف بات چیت کرنا چاہتے تھے اور اپنی شرطیں تسلیم کر دانا چاہتے تھے حضرت عثمانؓ نے ہماری شرطیں تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور مجھے شرم بھی دلائی۔ اس پر میں تو واپس آ گیا۔ لیکن باقی لوگوں کو میں ساتھ واپس نہ لاسکا۔ اور جھگڑا ہو گیا جس میں حضرت عثمانؓ بھی شہید ہو گئے اور ایک ان کا غلام بھی اور ایک آدھ باغی بھی مارا گیا

بخدا مجھ سے اُن کے گھر میں گھس جانے کی غلطی ضرور ہوئی۔ لیکن آگے معاملات میرے بس سے باہر ہو گئے اور حضرت عثمانؓ کی شہادت میں میرا کوئی ہاتھ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اُن کو حضرت عثمانؓ کی شہادت کا سیدھا ذمہ دار نہ ٹھہرایا۔ بالواسطہ طور پر کون کون ذمہ دار تھے۔ تو یہ معاملہ تاریخیں پر چھوڑا جاتا ہے اور وہ بھی جو تھی کتاب کے پڑھنے کے بعد کہ اس سلسلے میں ابھی بہت کچھ لکھنا باقی ہے۔

شہادت کا واقعہ

حالات کچھ اس طرح واقع ہوئے۔ اہل مصر نے حضرت عثمانؓ کے گھر کا گھیرا دیا ہوا تھا لیکن مصریوں میں سے کسی شخص کو یہ ہمت نہ ہو رہی تھی کہ حضرت عثمانؓ کو شہید کرے۔ اور شہادت والا معاملہ دراصل چند مفسدوں اور چند سازشیوں کے دل میں تھا۔ اب اگر وہ حضرت عثمانؓ کو شہید کرتے تو اُن کی خیر نہ تھی۔ اہل کوفہ زیادہ تر مالدار اشتر کے کنٹرول میں تھے۔ حضرت عثمانؓ نے اپنے مکان کی چھت سے مالدار اشتر کو لاکر شرمندہ کیا کہ وہ پہلے تو بہ کر کے واپس چلا گیا تھا۔ اب کس منہ سے واپس آیا تھا۔ اب مالدار اشتر خود حسیب و عزیز بت مذہب میں گرفتار تھا۔ اگر وہ مفسدوں کو اس حالت میں چھوڑ کر واپس جانے کی کوشش کرتا تو مفسدین اس کو قتل کر دیتے کہ پہلے اُن کو دہاں لایا کیوں گیا۔ لیکن ساتھ ہی اشتر کو حضرت عثمانؓ پر ہاتھ اٹھانے کی بھی ہمت نہ ہو رہی تھی۔ لیکن کوفہ کے لوگوں میں کمانی ایسے آدمی موجود تھے جو حضرت عثمانؓ کو شہید کرنے پرستے ہوئے تھے۔

نیار بن عیاض کی موت

واقعات نے کچھ یہ صورت اختیار کی۔ کہ ایک صحابی نیار بن عیاض بھی دہاں پر آئے۔ جہاں لوگوں نے حضرت عثمانؓ کا گھیرا دیا ہوا تھا۔ وہ دراصل حضرت عثمانؓ کے ساتھ کچھ صلح و صفائی کی بات کرنا چاہتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کے کانٹوں میں سے کس نے پھر مارا اور وہ نیار کو لگ گیا اور وہ فوت ہو گئے۔ اُن کی موت حادثاتی تھی یا کسی روالہ اللہ اعلم، جناب

نیاض تماشہ میں تھے یا مفسدین کے ساتھ تھے یا واقعی صلح و صفایٰ کی بات کرنا چاہتے تھے۔ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ البتہ آپ کی موت نے مفسدین کو ایک اور "ہتھیار" مہیا کر دیا۔ مفسدین پکاراٹھے قصاص! قصاص! کہ جس آدمی نے جناب نیاض کو پتھر مارا ہے وہ اُن کے حواسے کر دیا جائے۔ حضرت عثمانؓ یا اُن کے گھر کے محافظ یہ کیسے کر سکتے تھے۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ اب مفسدین نے قصاص! قصاص! کے نعرے لگاتے ہوئے سامنے والے دروازہ پر حملہ کر دیا۔ جس سے منیرؓ بن اخن ثقفی اور زیادؓ بن نعیم مہرٹی، جو دروازہ پر تھے وہ شہید ہو گئے اور جناب عبداللہؓ بن زبیر اور مردان زخمی ہو گئے۔ لیکن امام حسنؓ اور محمدؓ بن طلحہؓ سمیت متعدد مہاجرین اور انصاریوں نے باغیوں کو سامنے والے دروازہ سے گھر کے اندر داخل ہونے سے روک لیا۔

عقب سے داخلہ

البتہ تیرہ مفسد جناب عمرؓ بن حزم انصاری کے گھر والے راستے جناب عثمانؓ کے گھر داخل ہو گئے۔ جن میں محمدؓ بن ابوبکرؓ بھی تھے۔ روایت ہے کہ عقبہ میں جناب محمدؓ نے حضرت عثمانؓ کی ڈاڑھی بھی پکڑ لی۔ تو حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ بھتیجے آپ کے والد بزرگوار آرزوہ جتے تو ان کو یہ بات سخت پانہ آئے۔ تو محمدؓ بن ابوبکرؓ کو شرم آگئی۔ اور وہ واپس چلے گئے۔ لیکن باقی مفسدین کو اپنے ساتھ نہ لے جاسکے کہ حالات ان کے پس سے باہر ہو گئے تھے ہم نے محمدؓ بن ابوبکرؓ کے بارے میں پہلے بھی بیان دے دیا ہے۔ اور ہم اس سلسلہ میں اپنا کوئی تجزیہ نہ پیش کریں گے البتہ امام حسنؓ ان کو اُس دن کے بعد ہمیشہ فاسق کہتے تھے۔ کہ وہ فاسق نکلا کہ اس حد تک چلا گیا۔

بہر حال واقعات کچھ اس طرح پیش آئے کہ جو تیرہ شخص اندر داخل ہوئے ان میں مردان بن حمران اور ایک تیسرہ یا عمر تھے جو کوفہ کے قبیلہ سکون سے تعلق رکھتے تھے اور انہی لوگوں نے حضرت عثمانؓ پر حملہ کر کے ان کو شہید کیا۔ تیسرا شخص جس نے حضرت عثمانؓ پر وار کیا وہ غانق بن حرب مصری بتایا جاتا ہے۔ جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ حضرت عثمانؓ کا ایک غلام بھی

ان کے پاس تھا اور جیسے ہی قتیبرہ نے حضرت عثمانؓ پر وار کیا تو آپ کے اس غلام نے قتیبرہ کو قتل کر دیا۔ لیکن سودان بن حمران نے آگے بڑھ کے اس غلام کو شہید کر دیا۔ اور حضرت عثمانؓ پر بھی سخت وار کیا۔ ایک اور غلام نے آگے بڑھ کر سودان کو بھی قتل کر دیا۔ لیکن اسی دوران سودان اور عاتقی یا ابی مفسد حضرت عثمانؓ پر اتنے وار کر چکے تھے کہ حضرت عثمانؓ شہید ہو گئے۔ ان اللہ وانا لیسہ راجعون ، اور پھر گرام مچ گیا۔

کچھ روایات کے مطابق جناب عثمانؓ کو شہید کرنے والوں میں کنا نہ بن بشر بھی تھے اور قتیبرہ کا نام مورخین نے عمر بن العقیلی ہی لکھا ہے۔ ایک اور شخص نہراں اصحبی کا نام بھی لیا جاتا ہے۔ اور آپ کو شہید کرنے کی تجویز بنانے والوں میں عبداللہ بن بسر کا نام بھی لیا جاتا ہے علاؤ دروازہ پر جو لڑائی ہوئی اس کے حکم دینے والے کا نام عروہ بن بشم لیا جاتا ہے۔ لیکن ہمارے لحاظ سے یہ سب کچھ چھپے ہاتھ سے عبداللہ بن سبا کر رہا تھا۔ جو سامنے نہ آیا۔

حضرت عثمانؓ جنت البقیع میں دفن کئے گئے۔ جنازہ میں کتنے لوگ شریک ہوئے اس میں بے حد اختلافات ہیں۔ دقت اور طریق کار کے بیان میں بھی اختلاف ہے۔ لیکن ہم ان اختلافات میں نہ جائیں گے۔ جب قوم کی وحدت ٹکرا اور وحدت عمل ہی ختم ہو جائے اور دنیا میں پانچے زمانے کی غیظ اسلمی حکومت کے حاکم کے ساتھ ایسے واقعات پیش آئیں تو قصور پھر بھی ہمارا ہی ہے۔ کہ اس دقت بھی کچھ نہ سوچا جاسکا اور نہ آج کچھ سوچ رہے ہیں یہ سب کچھ آزادی نکل اور آزادی عمل کی وجہ سے ہوا۔ اور دنیا میں صرف وہی تو ہیں کا یہ اب رہتی ہیں جن میں وحدت فکر و وحدت عمل ہو۔ اور وہ کمل ربط و ضبط کا مظاہرہ کریں۔

تبصرہ

قارئین! تاریخ کے بامقصد مطالعہ سے ہمارا ایک مدعا یہ تھا کہ ہم مسلمانوں کی فتوحات اور فوجی حکمت عملی سے سبق سیکھیں۔ اور یہ مقصد بالکل نہ تھا کہ اندرونی خلفشار کی اتنی تفصیل جائیں۔ لیکن اس اندرونی خلفشار نے چونکہ فتوحات کو روک دیا۔ مسلمانوں کا مرکز پارہ پارہ ہو گیا۔ تو ان حالات کی نشاندہی ضروری تھی جو اس کا سبب بنے۔ انرا تفری اور واقعات کا سرسری

بیان ضروری تھا تاکہ ہم معاملات کی تہ تک پہنچ سکیں۔ ہمارے کچھ دانشوروں نے عظیم صحابہؓ پر تنقید بھی کی ہے۔ ہمارے لحاظ سے کسی عظیم صحابہؓ پر کوئی حرف نہیں آتا۔ ہاں عمرؓ بنے ابو بکرؓ اور اشتر نخعیؓ کی واقعات میں شرکت کا ذکر ہم نے ضروری سمجھ کے کر دیا کہ آگے پہ دونوں حضرت علیؓ کے لشکر میں شریک ہو گئے اور حضرت علیؓ پر اعتراض ہوئے کہ انہوں نے جناب عثمانؓ کے قاتلوں میں سے محمد بن ابو بکرؓ اور اشتر نخعیؓ کو پناہ دی۔ اس سلسلے میں چوتھی کتاب میں بھی کچھ واقعات اور تبصرے آئیں گے۔ اور ہم اپنا اختتامی تجزیہ اس وقت بیان کریں گے۔ یہاں آتا کہیں گے کہ جناب علیؓ کو معلوم تھا کہ جناب محمدؓ اور اشتر سیدھے طور پر حضرت عثمانؓ کی شہادت میں شریک نہ تھے۔

بالواسطہ طور پر حضرت عثمانؓ کی شہادت کی ذمہ داری کس کس پر ڈالی جائے۔ یہ بڑا وسیع مضمون ہے اور شاید مشیتِ ایزدی بھی یہی تھی۔ گو ہر معاملہ میں مشیتِ ایزدی ہی کارفرما ہوتی ہے۔ اس لئے ہمیں یہ اسباق سیکھنے چاہئیں کہ کون کون سی چیزیں حالات کو اس حد تک لے گئیں۔ صرف یہ یاد رکھیں کہ جب ایسے واقعات ہونے لگیں تو ہم اندازہ نہیں لگا سکتے۔ ہم خود اپنے گریبان میں منہ ڈالیں کہ چودہ سو سال کے بعد اسلام کے نام پر ایک ملک بنایا تھا اور اس کو بھی دو تخت کر بیٹھے ہیں۔ کیا ہمیں نظر نہیں آ رہا تھا کہ ایسا ہونے والا ہے۔ راتم نے ۱۳ ستمبر ۱۹۷۰ء بھرے ایوب ہال میں جنرل یحییٰ خان کو زبانی کہا کہ خدا شراب کی بوتلوں کو توڑ د اور قوم کو اسلام کے رستے پر لگاؤ۔ ورنہ یہ ملک ختم ہونے والا ہے۔ اور یہ انتخابات ہمیں ختم کر دیں گے۔ پھر ۱۵ اکتوبر ۱۹۷۰ء کو لکھ کر دے آیا اور کاغذات جنرل یحییٰ کے مٹری سیکرٹری کے ہاتھ میں دیئے کہ ملک کو بچاؤ۔ یہ کاغذات آج بھی میرے پاس موجود ہیں اور آگے کیا ہوا یہ ایک لمبی کہانی ہے۔

تو ان تفویقات کو بڑھانے کی بجائے۔ آئیے ہم تاریخِ اسلام اور اپنی موجودہ تاریخ سے سیکھیں۔

جناب عثمانؓ کی شہادت پر چند تاثرات (۱۸ ذوالحجہ ۳۵ ہجری)

- جناب عثمانؓ کی شہادت ایک عظیم سانحہ ہے اور رہتی دنیا تک اہل دل اس سانحہ پر اپنے اثرات بیان کرتے رہیں گے۔ ہم صرف چند تاثرات ابن سعد اور طبری سے نقل کر رہے ہیں
- ۱- جناب علیؓ - "اے اللہ میں حضرت عثمانؓ سے تیرے سامنے اپنی برأت کا اظہار کرتا ہوں۔ نہ میں نے قتل کیا۔ نہ میں نے حکم دیا۔ لیکن میں مغلوب ہو گیا" روایت ہے کہ ہاتھ اڑا دیا اور اٹھائے ہوئے جناب علیؓ نے یہ کلمات تین دفعہ ادا کئے۔ (ابن سعد)
 - ۲- جناب عائشہ صدیقہؓ "تم لوگوں نے انہیں میل کچیل سے پاک صاف کپڑے لگا کر دیا۔" (ابن سعد)
 - ۳- جناب عبداللہ بن عباسؓ "اگر لوگوں نے خون عثمانؓ کا مطالبہ نہ کیا تو ضرور ان پر آسمان سے پتھر برسائے جائیں گے" (ابن سعد)
 - ۴- جناب سعد بن ابی وقاصؓ "اے اللہ جناب عثمانؓ کے قاتلوں کو اپنی گرفت میں لے (طبری)
 - ۵- جناب زبیرؓ "اللہ تعالیٰ جناب عثمانؓ پر رحم کرے اور ان کا مددگار رہے۔ (طبری)
 - ۶- جناب خدیجہ بن ایمنؓ "اسلام میں سگاف ہو گیا اور اس سگاف کو پاؤں بھی نہیں پڑ کر سکتا۔" (ابن سعد)
 - ۷- "جناب تمارہ بن عدنا امیر صفاۃ خلافتِ امتِ محمدیہ سے پھینکی گئی۔ اب جبری سلطنت ہو گی اور آپ اتنے روئے جس کی کوئی حد نہ تھی۔" (ابن سعد)
 - ۸- جناب ابو حمید اسعدی اصحاب بدر۔ "اے اللہ میں آج کے بعد نہ ہنس سکوں گا"
 - ۹- جناب ابو ہریرہؓ کے سامنے جب شہادت عثمانؓ کا ذکر ہوتا ہے تو وہ روزنا شریعت کر دیتے تھے اور ان کی پچکیاں بند نہ ہوتی تھیں۔ (ابن سعد)
 - ۱۰- جناب زبیر بن ثابتؓ کا تب وحی۔ شہادت عثمانؓ پر اس قدر روئے کہ جس کو بیان میں نہیں لایا جاسکتا۔ (ابن سعد)

جناب عثمانؓ کے عہد کی فتوحات کا اجمالی جائزہ

ہم موجودہ باب کے اسباق یا نتائج کے بارے میں صرف ایک فقرہ کہیں گے کہ ہمیں تاریخ کے مطالعے یا مقصد اسباق حاصل کرنا چاہیے۔ اور چونکہ ہماری کتاب کا موضوع خلفاء راشدین کے زمانے کی فتوحات کی حکمت عملی ہے تو ہم صرف جناب عثمانؓ کے عہد کی فتوحات کا اجمالی جائزہ پیش کرنے پر اکتفا کریں گے تفصیلات پہلے بیان کی جا چکی ہیں۔

حضرت عثمانؓ کی خلافت کا زمانہ چند دن کم پورے بارہ برس ہے۔ آپ کی خلافت کے زمانے میں اہل توحید مقامات پر بناوتیں ہوئیں اور آپ نے ان کو فرو کیا۔ سب سے پہلے بدان میں بناوت ہوئی جس کو کوفہ کے گورنر جناب مغیرہ بن شعبہ نے فرو کیا۔ اس کے بعد رے میں بناوت ہوئی جس کو بصرہ کے گورنر جناب ابو موسیٰ اشعریؓ نے فرو کیا۔ اس کے بعد آذربائیجان میں بناوت ہوئی تو اس کو جناب ولید بن عقبہ نے فرو کیا اور پھر جناب ولید بن عقبہ اور سلمان بن ربیعہ نے آگے بڑھ کر آرمینیا پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس علاقے میں بعد میں جناب سعید بن العاص کی فتوحات ہوئیں۔

بصرہ کے محاذ پر جناب عبداللہ بن عامر نے پہلے فارس کے علاقوں کی بناوت کو فرو کیا اور اصطخر وغیرہ متعدد مقامات پر دوبارہ قبضہ کیا۔ اس کے بعد جناب عبداللہ بن عمرو استون کے بڑے بڑے جناب آنف بن تیس جناب ہرم بن عیاں اور جناب مجاشع بن مسعود کے لشکروں سے سیستان خراسان اور دریائے جیحون تک کے علاقوں میں اللہ اور رسول کے نام کو بلند کر دیا۔ ہرات سے نیشاپور، اور بلخ وغیرہ تک کے تمام شہروں پر اسلامی پرچم لہرا رہا تھا کہ جناب عبدالرحمن بن سمیرہ نے مشرق کی طرف بڑھ کر کابل، زابلستان اور بلخ وغیرہ اور بڑے وزیر تمان تک کے علاقوں کو فتح کر ڈالا۔ مصر و افریقیہ کے محاذ پر آپ کی خلافت میں سب سے پہلے جناب عمرو بن عاص نے اہل روم کو دوبارہ بحیرہ روم کے اندر پھینک دیا اور سکندریہ و مصر کو دوبارہ فتح کرنے کی رومی کوشش کے پانچے اڑا دیئے۔ اس کے بعد جناب عبداللہ بن ابی سرح نے طبرستان تک تمام افریقیہ کے ممالک فتح کر ڈالے اور کسی مسکرت تاریخ میں کو ایسی مثال نہیں ملتی کہ اپنے ملک سے آسنی دور کسی لشکر

نے اس طرح ممالک فتح کئے۔ مدینہ شریف سے ٹیونس تک سفر کوئی تین ہزار میل کے قریب ہے شام کے معاذ پر جناب امیر سوادیرہ اگر ایک طرف اناطولیہ، اناطاکیرہ اور آرمینیا کے قلعوں پر قبضہ کر رہے تھے۔ تو دوسری طرف اسلام کی تاریخ میں پہلی دفعہ بحری جنگ کی طرح ڈالی گئی اور سمندر کے راستے قبرص کو دو دفعہ فتح کیا۔ اور جناب عثمان کی خلافت میں مسلمان نہ صرف ایک بحری طاقت بنے بلکہ انہوں نے در بحری جنگوں میں اہل روم کو شکست دے کر اپنے آپ کو دنیا کی ایک ملٹی ہری بحری طاقت تسلیم کروایا اور رومیوں کو ایسی شکست دی کہ قیصر روم قسطنطین اس لڑائی میں سخت زخمی ہوا اور بعد میں قتل کر دیا گیا یا انہی زخموں سے جاں بحق ہوا۔

حضرت عثمان کے زمانے میں جتنی جنگیں ہوئیں شاہد ہی دنیا کی تاریخ میں کسی ایک حکمران کے زمانے میں ہوئی ہوں۔ اور ان سب جنگوں میں کامیابی ہی کامیابی نصیب ہوئی۔ سوائے معمولی جھڑپوں کے جن میں کسی جگہ وقتی طور پر مسلمانوں نے کوئی نقصان اٹھایا ہو۔ لیکن کوئی مقابلہ یا جھڑپ یا لڑائی شکست کی صورت نہ لائی۔ جناب عثمان کے ماتحت جن لوگوں نے جنگی حکمت عملی کو آگے بڑھایا اور ان کو سپہ سالار اعظم کہا جاسکتا ہے ان کی تعداد بھی آٹھ ہے۔ جن میں جناب معمر بن شیبہ، ابو موسیٰ اشعری، ولید بن عقبہ، سعید بن العاص، عبداللہ بن عامر، عمرو بن عاص، معاویہ بن ابوسفیان اور عبداللہ بن ابی سرح شامل ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے ماتحت ایک دستہ تین سے چار لشکر برسر پیکار رہے۔ در نہ ارض چھوٹے امر یا چھوٹے سپہ سالاروں کی تعداد تو کئی دفعہ سات سے بھی تجاوز کر گئی تھی۔

حضرت عثمان کے زمانے میں جتنے جنگی سفر ہوئے۔ دنیا کے کسی حاکم کے زمانے میں سفروں کی مسافت اتنی نہیں بنتی۔ اکیلے طور پر جناب محمود غزنوی، جنگی سفروں میں دنیا میں پہلے سفر آتے ہیں۔ امیر تیمور دوسرے پر، چنگیز خان اور ہنر لین تیسرے پر اور سکندر یونانی چوتھے نمبر پر۔ لیکن اگر کسی حاکم کے نام لشکروں کے جنگی سفروں کا حساب کیا جائے تو اس سلسلہ میں حضرت عثمان کے لشکروں کے سفروں کی مسافت سب سے زیادہ بنتی ہے۔ ایسے ناصیے افریقہ کے معاذ پر کوئی دس بارہ ہزار میل بنتے ہیں شام کے معاذ پر تین ہزار میل، کوفہ کے معاذ پر پندرہ ہزار میل اور بصرہ کے معاذ پر کوئی بیس ہزار میل ہیں۔ بصرہ کے معاذ پر اکیلے جناب عبداللہ بن عامر کا سفر تین ہزار میل بنتا ہے اور اس علاقہ میں دس

سے زیادہ لشکروں نے سفر کئے۔ اس لئے سفروں کی مسافت میں تاریخی کو کوئی مبالغہ نہیں نظر آتا ہے اور ہم آسانی سے کہہ سکتے ہیں کہ ایسے سفروں کی مسافت کوئی پچاس ہزار میل بنتی ہے جو دنیا میں اول نمبر پر ہے۔ ہاں وقت کے لحاظ سے جیسا کہ ہم دوسری کتاب میں گزارش کر چکے ہیں جناب صلیق کے زمانے کے لشکروں کے سفر اوسطاً لحاظ سے ان سے بہتر اور دنیا میں اول نمبر پر ہیں اور سلطنت کی وسعت کا پہلو ہم اس کتاب کے تیسرے باب میں جناب عمرؓ کے زمانے کے حالات کے تحت بیان کر چکے ہیں۔ اب مزید نقوشوں کے مطالعے سے تاریخی اس پہلو کو بہتر طور پر سمجھ گئے ہوں گے۔

جناب عثمانؓ کے زمانے میں عظیم صحابہؓ کے فرزندوں نے افریقیہ اور ایران عراق کے محاذ پر جنگ میں شرکت کی جن میں جناب امام حسنؓ، امام حسینؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، عبداللہ بن جعفر طیارؓ وغیرہ متعدد صحابہؓ ابن صحابہؓ شامل ہیں۔ گرجان عبدالرحمنؓ بن ابوبکرؓ اور عبدالرحمنؓ بن خالدؓ وغیرہ جناب ابوبکرؓ یا جناب فاروقؓ عظیم کے زمانے سے جنگوں میں شرکت کر رہے تھے۔ لیکن انیسویں ان کے کارناموں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ ہمیں تحقیق اور مطالعے کر کے ان کارروائیوں کو قوم کے سامنے لانا چاہیے۔

اس کتاب کو ختم کرنے سے پہلے یہ یاد رکھنا چاہتا ہوں کہ جو پیدا ہوا ہے اس نے موت کا مزہ ضرور چکھنا ہے۔ اور موت سے فرار نہیں اور جو فوت ہو گئے ان کی ذنات پر اب انہو بہانے کی ضرورت نہیں۔ بس یہ یاد رکھیں کہ وہ ہمارے لئے بہترین مثالیں چھوڑ گئے اور ہمیں ان پر عمل کرنا چاہیے۔ وہ عاجز بھی تھے اور عزت کی زندگی گزار کر رہے عدم ہوئے۔ اور ہم بھی عزت کی زندگی اختیار کریں۔

خدا سے پھر وہی قلب و نظر مانگ

تہیں ممکن انیہی بے تقوی

اقبالؓ

خلفائے راشدین کی جنگی حکمتِ عملی اور تدبیرات کا تجزیہ

(کتاب سوم)

فتوحاتِ مصر، افریقہ اور متفرق

اشاریہ

(الف)

ابن سعد (مورخ) :- ص ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵

۲۸۱، ۲۶۹

ابن ہشام (مورخ) :- ص ۳۰، ۳۱، ۳۲

ابو سعید ساعدی (امن کی تلاش) :- ص ۲۶۲

ابو ایوب انصاریؓ (میزبانِ رسوا) :- ص ۵۹

۲۷۱، ۲۶۲

ابو الحسن ندوی (مصنف) :- ص ۶۶

ابو بزرگہ سلمیٰؓ (دستہ کا کماندار) :- ص ۱۹۰

ابو بکر صدیقؓ (دیارِ غار، خلیفہ اول) :- ص

۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰

۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰

۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵

۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵

- ۲۸۳

ابو جہل (عدو اللہ) :- ص ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵

ابراہیمؓ: حضرت ابراہیمؓ (پغیر) :- ص ۲۰

۳۶، ۱۶، ۱۳، ۱۳

ابراہیمؓ (حضور پاکؐ کے بیٹے) :- ص ۲۰

ابراہیمؓ (سورۃ) :- ص ۶۷

اہلبہ (تقام) :- ص ۱۸۸، ۷

ابن اسحاق (مورخ) :- ص ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳

۱۳۶

ابن الکوا (مفسد - بعد خارجی) :- ص ۲۳۰

آبنائے باسقورس :- ص ۱۳۸

ابن حکیم (مورخ) :- ص ۱۷۸

ابن علیماں فرائی شہید :- ص ۱۷۱

ابن خلدون (مورخ) :- ص ۱۲۳، ۱۲۴

۲۳۳، ۲۱۲، ۱۸۰، ۱۷۸، ۱۳۸، ۲۵

۲۶۹، ۲۶۷

ابن ذالبیکہ (مفسد) :- ص ۲۳۰

- ابو حمید اسعدی ^{رضی} (حضرت عثمان ^{رضی} کو خراج تحسین) ص ۲۸۱، ۲۶۲
- ابو حذیفہ بن عتبہ ^{رضی} (بدری صحابی) :- ص ۸۳
- ابو غنہ غفاری (مفسد) :- ص ۱۴۲، ۱۴۵
- ابو ذر غفاری ^{رضی} (عاشق رسول) :- ص ۵۹
- ابو یزید (شاعر) :- ص ۱۴۱، ۲۲۰
- ابو زینب :- ص ۱۴۲
- ابو سفیان ^{رضی} بن حرب (ام المومنین ام حبیبہ ^{رضی} کے والد) :- ص ۱۰۵، ۱۶۵، ۱۶۸، ۱۶۹
- ابو سہلہ مولائے عثمان ^{رضی} عنقی :- ص ۲۳۵
- ابو طلحہ ^{رضی} (عظیم انصار صحابی) :- ص ۸۳، ۹۰
- ابو عبید ثقفی ^{رضی} (شہید ایران) :- ص ۱۶۵
- ابو عبیدہ ^{رضی} بن جراح (امین الامت، فاتح شام) ص :- ۱۱۵، ۱۳۵، ۸۶، ۸۳، ۹۶، ۹۵
- اردن (ملک) :- ص ۱۳۶
- اردشیر (جور) - شہر :- ص ۱۹۰
- آرمینیا یا آرمینیہ (علاقہ) :- ص ۱۳۱، ۱۳۲
- آدم ^{رضی} (حضرت آدم ^{رضی} پیغمبر) :- ص ۳۵
- ادھم ^{رضی} بن کلثوم (بیہق کی فتح) :- ص ۱۹۳
- آذربائیجان (علاقہ) :- ص ۱۶۹، ۱۳۱
- ابو موسیٰ اشعری ^{رضی} (کوہ ولہرہ کے عامل) ص :- ۱۸۱، ۱۸۸، ۱۸۹، ۲۱۴، ۲۸۲
- پہلے موذن) :- ص ۶۲
- ابو مورع (مفسد) :- ص ۱۴۲
- ابو بلعور سلمی ^{رضی} (انصار صحابی) :- ص ۱۳۴، ۲۶۴
- ابو ہریرہ ^{رضی} (عظیم محدث) :- ص ۱۴۶، ۱۴۸
- ۲۸۱، ۲۴۲
- ابی عمر بن امیہ (شجرہ و نسب) :- ص ۱۶۸
- ابی محیط بن ابی عمر (شجرہ و نسب) :- ص ۱۶۸
- اجنادین (جنگ) :- ص ۱۴۳، ۱۴۵
- ۲۰۳
- احد (جنگ) :- ص ۳۳، ۸۴، ۱۲۶، ۲۲۴
- ۲۳۱
- احنف ^{رضی} بن قیس (خراسان میں جہاد) :- ص ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۵، ۱۹۶، ۲۰۰، ۲۸۲
- ۲۳۶
- ۱۳۷
- ۱۶۳، ۱۳۷
- ۲۸۳
- ۲۸۳ - ۲۸۲، ۱۴۵

ابو مسلم الغفاتی ^{رضی} (فسطاط کی مسجد کے

اصفہان (شہر) :- ص ۱۶۰، ۱۹۲، ۲۰۵

اصفہانی (مورخ) :- ص ۱۷۸

اطالیس (طرابلس) مقام :- ص ۱۹۲

اطالیہ (اطلی) ملک :- ص ۱۱۳، ۱۱۷، ۱۲۰

اعظم (امام ابوحنیفہ) :- ص ۲۳۰

اعوص (مقام) مفسدین کی جگہ :- ص

۲۵۷، ۲۵۷

آغاخان مرحوم (اسماعیلی امام) :- ص ۹۸

آغاخان کریم (موجودہ اسماعیلی امام) :-

ص ۹۸

افریقہ (براعظم) :- ص، ص، ظ، ص،

۸۰، ۳۶، ۳۷، ۶۳، ۶۵، ۶۸، ۶۹

۹۹، ۱۰۰، ۱۰۳، ۱۱۳، ۱۱۵، ۱۲۳

۱۲۵، ۱۳۰، ۱۳۲، ۱۴۸، ۱۷۹، ۱۸۷

۲۱۱، ۲۶۰، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۳

افغانستان (ملک) :- ص ۱۹۵، ۱۹۸

انلاطون (فلاسفر) :- ص ۲۱۷

اقبال (حکیم الامت) :- ص، ط، ص،

۳۳، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۶۳، ۶۶

۶۸، ۷۰، ۷۱، ۷۸، ۸۱، ۸۹، ۹۶

۹۸، ۱۱۵، ۱۲۳، ۱۲۷، ۱۳۷، ۱۵۳

۱۵۵، ۱۵۷، ۱۶۳، ۱۷۳، ۲۱۵

۲۳۷، ۲۳۸، ۲۵۲، ۲۵۵، ۲۶۳

آرنلڈ (متعصب مغربی دانشور) ص ۳۲

۸۰

اردو بنت کریم (جناب عثمان کی والدہ)

ص ۱۶۲

آریہ (قوم) :- ص ۹۹

ازد (بنو) قبیلہ :- ص ۱۵۱

اسامہ بن زید (حضور پاک کے منظور نظر)

ص :- ۲۶۰، ۲۶۱

استاق رام (مقام) :- ص ۱۹۳

استنبول (قسطنطینہ) :- ص ۱۳

اسحق (حضرت اسحق پیغمبر) :- ص ۳۶، ۳

اسد (بنو) قبیلہ :- ص ۱۸۰

اسرائیل (بنو) قوم :- ص ۱۳، ۱۳

اسمعیل (حضرت اسمعیل پیغمبر) :- ص ۳

اسود بن کثوم (شہید) :- ص ۱۹۳

اسید بن المنتقم (بلخ کا امیر) :- ص ۱۹۶

اشتر نخعی (ملک اشتر) :- ص ۱۷۵، ۱۸۰

۱۸۱، ۲۳۰، ۲۳۲، ۲۷۷، ۲۸۰

اشعث بن قیس (ارتداد کے بعد توبہ)

ص ۱۶۰

اصحاب شمال (بائیں بازو والے) :- ص ۲۳۸

اصطخر (مقام) :- ص ۸۳، ۱۹۰، ۱۹۲

۲۸۲

ام حکم رضی (حضور پاک کی بھوپھی، حضرت عثمان رضی

کی نانی) :- ص ۱۶۲، ۱۸۹

ام عبداللہ رضی زوجہ حبیبہ رضی (شہ خون میں

موریاں کا سر قلم کیا) :- ص ۱۳۳

امریکہ (ملک) :- ص ۱۱۲

ام کلثوم رضی (نبت جناب علی رضی) :- ص ۸۱

ام ہانی رضی (نبت ابی طالب رضی) حضور پاک

کی منہ بولی بہن :- ص ۱۰۵

ہبیبہ (خود یا بنو امیہ قبیلہ) :- ص ۸۸، ۱۲۰

۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۵۳، ۱۶۱، ۱۶۲

۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۲۲۳

۲۵۰، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴

امیر بنی ہاشم (بصرہ کا محاذ لشکر کی کمانڈ)

ص ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۶، ۲۰۰

امیر تیمور (عظیم فاتح) :- ص ۷۸۳

امیر علی (وزیرستان میں مقام) :- ص ۲۰۱

ام یوسف (حضرت عثمان رضی کے بارے روایت)

ص ۲۳۵

اناطولیا (علاقہ) :- ص ۶، ۳۶، ۳۹

۹۹، ۱۰۰، ۱۱۹، ۱۳۵، ۱۳۳، ۱۳۸

۱۵۱، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۶، ۱۴۷، ۲۸۴

انبار (دریائے فرات پر مقام) :- ص ۲۸

اندلس (سپین) :- ص ۱۲۰

۲۸۳

اقرع (جرجان میں امارت) :- ص ۱۹۵

آکنلیک (انگریزی فیلڈ مارشل) :- ص ۶۳

آگتس (قیصر روم قسطنین کا خطاب) :-

ص ۱۵۱

البسیرا (آذربائیجان میں مقام) :- ص ۱۷۰

الدرود (قبرص کے جہاز میں شرکت) :- ص ۱۳۵

۲۳۰

العاص بن ہشام (جناب عمر رضی کے ناموں

اور ان کے ہاتھوں قتل) :- ص ۱۶۳، ۱۷۴

العاص بن امیہ (حضرت عثمان رضی کے دادا)

ص ۱۶۸

العاص بن سعید (حضرت عثمان رضی کے چچے

بھائی) :- ص ۱۶۸

العیشہ (مہم) :- ص ۲۲۰

المغازی (فلسفہ جنگ) :- ص ۱۳۶

المقداد بن اسود (بدری صحابی) :- ص ۱۳۰

۱۳۵

الیمان (جنگ احد میں شہادت) :- ص ۲۱۰

ام ذہین (دریائے نیل پر مقام) :- ص ۱۱۳

۲۲

ام حبیبہ (ام المؤمنین) :- ص ۲۷۳

ام حرام (زوجہ عبادہ بن صامت رضی) ص ۱۳۵

بابل (عراق کی پرانی تہذیب کا مقام) :- ص ۱۳

بٹلر (انگریز مورخ) :- ص ۱۰۲

بحرین (علاقہ یا صوبہ) :- ص ۱۳۸، ۱۸۹

بحیرہ اسود :- ص ۱۵۳

بحیرہ اوقیانوس :- ص ۶۳، ۱۱۳

بحیرہ عرب :- ص ۱۵۳

بخت نصر (قبل مسیح کی تاریخی شخصیت)

ص ۳، ۱۳

بدر (جنگ) :- ص ۳۹، ۱۲۶، ۱۴۰، ۱۴۰

۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۹، ۲۲۲

۲۳۹

بربر (قوم) :- ص ۱۳، ۱۱۹، ۱۲۰

برق الغنم (جنگ بدر) تمثیلی بیان :-

ص ۱۴۰

برقہ (موجودہ لبیا کا اہم مقام) :- ص ۶۳

۶۵، ۷۸، ۹۹، ۱۰۳، ۱۱۴، ۱۱۹

۱۴۱، ۱۴۵

بروئے (آرمینیا کا مقام) :- ص ۱۳۳

برسما (ملک) :- ص ۱۱۲

بصرہ (چھاؤنی اور بندرگاہ) :- ص ۷،

۶۱، ۱۱۶، ۱۳۶، ۱۸۴، ۱۸۹، ۱۹۲

۲۰۰، ۲۰۲، ۲۱۴، ۲۳۱، ۲۵۳، ۲۵۵

۲۵۴، ۲۶۲، ۲۶۵، ۲۶۷، ۲۶۹

انس بن مالک (حضور پاک کے خادم اور

عظیم محدث) :- ص ۸۳

انطاکیہ (شام اور ترکی کا سرحدی مقام) :-

ص ۳۶، ۳۷، ۱۳۳، ۲۸۳

انگریز (قوم) :- ص ۱۱۲، ۱۲۱

ابواز (جنوبی ایران کا مقام) :- ص ۱۲۵

۱۸۸

آرٹش (مصر اور فلسطین کا سرحدی مقام)

ص ۱۶، ۲۰

ایشیاد (براعظم) :- ص ۳۰، ۹۹، ۱۰۰

۱۱۹، ۱۹۶، ۲۰۶

ایران (ملک) :- ص ۳، ۳، ۳، ۹

۱۵، ۱۹، ۳۱، ۳۵، ۳۹، ۶۰، ۶۵

۷۵، ۹۳، ۸۴، ۷۹، ۷۳، ۷۱

۱۰۳، ۱۱۶، ۱۳۶، ۱۵۳، ۱۵۹، ۱۶۰

۱۷۵، ۱۸۱، ۱۸۴، ۱۹۰، ۱۹۴

۲۰۲، ۲۱۸، ۲۳۲، ۲۸۳

ایوب خان (فیلڈ مارشل) :- ص ۲۰۳

(ب)

باب الیون (مصر کا دل) :- ص ۱۲، ۱۳، ۱۶

۲۱، ۲۳، ۲۹، ۳۳، ۳۵، ۳۷، ۴۴

۷۵، ۶۳، ۷۰

بازنطینی (چھوٹا روم) :- ص ۳، ۶۵

- بیت المقدس (یروشلم) :- ص ۸۰۶
- بیراویس (کوآن) :- ص ۲۳۰
- بیرروم (کوآن) :- ص ۲۳۳
- بیروت (لبنان) :- ص ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳
- بیعت رضوان (فتح مبین) :- ص ۲۳۳
- بیعت عقبہ ثانی (مکہ) :- ص ۸۳، ۸۴
- بیاس (دریام) :- ص ۶۵
- بیور (خراسان کا مقام) :- ص ۱۹۳
- بیہق :- خراسان کا مقام :- ص ۱۹۳
- (پ)
- پاکستان :- ص ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳
- پانچویں کالم (جاسوسی) :- ص ۲۵۳
- پشاور (شہر) :- ص ۲۰۱
- پلاسیم (فرما) مصر کی بندرگاہ :- ص ۱۶
- پیکور (برہما کا مقام) :- ص ۱۱۲
- پیونگ (قبل مسیح) روم اور کارتھج کی جنگیں :-
ص ۱۱۹، ۱۲۰
- (ت)
- تنوک (حضور پاک ﷺ کی مہم) :- ص ۶
- تینتہ بن یعار (انصاریہ) :- ص ۸۳
- ترانہ (مصر کا اہم مقام) :- ص ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲
- ترکستان (علاقہ) :- ص ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱
- ترکی (ملک) :- ص ۱۰۰

- ۲۸۳، ۲۸۲، ۲۸۱، ۲۸۰
- بطر (تھبیل) :- ص ۳۵
- بطریق جندران (رومی جنرل) :- ص ۱۳۲
- ۱۳۳
- بکر (بنو) قبیلہ :- ص ۱۸۰
- بلاذوری (مورخ) :- ص ۱۷۸
- بلال رضی اللہ عنہ (سیدنا حضرت بلال حبشی) :-
ص ۸۵
- بلارس (بازنطینی یا رومی جنرل) :-
ص ۱۲۰، ۱۲۱
- بلخ (وسط ایشیا کا مقام) :- ص ۱۹۵
- ۲۸۲، ۱۹۶
- بلقان (جزیرہ نما) علاقہ :- ص ۱۵۴
- ۲۰۶
- بلوچستان (ایرانی) :- ص ۱۹۰، ۱۹۱
- بلہیب (مصر کا مقام) :- ص ۳۵، ۳۶، ۳۷
- بلہیب (مصر) علاقہ ڈیٹا کا مقام :-
ص ۶۰
- بمبئی (بھارت کا شہر) :- ص ۱۸۸، ۱۸۹
- بیمین (مصر کا پارہ) :- ص ۱۵
- بن غازی (لبیا کا مقام) :- ص ۵۶، ۵۷
- بنوں (شہر) :- ص ۲۰۱
- بھارت (ملک) :- ص ۲۰۳

جزیرہ (تفرقہ اور مکتب فکر) :- ص ۱۸۰، ۲۵۱

جبل زور کا بیت خانہ :- ص ۱۹۸، ۱۹۹

جبلہ (عسائی) :- ص ۱

جیسرین معطم (حسب و نسب کے ماہر) :-

ص ۱۴۱، ۲۶۲

جرجان (علاقہ) :- ص ۱۶۰، ۱۴۵، ۱۴۴

۱۹۳، ۱۹۵، ۲۰۵

جرجیر (گرگوری) افریقیہ کا باجگزار بادشاہ

ص ۱۱۴، ۱۱۸، ۱۲۲، ۱۳۰

جدہ (بندرگاہ) :- ص ۸

جرعہ (قادیسیہ کے نزدیک مقام) :- ص ۱۸۰

خرمینی (ملک) :- ص ۱۱۳، ۱۱۹، ۱۸۳

جریر بن عبداللہ (قریشیہ کے امیر) :- ص ۱۶۱

جزیرہ (عراق میں علاقے کا نام) :- ص ۹، ۷

۳۶، ۳۵، ۱۳۱، ۱۴۴، ۲۲۳، ۲۳۱

جسر کی جنگ :- ص ۳، ۱۳۴، ۲۱۶

حضینہ (حیرہ کا سازشی عیسائی) ص ۷۳ تا

۷۵

جلال الدین خوارزم (آخری چپشان) :- ص

۱۹۳، ۱۹۶

جلال الدین سیوطی (مورخ اور صوفی) :- ص ۱۹

جلوہ کی جنگ :- ص ۲۸، ۳۵

جبل (جنگ) :- ص ۲۸، ۲۵

تغلب (بنو) قبیلہ :- ص ۱۴۱

تیمم (بنو) قبیلہ :- ص ۱۸۰

تمامہ بن عدی :- ص ۲۸۱

توج (مصر، ٹولیا کا مقام) :- ص ۶۰

توران (علاقہ) :- ص ۷۱

تبخیر و مراکو کا مشہور شہر :- ص ۹۹

۱۱۴، ۱۱۹، ۱۲۰

(ط)

ٹوان بی (مورخ) :- ص ۷۱

ٹونس (کارٹیج) :- ص ۳، ۱۰۰، ۱۱۴

۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۳، ۱۳۲، ۱۳۱

۱۵۵، ۲۸۳، ۲۸۳

(ث)

ثقیف یا ثقفی (قبیلہ) :- ص ۱۶۵

(ج)

جابیہ (تھاؤنی) :- ص ۹، ۶۱، ۱۳۵

۱۳۶، ۱۸۴

جاہان (ملک) :- ص ۱۱۲، ۱۱۳

جاہونما تھہ سرکار (انگریز کا پروردہ مورخ) :-

ص ۱۹۹

جاہوت (حضرت داؤد نے قتل کیا) :-

ص ۱۱۹

جالیوس (ایرانی جنرل) :- ص ۷۳

(ح)

حاتم بن یابی (سرج کا امیر) :- ص ۲۶۲
 حارث بن حکم (حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کا چچا بھائی)

ص ۱۱۸

حاطب بن ابوالنضر (مصر میں حضور پاک ﷺ)

کا قاصد) :- ص ۱

حبیب بن عبد شمس (حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے

نہیال) :- ص ۱۶۲

حبیب بن قرة (بصرہ کے محاذ پر امارت)

ص ۲۰۰

حبیب بن مسلمہ (شام کے اگلے محاذ پر امارت)

ص ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹

۱۷۷، ۱۷۸

حراں (رقہ کے حاکم) :- ص ۲۳۱

حزرت بن راشد (فارس میں امارت) :-

ص ۱۹۱، ۲۰۰

حسامہ بن صحب (مفسد) :- ص ۱۷۲

حسان بن ثابت (حضور پاک ﷺ کے شاعر)

ص ۲، ۲۶۲

حسن رضی اللہ عنہ (امام حسن رضی اللہ عنہما بن علی رضی اللہ عنہما) :- ص ۱۱۸، ۱۳۳

۱۷۹، ۱۸۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۲۲، ۲۷۸

حسن مایان برہکی :- ص ۱۷۹، ۲۰۱

حسین رضی اللہ عنہ (امام حسین رضی اللہ عنہما بن علی رضی اللہ عنہما) :- ص ۹۶

جنت البقیع :- ص ۲۷۹

جنذب (مفسد) :- ص ۱۷۲، ۱۷۵، ۲۳۰

جنگ سوسالہ (یورپ) :- ص ۶۹

جنگ ہفت سالہ :- ص ۶۹

جہینہ (مدینہ شریف کے نزدیک مقام) :-

ص ۳۵

جہاد بالنفس :- ص ۲۲۳، ۲۵۱

جوز اردشیر (فارس کا مقام) :- ص ۱۹۰

جیرفت (نیشاپور کے نزدیک مقام) :- ص ۱۹۳

جیحوں (دریا) :- ص ۷۸، ۱۳۱، ۱۶۰، ۲۸۲

جیزہ (مصر کا شہر) :- ص ۱۲، ۲۷

۱۰۹، ۱۲۱

جینوا (بین الاقوامی شہر) :- ص ۳۶

(ج)

چارلس (سولہویں صدی کا انگریز بادشاہ

ص ۱۸۳

چانکیا (میکادولی قسم کا ہندو سیاستدان)

ص ۲۵۳

چٹاگانگ (بندرگاہ) :- ص ۶۲

چڈ (افریقی ملک) :- ص ۹۹

چرچل (سابق اور آج بھائی انگریز وزیر اعظم)

ص ۱۲۱

چلاس (اپنا علاقہ) :- ص ۲۱۹

چنگیز خان (عظیم فاتح) :- ص ۱۲۱، ۲۸۳

خالد بن عبد اللہ (بصرہ کے محاذ کی امارت)

ص ۲۰۰

خالد بن ولید اللہ کی تلوار :- ص ۲۹، ۶

۱۱۵، ۱۶۷، ۱۸۸، ۲۱۸، ۲۲۳، ۲۳۲

خدیجہ بن الیمان (انصار صحابی - لشکروں کی

سپہ سالاری، اشاعت قرآن کا شورہ)

ص ۱۴۰، ۱۴۶، ۱۷۷، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۸۱

خرطوم (سودان کا دار الخلافہ) :- ص ۶۳

خراسان (علاقہ) :- ص ۱، ص ۱۷۵

۱۷۶، ۱۸۸، ۱۹۲، ۱۹۳، ۲۸۲

خریجہ بن خذافہ (مصر کے جہاد میں بھر پور

شرکت) :- ص ۱۹، ۲۵، ۵۹، ۱۰۷

خرزستان (علاقہ) :- ص ۳۵، ۷۳، ۱۸۸

خسرو پوز (کسری ایران) :- ص ۳۳

خندق (جنگ) :- ص ۲۲۹

خیبر (جنگ) :- ص ۲۳۱

(۵)

دارا بکر (مقام اور علاقہ) :- ص ۱۹۰، ۱۹۲

۱۹۵

داؤد (حضرت داؤد پیغمبر) :- ص ۱۱۹

۲۲۲

دراوڑ (قوم) :- ص ۹۹

دبیس (مصر) :- ص ۶۰

۱۱۸، ۱۳۱، ۱۳۳، ۱۴۵، ۱۷۶

۱۷۹، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۳۶، ۲۷۲

حفصہ (ام المومنین حفصہ بنت

فاروق اعظم) :- ص ۲۱۰، ۲۱۱

حکم بن العاص :- حضرت عثمان کا چچا

ص ۱۶۸، ۱۶۹، ۲۶۰

حکیم بن حزام (فتنہ رکولتے کی کوشش)

ص ۲۶۲

جمال (مبارزت میں نام اور شہادت)

ص ۶۳، ۱۱۰، ۱۱۱

جزہ (سید الشہداء حضرت حمزہ)

حضور پاک کے چچا) ص ۱۰۵

حصص (مقام اور صوبہ) :- ص ۱۰، ۳۶

۱۳۲، ۲۳۱

حلوان (ایران میں مقام) :- ص ۳۵، ۱۶۱

حیرہ (عراق کا تاریخی مقام) :- ص ۷۷، ۷۳

۱۷۴، ۱۷۷، ۱۸۸، ۲۲۰

(خ)

خاتم مبارک (حضور پاک کی مہر گم ہونا) :-

ص ۲۳۰

خالد بن سعید (مدنی صحابی اور شام میں شہید)

ص ۱۶۳، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۳

خالد بن علقم (مضد) :- ص ۲۳۲

رہاہ رکوفہ کے محاذ پر مقام) :- ص ۱۶۰

رنگون ربرہما کا دار الخلافہ) :- ص ۱۱۳

روضہ دریلئے نیل میں جزیرہ :- ص ۱۱۳

۲۳، ۲۸، ۲۹

روڈس (جزیرہ) :- ص ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸

۱۳۸، ۱۵۱

روم (اہل روم، رومی، بیکرہ روم وغیرہ)

ص ۱۷۰، ص ۱۷۱، ص ۱۷۲، ص ۱۷۳، ص ۱۷۴، ص ۱۷۵

۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴

۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲

۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰

۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸

۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶

۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴

۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱

رومیل (جرمن جہل) :- ص ۶۳

رے (خراسان میں مقام) :- ص ۱۹۴، ۲۸۲

(ر)

زبلستان (افغانستان کا علاقہ) :- ص

۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹

زبیر (حضرت زبیر بن عوام، عشرہ مبشرہ)

ص ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷

۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵

دمشق (شام) :- ص ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۲۳۷

۲۷۵

دہلی (بھارت) :- ص ۶۲، ۱۸۸

(ڈ)

ڈھاکہ (سابق مشرقی پاکستان کا علاقہ) :-

ص ۶۲

(ذ)

ذوخب (مقام) مفسدین کا اجتماع :-

ص ۲۵۵، ۲۵۷

ذومرہ (مقام) مفسدین کا اجتماع :-

ص ۲۵۵، ۲۵۷

(ر)

ریدہ (جناب ابوذر کی قیام گاہ) :- ص ۲۲۶

۲۲۸

ربیع بن عبد شمس (شجرہ و نسب) :- ص ۱۶۸

۱۶۹

رزمک (دو زیستان میں مقام) :- ص

ص ۲۰۱

رستم (پہلوان) :- ص ۹۷

رستم (ایرانی جہل) :- ص ۷۳

رقوتی (سکندریہ کے نزدیک پرانا شہر)

ص ۱۲

رقہ (جزیرہ کے نزدیک مقام) :- ص ۲۳۱



سالم مولائے ابوخلیفہ :- ص ۸۳، ۸۶، ۲۰۹

سائب بن اقرع (اصفہان کے امیر) :- ص ۱۶۰

سائرہ (زوجہ ابراہیم پیغمبر) :- ص ۳

سائرس (مقوقس کا یورپین نام) :- ص ۱۰۱، ۱۵

سباطرہ (لبیا میں ایک مقام) :- ص ۶۵

سبیطلہ (ٹیولس میں مقام اور جنگ) :- ص

۱۳۳، ۱۲۹، ۱۲۳، ۱۲۲

سپین (اندلس) ملک :- ص ۱۱۹، ۱۲۰

۱۳۲، ۱۵۳، ۱۵۶، ۲۰۶

سحر (مصر میں مقام) :- ص ۶۰

سڈی برانی (مصر اور لبیا کا مقام) :- ص

۱۶۳، ۹۹، ۱۱۷

سرخ (خراسان کا مقام) :- ص ۱۹۳

سسلی (بحیرہ روم کا جزیرہ) :- ص ۱۱۳

۱۱۷، ۱۳۲

سعد بن ابی وقاص (عشرہ مبشرہ، فاتح ایران)

ص ۹، ۴۳، ۸۲، ۸۷، ۸۹، ۹۰، ۹۵

۱۱۶، ۱۴۳، ۱۶۶، ۱۶۸، ۱۸۲، ۲۳۰

۲۳۶، ۲۴۲، ۲۴۶

سعد بن معاذ (عظیم انصار صحابی جنگ)

خندق کے زخموں سے شہادت) :- ص ۱۳۰

سعید (نچلا مصر) :- ص ۱۰۰

سعید بن العاص بن سعید (کوڈ کے عامل)

۲۲۳، ۶، ۱۸۳، ۱۸۲، ۱۶۳، ۹۵، ۸۹

۲۴۲، ۲۶۶، ۲۵۷، ۲۴۶

۲۸۱، ۲۷۶، ۲۷۳

زورنج کابنت خانہ :- ص ۱۹۷

زیناتہ (بربر) قوم :- ص ۱۱۹

زولیر (مقام) عقیدہ رضا کا حربی مظاہرہ :-

ص ۶۳، ۱۱۷، ۱۱۸

زیاد بن ابی (بعد میں زیاد بن البسفیان) :-

ص ۱۶۳، ۱۶۵

زیاد بن النصر (مضد) :- ص ۲۵۶

زیاد بن عامر (بصرہ میں نائب) :- ص ۱۹۲

زیاد بن نعیم (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حفاظت میں

شہادت) :- ص ۲۷۸

زینب (ام المومنین حضرت زینب)

حضور پاک کی پھوپھی زاد :- ص ۱۶۳

زید بن ثابت (انصار) قرآن پاک کے کاتب

ص ۲۸۱، ۲۷۲، ۲۶۲، ۲۱۳، ۲۱۱، ۲۰۹

زید بن حارث (حضور پاک کے آزاد کردہ

غلام اور شہید موتہ) :- ص ۲۳۱

(س)

سارتیکا (موجودہ لبیا میں علاقہ) :- ص ۱۱۹

ساریہ (شکر کا امیر) :- ص ۹۳

سام بن فوح پیغمبر :- ص ۱۳

سلطان بن ربیعہ (آرمینیا کی فتح) :- ص ۱۳۲

۲۸۲، ۱۷۷، ۱۷۰، ۱۶۱، ۱۳۳

سلطان فارسی (حق کی تلاش اور عاشق رسول)

ص ۱۷۷، ۱۷۸، ۲۱۸

سندھ (صوبہ) :- ص ۱، ص ۷۸، ۱۳۱

سوات (علاقہ) :- ص ۲۱۹

سواص (آرمینیا میں مقام) :- ص ۱۳۲

سودان بن حمران (مفسد) :- ص ۲۳۲، ۲۳۳

۲۷۹، ۲۷۸

سوڈان (نوبہ) ملک :- ص ۱۳، ۱۴، ۶۳

سویز (مصر میں مقام) :- ص ۲۱

سہلہ بنت سہیل (زوجہ ابو خذیفہ) :- ص ۹۳

سینا یا سینائی (صحرا) :- ص ۶، ۵

سیستان (علاقہ) :- ص ۱۸۸، ۱۹۳، ۲۰۵

۲۸۲

سیرین (حضور پاکؐ نے حسان کو عطا کر دی)

ص ۲

سینر (روم کا آمر) :- ص ۱۳۷

(شہ)

شام (ملک) :- ص ۱، ص ۵، ۱۷، ۱۹

۱۰، ۱۶، ۲۰، ۳۰، ۳۱، ۳۱، ۳۳، ۳۳

۳۶، ۳۸، ۳۸، ۵۳، ۶۰، ۶۸، ۹۵، ۹۹

۱۰۳، ۱۱۳، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۳۵، ۱۳۷، ۱۳۸

ص ۱۶۳، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۳، ۱۷۷

۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۹۳، ۱۹۶، ۲۰۱، ۲۱۰

۲۱۱، ۲۲۳، ۲۳۰، ۲۳۳، ۲۳۳، ۲۵۰

۲۶۰، ۲۶۲، ۲۸۲، ۲۸۳

سعید بن العاص بن امیہ (شجرہ نسب کی

وضاحت) :- ص ۱۶۸، ۱۶۹

سعید بن زید (حضرت عمرؓ کے بہنوئی) :-

ص ۲۶۲، ۲۸۷

سفیان بن عوف ازدی (بحری کاروائیاں)

ص ۱۳۵، ۱۵۱، ۱۷۶

سکندر یونانی :- ص ۱۲، ۱۶، ۶۵، ۱۱۳

۲۸۳، ۱۲۱

سکندریہ (مصر) :- ص ۱، ۲، ۵، ۶، ۱۰

تا ۱۳، ۱۶، ۱۹، ۲۸، ۲۹، ۳۲، ۳۶

۳۶، ۳۸، ۳۶، ۳۳، ۳۳، ۳۹

۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۶، تا ۶۰، ۷۰، ۱۰۱، تا

۱۰۴، ۱۰۶، تا ۱۰۸، ۱۱۱، تا ۱۱۵، ۱۲۱، ۱۳۹

۱۳۹، ۱۵۲، ۲۸۲

سکیپیو دہنی بال کے بالمقابل رومی جنرل) :-

ص ۱۱۹، ۳

سلاسل (کاظم) جنگ :- ص ۷

سلطین (مصر میں مقام اور جنگ) :- ص ۵۳

سلج کی پہاڑی (مدینہ شریف) :- ص ۲۲۵

۱۶۹، ۱۶۸، ۱۶۳، ۸۵

شیر برگ جزیرہ نما، فرانس میں :- ص ۱۱۳

شیر تہ روزیرستان میں مقام :- ص ۱۹۳

(ص)

صیغہ بنت جریر (سبیطہ کی جنگ) :- ص ۱۲۳

۱۲۹ تا ۱۲۷

صہیب (جناب صہیب رضی) امامت

کے لئے جناب فاروق رضی کی نامزدگی :- ص ۸۳

۹۰

صفوان بن امیہ (حضور پاک کا معافی دینا

ص ۱۰۵

صفیہ رضی (جناب صفیہ بنت عبدالمطلب رضی)

حضور پاک کی چھوٹی) :- ص ۱۲۹

صقیلہ (قبصر روم کا فرار) :- ص ۱۵۲

صلیبی (جنگیں) :- ص ۱۵۶

صحصہ (مفسد) :- ص ۲۳۰، ۲۳۱

صور (TYRE) مقام :- ص ۱۳۳

سواری کی جنگ (پہلی بحری جہڑپ) :- ص

۱۵۰، ۱۴۹

(ص)

صحاگ بن قیس فہری (مجاہدہ ام عبد اللہ رضی

سے نکاح کی عزت افزائی) :- ص ۱۳۳

۱۳۰، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۷، ۱۵۱، ۱۵۳ تا

۱۵۵، ۱۵۷، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳

۱۷۵، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴

۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵

۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲

شہابی (مولانا شہابی) سیرت النبی کا

مصنف :- ص ۳۸

شہادین اوس (قبرص کے جہاد میں شرکت)

ص ۱۳۵

شہیل بن عمرو (مردود) حضور پاک کے

سفیر کا قاتل :- ص ۱

شہیل بن حسنہ (عظیم صحابی اور سالار لشکر

طاعون سے وفات) :- ص ۹

شہیق (مصر میں دستہ کی کمانڈر) :- ص ۵۲

۱۱۰، ۵۳

شہیق (قوم شہیق) مصر میں اہم بیگری :-

ص ۵۲، ۵۳

شہیق بن اعور حارثی (اصطخر کے عامل) :-

ص ۱۹۲

شہابی ہند (وادی گنگا اور سندھ) :- ص ۹۹

شہابی (حضور پاک کی طرف سے "چیرہ کی پری"

کرامت کا عطا ہونا) :- ص ۱۲۷

شہیب بن ربیعہ (جنگ بدر میں ہلاکت) :- ص

(ط)

طارق بن زیاد (فاتح سپین) :- ص ۱۲۰

طالقان (خراسان میں مقام) :- ص ۱۹۵

طالوت (حضرت طالوت پیغمبر) :- ص ۱۱۹

طائف (شہر) :- ص ۱۶۵، ۱۶۸، ۲۶۰

طبرستان (علاقہ) :- ص ۱۳۱، ص ۱۳۱

۱۴۵ تا ۱۴۴، ۱۹۳

طبری (مورخ) :- ص ۳۲، ۱۴۹، ۱۸۱، ۱۰۲

۱۰۳، ۱۳۸، ۱۴۵، ۱۹۸، ۲۳۳

۲۳۵، ۲۶۲، ۲۶۴ تا ۲۶۹، ۲۸۱

طخارستان (علاقہ) :- ص ۱۹۵

طرابلس الشام :- ص ۱۳۳

طرابلس (افریقہ) :- ص ۵۶، ۶۵، ۷۸

۳۰۹۹، ۱۰۳، ۱۱۴، ۱۱۹ تا ۱۲۳، ۱۳۱

طراجن نہر (نہر امیر المومنین) :- ص ۳۵

۳۳، ۶۳

طراجن (رومی بادشاہ) :- ص ۳۳

طرس (اناطولیہ میں مقام) :- ص ۱۳۳

طلحہ بن حنیف (عبد اللہ عشرہ مبشرہ)

ص ۸۲، ۸۴، ۸۹، ۱۸۲، ۱۸۳، ۲۱۶

۲۳۶، ۲۳۷، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۵ تا

۲۵۷، ۲۶۶، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۶

طلیبین (خراسان میں مقام) :- ص ۱۹۳

طلیسان (آرمینیا میں مقام) :- ص ۱۷۰

طلیحہ (ارتداد کے توبہ) شہید نہاوند :-

ص :- ۱۰۵

طمسہ (مصر میں قبیل) :- ص ۳۳، ۳۵

طیبیہ (جرجان اور طبرستان کا سرحدی

مقام) :- ص ۱۷۷

(ظ)

ظہیر الدین بابر (مغل بادشاہ) :- ص ۱۹۶

(ع)

عاص (عمرو فاتح مصر کے والد) :- ص ۶۳

عاصم بن عمرو (تقعقاع کا دوسرا عظیم مجاہد)

ص ۱۹۲

عافتی بن حرب (مفسدین کا سرغنہ) :-

ص ۲۷۱، ۲۷۸، ۲۷۹

عائشہ صدیقہ (ام المومنین جناب عائشہ

بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا) :- ص ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۴۳

عباد بن الحصین (فتح کابل کے عظیم مجاہد)

ص ۱۹۷

عبادہ بن صامت (عظیم انصار صحابی)

جہاد مصر اور قبرص میں اہم کاروائیاں)

ص ۱۹، ۲۹ تا ۳۱، ۳۸، ۵۹، ۶۲

۷۰، ۱۳۵، ۲۳۰

عباس رضی اللہ عنہما (حضور پاک کے چچا)



عبداللہ بن اہم (مفسدین کا نمائندہ) :- ص ۲۵۶

عبداللہ بن بسر (مفسدین کا سرغنہ) :- ص ۲۴۹

عبداللہ بن جحش (حضور پاک کے پھوپھی زاد

اور شہید احد) :- ص ۱۶۳

عبداللہ بن جعفر طیار بن ابی طالب :- ص

۱۱۸، ۱۳۰، ۱۴۳، ۲۸۳

عبداللہ بن حازم (خراسان میں لشکر کی کمانڈر)

ص ۱۹۵، ۱۹۷، ۲۰۰

عبداللہ بن زبیر بن عوام :- ص ۱۱۸، ۱۲۳

۱۲۵، ۱۲۷، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵

۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶

عبداللہ بن سبا، السودا، یہودی، قننہ کا باب

ص ۲۲۰، ۲۲۳، ۲۲۵، ۲۳۰، ۲۳۵

۲۶۲، ۲۶۸، ۲۶۹

عبداللہ بن سعد بن ابی سرح :- ص ۱۰۰ تا

۱۰۷، ۱۱۶، ۱۱۸، ۱۲۳، ۱۲۵، ۱۲۸، ۱۳۰

۱۳۱، ۱۳۹، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۵۰، ۱۵۲

۱۵۳، ۱۵۶، ۱۶۰، ۱۶۳، ۱۶۸، ۲۳۹

۲۴۳، ۲۴۴، ۲۶۰، ۲۶۴، ۲۶۸

۲۸۲، ۲۸۳

عبداللہ بن شیبیل الحمسی (آرمینیا میں

لشکر کی کمانڈر) :- ص ۱۷۰

عبداللہ بن عامر (حضرت عثمان کے ماموں زاد

اور ان کی اولاد کا خاندان) :- ص ۸۰، ۸۷

۱۵۳، ۱۴۹، ۲۷۰

عبدالرحمن بن ابوبکر صدیق :- ص ۷۵

۱۱۸، ۲۷۳، ۲۸۳

عبدالرحمن بن جبیر بن معطم :- ص ۲۳۵

عبدالرحمن بن حارث (قرآن پاک کی کتابت)

ص ۲۱۱

عبدالرحمن بن حسان بن ثابت :- ص ۲

عبدالرحمن بن خالد بن ولید (تمہوں کے عامل)

ص ۱۳۶، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۸۳

عبدالرحمن بن ربیعہ (آرمینیا میں کارروائی

بلنجر میں شہادت) :- ص ۱۷۰، ۱۷۷، ۱۷۸

عبدالرحمن بن زبیر (تاریخی غلطی کی نشان دہی)

ص ۱۲۵

عبدالرحمن بن عتاب (فساد رکوانے کی کوشش)

ص ۲۶۲

عبدالرحمن بن عدیس (مفسد) :- ص ۵۶

عبدالرحمن بن علقمہ (فلسطین کے عامل) :-

ص ۱۳۶

عبدالرحمن بن عوف (عشرہ مبشرہ) :- ص ۹۲

۸۸ تا ۹۳، ۹۵، ۱۷۳

عبدالرحمن (کوفہ کا پولیس افسر) :- ص ۱۸۰

عبدالملک بن مروان (اموی خلیفہ) :- ص ۳۵

عبداللہ بن نافع بن عبدالقیس (افریقہ کی فتح)

ص ۱۳۰

عبدشمس (امیہ کا باپ) :- ص ۱۶۲، ۱۶۸

۱۶۹، ۱۸۹، ۲۳۹

عبدمناف - عبدشمس اور جناب ہاشم کے والد

ص ۱۶۲، ۱۶۹

عبید اللہ بن زیاد (کربلا کے سانحہ کا ذمہ دار)

ص ۱۶۵

عبیدہ بن سعید (حالت کفر میں بدر میں ہلاکت)

ص ۱۶۸، ۱۶۹

عتبہ بن النہاس (حلوان کے امیر) :- ص ۱۶۱

عتبہ بن ربیعہ (جنگ بدر میں ہلاکت) :- ص

۱۸۵، ۱۶۳، ۱۶۹

عتبہ بن غزوہ (بصرہ کے پہلے عامل) :-

ص ۱۶۳

عثمان بن ابوالعاص (بحرین کے عامل) :-

ص ۱۸۹، ۱۹۰

عثمان بن عفان (حضرت عثمان ذوالنورین

خلیفہ سوم) :- ص، ص، ص، ط، ط، ظ

۱۴، ۶۵، ۶۹، ۷۳، ۸۲، ۸۶، ۸۸ تا

۹۳، ۹۵، ۹۶، ۹۸، ۱۰۰ تا ۱۰۲، ۱۰۳

۱۰۶ تا ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۸، ۱۲۵، ۱۳۶

۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳

اور بصرہ کے گورنر) :- ص ۱۶۲، ۱۶۳

۱۶۸، ۱۸۱، ۱۸۸ تا ۱۹۶، ۲۰۰ تا ۲۰۲

۲۰۵، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۴۸

۲۴۳، ۲۸۲، ۲۸۳

عبداللہ بن عباس (حضور پاک کے

چچیرے بھائی) :- ص ۸۲، ۸۷، ۸۷

۸۸، ۹۵، ۹۶، ۱۳۳، ۱۶۳، ۲۴۳

۲۸۳، ۲۸۱، ۲۸۲

عبداللہ بن عمر فاروق (خلیفہ دوم) :-

ص ۳۵، ۸۲، ۱۱۸، ۱۳۰، ۱۳۳

۱۶۶، ۲۸۳، ۲۸۴

عبداللہ بن عمرو بن عاص :- ص ۵۳

۱۱۶، ۱۱۸، ۱۳۰، ۱۶۶

عبداللہ بن قیس (امیر البحر، قبرص اور بحر

جنگوں میں شرکت اور شہادت) :- ص ۱۳۵

۱۵۱

عبداللہ بن مسعود (حضور پاک کے خادم

اسلام کے عظیم عالم اور فقیہ) :- ص ۱۱۶

۱۶۶، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۹۳، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳

عبداللہ بن معمر (خراسان سے فارس تبدیل

اور شہادت) :- ص ۱۹۰

عبداللہ بن نافع بن الحصبین (افریقہ کی فتح

ص ۱۳۰

عقیل بن ابی طالب رضی - ص ۱۶۳

عکرمہ بن ابو جہل رضی - ص ۱۰۹، ۱۰۵

علاء بن الحضرمی (بکریں کے پہلے عامل) -

ص ۱۳۸

علقہ بن حکیم (فلسطین میں عامل) - ص ۱۳۷

علی المرتضیٰ (سیدنا اسد اللہ، عالیٰ حیدر کرار)

جناب ابن ابوطالب رضی، خلیفہ چہارم -

ص، ط، ۹، ۱، ۷، ۷، ۸، ۸۶

۸۸ تا ۹۳، ۹۵، ۱۰۵، ۱۰۳، ۱۶۵، ۱۷۲

۱۷۳، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۹۷، ۲۰۸، ۲۰۹

۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۶، ۲۲۰، ۲۲۳، ۲۳۰

۲۳۳، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۵۵ تا

۲۵۸، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۵، ۲۷۷

۲۷۷، ۲۸۰ تا ۲۸۳، ۲۸۶، ۲۸۷

۲۸۱

عمار بن یاسر رضی (کوفہ کے گورنر) - ص ۶۶۳

۲۳۲

عمرفارق رضی (سیدنا عمر بن خطاب خلیفہ دوم)

ص، ص، ۴، ۸، ۸، ۱۱، ۱۵، ۱۹، ۲۳

۳۲، ۳۲، ۳۹، ۵۸، ۶۱، ۶۵، ۷۷

۶۸، ۷۵، ۷۵، ۸۰ تا ۸۲، ۸۶، ۸۷

۹۱، ۹۳ تا ۹۵، ۹۷، ۹۸، ۱۰۰، ۱۰۳

۱۰۳، ۱۱۳، ۱۱۳، ۱۳۵، ۱۳۱، ۱۳۶، ۱۵۰

۱۵۳، ۱۵۶، ۱۵۹ تا ۱۶۳، ۱۶۵، ۱۷۲

۱۷۳، ۱۷۶، ۱۷۹ تا ۱۸۳، ۱۸۸، ۱۸۹

۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۶، ۲۰۰، ۲۰۳، ۲۰۵

۲۰۸، ۲۱۳، ۲۱۵، ۲۱۸ تا ۲۲۳

۲۲۶، ۲۲۸، ۲۳۷، ۲۵۰، ۲۵۳

۲۵۹، ۲۶۳، ۲۶۵، ۲۶۷، ۲۶۹

۲۸۳

عراق (ملک) - ص، ص، ص، ۷، ۷، ۷

۱۳، ۱۸، ۳۶، ۳۵، ۳۶، ۶۰، ۶۵

۸۷، ۱۰۳، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۲، ۱۵۹

۱۶۰، ۱۷۵، ۱۸۱، ۱۸۷، ۲۳۱، ۲۸۳

عروہ بن مسعود (بنو ثقیف کے سردار) - ص ۱۶۵

عزیز مصر (حضرت یوسف کے زمانہ کا والی)

مصر - ص ۱۳

عشریب (مصر میں مقام) - ص ۲۷

عفان بن العاص (حضرت عثمان رضی کے والد)

ص - ۱۶۸

عقبہ بن ابی معیط (بدر میں ہلاکت) - ص

۱۶۸، ۱۶۷

عقبہ بن عامر (قاصد) - ص ۱۷

عقبہ بن نافع (بکیرہ اور قیازس میں گھوڑا

ڈال دینا) - ص ۶۳، ۱۱۷، ۱۱۸

عقابہ (خلیج) - ص ۳۶

۶۳، ۶۲، ۱۰۰، ۱۰۲، ۱۰۴، ۱۱۰، ۱۱۲ تا

۱۱۸، ۱۲۱، ۱۳۳، ۱۳۶، ۱۶۰، ۱۸۴

فلر (متعصب انگریز مصنف اور جنرل):

ص ۳۶

فلسطین (ملک): ص ۱، ص ۵۰۳

۷، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۳۰، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹

۳۶، ۳۸، ۶۰، ۶۸، ۱۳۵، ۱۳۶

۱۳۸، ۱۵۶، ۱۸۴، ۲۶۸

فناکس (اناطولیا کے پرانے لوگ): ص ۱۰۰

۱۱۹، ۱۵۲

فیرزان (ایرانی جنرل): ص ۷۳فیروز (ابولولی) جناب فاروق کو شہید کرنے

والا: ص ۷۳ تا ۷۵، ۹۴

فیوم (مصر کا شہر): ص ۱۳، ۲۲، ۲۳

۲۷، ۳۷

فیض (ٹیونس کا شہر): ص ۱۳۳

(ق)

قائد اعظم (محمد علی جناح): ص ۳-۲قادیسیہ (جنگ): ص ۳۷، ۷۳، ۱۲۵

۱۸۰، ۲۰۳، ۲۱۶

قاہرہ (موجودہ قاہرہ): ص ۱۳، ۳۹

۶۳

قبرص (جزیرہ اور ملک): ص ۸، ص ۸

۱۹۸، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۵، ۲۸۲

(ف)

فاطمۃ الزہرا (حضرت پاک کی پیاری بیٹی)

ص ۲۲۷

فارس (صوبہ علاقہ اور خلیج وغیرہ): ص ۷

۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۱۶۰، ۱۸۸ تا

۱۹۲، ۲۰۵، ۲۱۲

فاریاب (خراسان کا مقام): ص ۱۹۵قافچہ (شمالی ایران صحرائی علاقے کا مقام)

ص ۱۷۷

فراعزہ یا فرعون (مصر): ص ۳، ۱۳، ۳۳فرانس (ملک): ص ۱۱۳، ۱۸۳فرانکو (بیسویں صدی کا سپین کا آمر)

ص ۲۵۳

فرغانہ (وسط ایشیا کا علاقہ): ص ۱۹۵، ۱۹۶فرما (پلاسیم) مصر کی بندرگاہ: ص ۱۶، ۲۰

۲۱، ۲۷، ۳۹، ۳۳، ۳۴، ۱۱۱

فرید الدین عطار (مسلمان صوفی): ص ۱۹۳

۲۲۲

فریڈرک اعظم (اٹھارہویں صدی کا جرمن

بادشاہ): ص ۲۱۳

فریق بن بصرہ بن نوخ: ص ۹۹فسطاط (مصر کی چھاؤنی): ص ۱۳، ۵۰

- ۴۸، ۳۶، ۳۵
قتسریں (شام اور عراق کے درمیان سرحدی
مقام) :- ص ۱۳۲
قوس (شمالی ایران کا مقام) :- ص ۱۷۷
قونیہ (اناطولیا کا سرحدی مقام) :- ص ۱۱۱
مولانا روم کی آخری آرام گاہ) :- ص ۱۳۲
قیرون کی لڑائی :- ص ۵۵، ۵۴، ۶۰
قیروان (افریقہ کی چھاؤنی) :- ص ۱۲۹، ۱۸۷
قیس (راوی) :- ص ۲۳۶
قیس بن سہیم (بصرہ کے محاذ پر امارت) :-
ص ۱۹۳، ۲۰۰
قیس بن سبیرہ (بصرہ کے محاذ پر امارت) :-
ص ۲۰۰
قیصر جرمنی :- ص ۲۰۰
قیصر روم :- ص ۳، ۵، ۱۷، ۳۲، ۵۱
۵۳، ۶۰، ۷۱، ۸۰، ۱۰۰، ۱۰۶، ۱۳۹
۱۳۰، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۵، ۱۷۰، ۲۸۳
(ک)
کابل کی فتح :- ص ۱۳۱، ۱۴۰، ۱۸۹، ۱۹۶
۱۹۷، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۵، ۲۸۲
کارہنچ (ٹیونس) :- ص ۳، ۱۰۰، ۱۱۷
۱۱۹، ۱۲۰، ۱۳۲، ۱۳۳
کاظمہ (مقام اور جنگ) :- ص ۷، ۱۸۸

- ۱۳۳، ۱۳۹، ۱۳۸، ۱۳۲، ۵۶، ۳۶
۲۸۳، ۱۵۲، ۱۵۱، ۱۳۹، ۱۳۳
قبطی (مصر کے پرانے باشندے) :- ص ۲
۳۵، ۳۳، ۲۹، ۲۵، ۱۵، ۱۳، ۵، ۳
۱۱، ۱۰، ۷، ۶، ۵، ۵، ۳، ۳۹
قدیریہ (مکتب فکر) :- ص ۸۰، ۲۵۱
قریظہ (بنو) یہودی قبیلہ :- ص ۲۱۹
قریشیا (عراق اور شام کا سرحدی مقام)
ص ۱۳۲
قس (آرمینیا کا سرحدی مقام) :- ص ۱۳۲
قزاریہ (بندرگاہ) :- ص ۷، ۸، ۳۹
۱۳۵، ۳۶
قسطین (روم کا پرانا بادشاہ) :- ص ۳
قسطین (ہرقل کا پوتا اور قیصر روم) :- ص ۵۱
۲۸۳، ۱۵۲، ۱۰۰، ۷۹، ۵۷
قسطنطین (آگستن) ہرقل کا پوتا :- ص ۵۱
قسطنطنیہ (استنبول) :- ص ۱۳، ۳۳، ۵۱
۱۳۲، ۱۲۰، ۱۰۰، ۸۰، ۶۹، ۶۸، ۵۳
۱۵۶، ۱۵۳
قصی بن کلاب (حصنورپاک کے جد امجد)
ص ۱۶۹
تقاع بن عمرو (اسلام کے عظیم فرزند)
ص ۱۶۱، ۱۷۰، ۱۸۰، ۱۹۲
قلزم (مقام اور بحیرہ) :- ص ۸، ۲۰، ۲۱

کناز بن بشر (حضرت عثمانؓ کے گھیراؤ میں

شرکت) :- ص ۲۳۲، ۲۴۹

کنشک (بدھ راجہ) :- ص ۱۹۷

کنعان (شام) :- ص ۶۳

کوئی (حضرت ابراہیمؑ کا شہر) :- ص ۳۶

کوفہ (چھاؤنی) :- ص ۶۱، ۶۳، ۷۱

۱۵۹، ۱۳۲، ۱۳۶، ۱۱۶، ۹۵، ۸۷

۱۶۱، ۱۴۳، ۱۴۵، ۱۶۷، ۱۷۰، ۱۷۱

۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۱، ۱۸۳

۱۸۷، ۱۹۲، ۲۰۲، ۲۱۰، ۲۱۳، ۲۱۷، ۲۲۰

۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۸، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳

۲۵۵، ۲۵۷، ۲۶۲، ۲۶۵، ۲۶۷

۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۷، ۲۸۲، ۲۸۳

کوہ سلیمان :- ص ۱، ص ۱

کیسین (جھیل) :- ص ۱۳۱، ص ۱۶۰

۱۹۶

(گ)

گلب (انگریز جینل اور مورخ) :- ص ۲۹

۱۸۳، ۱۵۰، ۱۳۶، ۷۱، ۶۰، ۳۳

گبن (انگریز مورخ) :- ص ۷۱، ۱۱۸

گھانا (ملک) :- ص ۹۹

گرگوری (جریدہ نویس) :- ص ۱۱۷

۱۹۷

کاکیشیا (علاقہ) :- ص ۴۵

کراچی (بندرگاہ) :- ص ۱۱۲

کرام ویل (سترھویں صدی کا انگریز

ڈاکٹریٹر) :- ص ۱۸۳

کرامتہ (حیرہ کی پری) - حضور پاکؐ کی شوبل

کو عطا :- ص ۲۷

کر بلا (سائنحہ کر بلا) :- ص ۶۹، ۱۳۱، ۱۳۵

کرمان (ایران میں مقام) :- ص ۱۹۲، ۱۹۳

۲۰۵، ۱۹۶

کرٹ (جزیرہ) :- ص ۵۶

کسریٰ ایران :- ص ۷۱، ۱۵۳

کٹریشٹی (وزیرستان کا مقام) :-

ص ۱۷۹، ۲۰۱

کلاسوٹز (جرمن جنگی ماہر) :- ص ۳۳

۱۲۱، ۶۰، ۳۷

کعب اجبار (نومسلم یہودی عالم) :- ص

۲۷۵، ۲۳۹، ۲۵۷

کعب بن مالک (عالم) :- ص ۲۶۲

کلکتہ (انگریزوں کا دارالخلافہ) :- ص ۱۸۸

کلیب بن ابوبکر لیبی (فیروز کے ہاتھوں شہادت

ص ۷۵

کلیم بن سلامہ (موصل کے امیر) :- ص ۱۶۱

(ل)

ص ۱۹۳، ۱۹۶، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۲۸، ۲۸۲

محصلین (ٹیکس جمع کرنے والے) :- ص ۱۳۱

محمد بن ابوبکر صدیق ^{رضی} :- ص ۲۳۸، ۲۳۲

۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹ تا ۲۷۴

محمد بن طلحہ ^{رضی} :- ص ۲۷۳، ۲۷۸

محمد بن مسلمہ (عظیم انصار صحابی) :- ص ۲۳۱

۲۶۲، ۲۶۷، ۲۷۲

محمد بن ابوخذیفہ :- ص ۲۳۹، ۲۴۲

محمد بن مسلمہ (خیر میں شہادت) :- ص ۲۳۱

محمد غزنوی ^{رضی} (اس خط کا عظیم مجاہد) :- ص ۱۹۸

۱۹۹، ۲۹۳

مخزوم (بنو مخزوم) قبیلہ :- ص ۱۰۵، ۱۶۳

مدائن (ایرانی دارالحکومت) :- ص ۵۶، ۷۷

۶۸، ۱۵۳، ۲۱۸

مدراں (بندرگاہ) :- ص ۶۲، ۹۹، ۱۸۷

مدینہ شریف :- ص ۸ تا ۱۱، ۱۸، ۲۱، ۲۲

۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۵۰، ۷۱

۶۳، ۶۸، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۸۰، ۸۲ تا ۸۴

۸۷، ۹۵، ۱۰۲، ۱۰۷، ۱۱۸، ۱۲۹، ۱۳۰

۱۳۳، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۴۳، ۱۴۷، ۱۴۸

۱۷۲، ۲۲۰، ۲۱۷، ۲۱۱، ۱۸۹، ۱۷۶، ۱۷۲

۲۲۲ تا ۲۲۸، ۲۳۱، ۲۳۳، ۲۳۴

۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۳، ۲۳۶

بنان (ملک) :- ص ۱۵۶

لبیا (ملک) :- ص ۹۹، ۱۱۹، ۱۲۱

لوقان (شمالی ایران میں مقام) :- ص ۱۷۰

لوح محفوظ :- ص ۲۱۳

(م)

حضور پاک محمد مصطفیٰ ^{صلی اللہ علیہ وسلم}

کتاب کے تقریباً تمام صفحات آپ کے کسی نہ

کسی اسم سے مزین ہیں اور تمام کتاب آپ ہی

کے جمال و جلال کا مظہر ہے۔ اس لئے

صفحہ جات کا ذکر نہیں۔

مارٹینا (ہرقل کی بیوی) :- ص ۵۱

مارلیرو (چرچل کا جد امجد) ویول کی خوشامد

ص :- ۱۲۱

ماری قبطی (ام المومنین) مقوقس کا حضور پاک

کو تحفہ :- ص ۱

ماسکو روس کا دارالخلافہ :- ص ۱۱۳

مالک بن حبیب یربونی (رمہ کی امامت) :-

ص ۱۶۰

مالی (افریقہ کا ملک) :- ص ۹۹

مثنیٰ ابن حارث (میدان جنگ کا شکاری)

ص ۱۸، ۲۱۶، ۲۲۶

مجاہد بن مسعود (بصرہ کے محدث پرمات)



- ۱۹۰، ۱۸۸، ۱۷۰
 طایا (ملک) :- ص ۱۱۲
 منٹگری (انگریز فیلڈ مارشل) :- ص ۶۳
 منڈفور (تھیوڈورس) ذہریلا سامپ - رومی
 جبریل :- ص ۲۳، ۲۶، ۳۱، ۳۵، ۳۷
 ۵۱، ۵۳، ۵۷، ۵۸
 منصف شیانی (بلنجر کی لڑائی میں شہادت)
 ص ۱۷۸
 منطق الطیر (فرید الدین عطار کی کتاب اور
 بلندیوں والا علم) :- ص ۲۲۲
 مناف (مصر میں مقام) :- ص ۲۷
 منف (مصر میں مقام) :- ص ۱۲، ۱۳، ۱۴
 ۱۱۶، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۷، ۱۲۸
 منگول (وسط ایشیا کی قوم) :- ص ۱۱۳
 منویل خصی (رومی جبریل) :- ص ۱۰۰، ۱۰۲
 ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۳
 منیاس (پادری) :- ص ۱۵
 موتہ (افریقہ کا شہر) :- ص ۱۱۹
 موتہ (جنگ) :- ص ۱۷، ۱۷۷
 موریان (رومی جبریل اور اس کی ہلاکت) :-
 ص ۱۳۲، ۱۳۳
 موسیٰ (حضرت موسیٰ پیغمبر) :- ص ۳۱
 ۱۳، ۱۳، ۳۶

- فلسفے متاثر مکتب نگر) :- ص ۲۵۱، ۸۰
 معقل (جناب سالم رضا کے والد) :- ص ۸۳
 معقل بن بسیار (بصرہ کے لشکر کے بیمنہ پر)
 ص ۱۹۰
 مغیرہ بن احسن (حضرت عثمان رضی کی حفاظت
 کرتے ہوئے شہادت) :- ص ۲۷۸
 مغیرہ بن شعبہ (کوفہ و بصرہ کی گورنری)
 ص ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸
 ۲۳۹، ۲۵۱، ۲۷۶، ۲۸۲، ۲۸۳
 مقداد بن اسود (المقداد بھی دیکھیں) بڑی
 صحابی :- ص ۱۹، ۵۹
 مقدم (مکتبہ پہاڑی اور قبرستان) :-
 ص ۲۲، ۲۵، ۶۳، ۱۱۱
 مقدونہ (یونان) :- ص ۶۵
 مقوقس (سائرس) مصر کا باجگزار بادشاہ
 ص ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۱۱، ۱۵، ۲۳، ۲۹، ۳۰
 ۳۲ تا ۳۴، ۳۷، ۳۸، ۵۱، ۵۶، ۵۷
 ۱۰۰، ۱۰۷، ۱۱۱
 مکہ مکرمہ :- ص ۳، ۳۵، ۳۹، ۷۳
 ۸۳، ۱۰۰، ۱۰۳، ۱۰۷، ۲۰۰، ۲۰۸، ۲۲۷
 تا ۲۲۹، ۲۳۳، ۲۳۹، ۲۵۹، ۲۶۰
 ۲۶۵، ۲۶۸، ۲۷۳
 مکران (علاقہ) :- ص ۳۵، ۱۳۱

نہران ا. صبحی (مفسد) :- ص ۲۷۹

نہرو (خاندان) :- ص ۲۰۳

نیاز بن عیاض (حضرت عثمانؓ کی حفاظت

اور شہادت) :- ص ۲۷۷، ۲۷۸

نیاز بن کرز (امن کی کوشش) :- ص ۲۶۲

نیشاپور (خراسان کا شہر) :- ص ۱۷۶، ۱۹۳

۱۹۳، ۱۹۶، ۲۸۲

نیل (دربیا) :- ص ۱۰، ۱۲، ۱۳، ۲۲، ۲۴

۲۶، ۲۷، ۲۸، ۳۰، ۳۲، ۳۵، ۳۳

۶۱، ۶۶، ۷۷، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹

نعمان بن مقرن (فاتح ہماوند) :- ص ۲۳۲

(۹)

وادی بویہ (بالائی ڈور) وزیرستان کا

علاقہ :- ص ۱۷۹، ۲۰۱

وادی سینا (افغانستان) :- ص ۱۹۷

واقعی (مورخ) :- ص ۱۳۶

واقعہ (سورۃ) :- ص ۲۳۸

وردن (عمر و بن عاص کا تو مسلم رومی خادم)

ص ۳۳

وزیرستان (علاقہ) :- ص ۱۷۹، ۱۹۳

۲۰۲، ۲۰۴، ۲۸۲

ولید بن عتیبہ (بدر میں ہلاکت) :- ص ۸۵

۱۶۲، ۱۶۸، ۱۶۹

موسیٰ بن نصیر (فاتح اسپین) :- ص ۱۲۰

موصل (عراق کا شہر) :- ص ۱۶۱

مہرروز (خراسان کا شہر) :- ص ۱۹۵

مہلب (کابل کی فتح میں کارروائی) :- ص ۱۹۷

میڈرڈ (سپین کا دار الحکومت) :- ص ۲۵۳

میران شاہ (وزیرستان کا شہر) :- ص ۷۷

میکائیلی (سیاست باز) :- ص ۲۵۳

(۱۰)

نافع (عقیقہ فاتح افریقہ کے والد) :- ص ۶۳

نائیجیریا (ملک) :- ص ۹۹

نیولین (فرانس کا جزل) :- ص ۱۱۳، ۱۲۱

۱۸۳، ۲۸۲

نخعی (قبیلہ) :- ص ۱۸۰

نخیرجان (خزانے والا ایرانی جزل) :- ص ۷۳

نکیوس یا نینوس (مصر کا اہم مقام) :- ص ۶۳

۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۹، ۱۱۱

نماز قصر (ابوذر کا فتویٰ) :- ص ۲۵۹

نوبہ یا نوبین (سوڈان) :- ص ۱۲، ۶۳

نوح (حضرت نوحؑ پیغمبر) :- ص ۱۳، ۱۳

۲۵، ۳۶، ۳۵

نوبیہ یا نوبین (مصر کا مقام) :- ص ۵۲

نہاوند (جنگ) :- ص ۳۵، ۳۶، ۳۸، ۷۵

۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۳۲

۲۲۰، ۲۵۵، ۲۷۳
ہرم بن عیان (بصرہ کے محاذ پر لشکر کی کمانڈ)

ص ۱۹۰، ۱۹۱، ۲۰۰، ۲۸۲

سجدان (ایران میں مقام) :- ص ۲۸۲

ہمدانی (قبیلہ) :- ص ۱۸۰

ہندوستان (متحدہ) :- ص ۶۲، ۱۸۷

۲۰۶، ۱۸۸

ہندوستان (برصغیر) :- ص ۶۲

ہندو کش (افغانستان کا سرحدی پہاڑ) :-

ص ۱۹۶

ہندہ زوجہ ابوسفیان :- ص ۱۰۵، ۲۳۹

ہنی بال (قبل مسیح کا ٹیولنس کا مشہور جہز)

ص ۱۱۹، ۱۲۱

(۵)

پاکستان (مادر پدر آزاد علاقہ) :- ص ۲۱۹

یرجبان جہمی (بصرہ کے محاذ پر امارت)

ص ۱۹۱

یرقا (حضرت عمرؓ کے خادم) :- ص ۲۵۸

یرموک (جنگ اور مقام) :- ص ۶، ۱۰

ص ۳۳، ۳۷، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲

۲۱۶، ۲۰۳

یزدجرد (ایرانی بادشاہ) :- ص ۳۳، ۳۶

۱۸۱

ولید بن عقبہ (حضرت عثمانؓ کا اخیانی

بھائی اور کوفہ کا گورنر) :- ص ۱۴۲، ۱۶۶

ص ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹ تا ۱۷۴، ۱۷۷، ۲۱۷

ص ۲۲۰، ۲۲۳، ۲۵۱، ۲۸۲، ۲۸۳

ونیس (بین الاقوامی شہر) :- ص ۶

ویل (انگریز فیلڈ مارشل اور لارڈ) :- ص

ص ۶۳، ۱۲۰، ۱۲۱

(۵)

ہاجرہ (ام المؤمنین ہاجرہ زوجہ ابراہیمؑ پیغمبر)

ص ۳، ۱۲، ۱۳، ۱۵، ۳۶

ہاشم یا ہاشمی (حضور پاکؐ کے پردادا اور

ان کا خاندان) :- ص ۱۳۱، ۱۶۲، ۱۶۳

ص ۱۶۹، ۱۸۹، ۲۷۳

ہام (حضرت نوحؑ کا بیٹا) :- ص ۱۳، ۱۴

ہٹی (انگریز مورخ) :- ص ۷۱

ہرات (افغانستان کا شہر) :- ص ۱۶۰

ص ۱۹۵، ۱۹۶، ۲۸۲

ہرقل (قیصر روم) :- ص ۱۵، ۳۳، ۳۴

ص ۵۱، ۵۷، ۱۰۰، ۱۱۷، ۱۲۰، ۱۵۳

ہرقلون (ہرقل کا بیٹا) :- ص ۵۱

ہرمز (ایرانی جہز) :- ص ۳

ہرمز (خراسان میں ایک مقام) :- ص ۱۹۴

ہرمزان (دغا باز ایرانی جہز) :- ص ۷۳

یمین (ملک) :- ص ۳۳، ۳۶، ۳۰، ۳۵

۱۵۱

یوریشین (یورپ اور ایشیا کی سرحد کے

لوگ) :- ص ۱۱۹

یورپ (براعظم اور یورپ کے لوگ) :-

ص ۲، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۶، ۳۶، ۳۳

ص ۵، ۶، ۵۹، ۵۹، ۶۵، ۶۹، ۷۱، ۹۹

۱۰۶، ۱۰۷، ۱۱۳، ۱۱۷، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۳۲

۱۳۷، ۱۵۳، ۱۵۶، ۲۰۶

یوسف (حضرت یوسفؑ پیغمبر) :- ص ۲

ص ۱۳، ۱۵، ۱۶، ۳۶، ۶۳

یونان (یونانی) :- ص ۳، ۱۵، ۲۳

۳۰، ۳۳، ۵۵، ۱۰۱

یزید بن ابوسقیان (رسالہ لشکر) :- ص ۹

۱۳۵، ۱۶۸، ۱۶۹، ۲۲۳

یزید بن قیس (مفسد) :- ص ۱۸۰

یزید بن معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (بلنجر کی جنگ میں شہادت)

ص ۱۷۸

یزید بن معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ساختہ کر بلا کا ذمہ دار)

ص ۱۳۵، ۱۶۵، ۱۷۳

یسوع مسیح (حضرت عیسیٰؑ) :- ص ۱۵

یعقوب (حضرت یعقوبؑ پیغمبر) :- ص ۲

۱۳، ۳۹

یعنی (حضرت نوحؑ کا بیٹا) :- ص ۱۳

یلیقان (آذربائیجان کا سرحدی مقام)

ص ۳۳

یامہ (مقام اور جنگ) :- ص ۸۳، ۲۰۹

۲۱۲، ۲۳۹

(نوٹ) صفحات نمبر ۷۲، ۱۳۳، ۱۵۸، ۱۸۶، ۲۶۳ جو خالی تھے کتاب میں شامل

نہیں کئے گئے۔ قارئین نوٹ فرمائیں۔

☆☆☆

تمت بالخیر

میرزا محمد علی

میرزا محمد علی

میرزا محمد علی

میرزا محمد علی